انتساب

اپنا یہ ناول میں
رفعت کے نام کرتا ہوں —
جو میری زندگی میں کئی رفعتیں لے کر آئی۔
جو میری بیٹی ہی نہیں، میری زندگی میں
ایک سنگِ میل بن کر آئی تھی ...... اور
اب تک وہ میرے لیے رفعتوں کا
باعث ہے —

اشتیاق احمد

سُرخ کار

"سیٹھ صاحب! آج آپ دفتر سے باہر کہیں نہ جائیں۔"
"کیوں، کیا بات ہے — آج تو مجھے بہت ضروری کام ہے — انسپکٹر جمشید سے میری ملاقات طے ہے۔" سیٹھ وردی نے چونک کر کہا اور ادھر ادھر ملازم راہداری کو گھورنے لگے۔
"بس آپ انھیں یہیں بلا لیں۔"
"آخر کیوں — وہ بھی تو بتاؤ" وہ جھلا کر بولے۔
"آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"
"کیا بکواس ہے" وہ چلائے۔
ان کی آواز ان کے دفتر کے دوسرے آدمیوں نے بھی سن لی — اب ان کے کان ان کی آوازوں پر لگ گئے —
"آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں — آپ کے سر پر موت منڈلا رہی ہے — آپ اسی صورت میں محفوظ رہ سکتے ہیں، جب آپ باہر قدم نہ نکالیں — بلکہ آج تو آپ اپنے گھر بھی

نہ جائیں۔"

"راجن! کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"نہیں سر — میرا حساب یہی کہہ رہا ہے۔"

"پھر وہی تمھارا حساب — دیکھو راجن! تم ہندو ہو — میں مسلمان ہوں — مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے — جب کسی انسان کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اسے موت سے نہیں بچا سکتی اور اگر اس کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اسے موت کے گھاٹ نہیں اُتار سکتی۔"

"اب میرا حساب سُنیے — آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ایک نجومی باپ کی اولاد ہوں — میں اپنے باپ سے یہ علم سیکھ چکا ہوں — آپ مانیں یا نہ مانیں — یہ علم ضرور ہے — اور اس علم کی رو سے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آج کا دن آپ کی زندگی کے لیے خطرناک ہے۔"

"ہوگا — اور ہوگا یہ علم بھی — لیکن ایک مسلمان کے لیے اس قسم کے علم پر یقین کرنے کا حکم نہیں ہے — اسے تو بس یہ حکم ہے کہ اللہ پر بھروسا رکھو۔"

"آپ کی مرضی! میں نے آپ کو روکنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔"

"اور تمھیں یہ یقین ہے کہ میں آج زندہ سلامت لوٹ کر نہیں آؤں گا؟"

"ہاں! میرا علم یہ کہتا ہے۔"

"اچھا! اب تم اپنا حساب کتاب لگاؤ — تمھیں ملازم رکھ کر میں نے مصیبت مول لے لی ہے — آئے دن تم اپنے علم سے ڈراتے رہتے ہو — اب یہ اپنا حساب کتاب رکھو اپنے پاس — انسپکٹر جمشید بہت با اصول آدمی ہیں، اگر میں ان کے پاس وقت پر نہ پہنچا تو پھر وہ شاید ملاقات سے ہی انکار کر دیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی! میں نے آپ کو روکنے کی پوری کوشش کی — یہ بات آپ ذرا دفتر کے باقی لوگوں کو بتا دیں — تاکہ وہ جان لیں — کہ آخر وقت تک میں اسی کوشش میں رہا ہوں۔"

"دفتر کے لوگ، انھیں سُن چکے ہیں — ہماری باتوں پر وہ پہلے ہی بہت توجہ دیتے ہیں — کیونکہ تم اسی قسم کی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہنے کے عادی ہو — اب اگر تم نے ایک لفظ بھی نکالا تو میں اسی وقت ملازمت سے تمھیں جواب دے دوں گا۔"

"آپ کی موت کے بعد ہم یہاں ملازم کس طرح رہ سکیں گے — ادارہ تو ختم ہو جائے گا، لہٰذا اس سے کیا فرق

پڑ جائے گا۔"

"اچھا تم جان چھوڑتے ہو یا نہیں؟" انھوں نے جل بھن کر کہا۔

"اچھا — جائیے — بھگوان آپ کی حفاظت کرے۔"

"بھگوان نہیں — اللہ۔"

"ایک ہی بات ہے۔" راجن نے کہا۔

"بالکل غلط — ایک ہی بات نہیں ہے — تم بتوں کو بھگوان کہتے ہو — اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو۔" وہ تلملا کر بولے۔

"اس موضوع پر بات نہ کریں — میرے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔"

"اور جب تم میرے دفتر میں کھڑے ہو کر بھگوان کا نام لیتے ہو — تو مجھے بھی بہت برا لگتا ہے۔"

"ان سب باتوں کے باوجود آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے محبت ہے — اس محبت کی وجہ سے ہی میں اس دفتر میں پایا جاتا ہوں — ورنہ آپ ایک ہندو کو کیوں ملازم رکھنے لگے تھے۔"

"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے — تمام تر خرابیوں کے باوجود تم ایک اچھے آدمی ہو — تم نے چند غنڈوں سے میری جان

بچائی تھی — مار مار کر انھیں لہولہان کر دیا تھا — اس روز اگر تم میری مدد نہ کرتے تو وہ نوٹوں سے بھرا میرا سوٹ کیس لے گئے تھے۔"

"اور آپ نے میرے احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ مجھے یہیں ملازمت دے دی — میں ان دنوں بے کار پھر رہا تھا۔"

"چلو چھوڑو ان باتوں کو اور میرا راستا چھوڑ دو۔"

"جائیے — بھگ — نن — نہیں — اللہ آپ کی حفاظت کرے۔" وہ بولا۔

"ہاں! اب درست بات کی تم نے۔"

انھوں نے مسکرا کر کہا اور باہر نکل گئے — بریف کیس ان کے ہاتھ میں تھا — ان کے جاتے ہی دفتر کے لوگ راجن کے گرد جمع ہو گئے۔

"راجن! آج تو ہماری بھی قسمت کا حال بتا دو۔"

"ہرگز نہیں — میں کوئی معمولی نجومی نہیں ہوں — اور نہ یہ کام پیشے کے طور پر کرتا ہوں — میں نے اب اپنا علم صرف بیگ صاحب کے لیے وقف کر دیا ہے — افسوس — آج کے بعد ہم بیگ صاحب کو کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔" اس نے ایک سرد آہ بھری۔

"کیا بکواس ہے؟"

"اچھا یار جاؤ— اپنا اپنا کام کرو— اور دیکھو ایک گھنٹے تک کیا خبر آتی ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"خیر کی خبر آئے گی"۔ کسی نے کہا۔

"لیکن! سوال یہ ہے کہ سیٹھ صاحب کو انسپکٹر جمشید صاحب سے کیا کام آ پڑا؟ وہ تو بہت خاص کاموں کے لیے ہیں۔" ایک اور بولا۔

"سیٹھ صاحب کو بھی کوئی بہت خاص کام آ پڑا ہوگا!"

راجن نے کہا اور پھر سے اپنے حساب کتاب میں گم ہو گیا— اچانک اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا— اس پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہو گئے— وہ فوراً سیٹھ صاحب کے کمرے سے نکلا اور دوسروں کے سامنے جا کھڑا ہوا— سب کی نظریں اس پر جم گئیں— چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔

"اب کیا ہے؟" ایک نے جھلا کر کہا۔

"ہونا کیا ہے— وقت نوٹ کر لو۔"

"وقت نوٹ کر لیں— کیا مطلب؟"

"پہلے یہ بتاؤ— وقت کیا ہوا ہے؟" راجن کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"اپنی گھڑی پر کیوں نہیں دیکھ لیتے؟"

"تم بتاؤ۔" وہ بولا، جیسے نیند میں بات کر رہا ہو۔ اب تو سب پریشان ہو گئے— ان سب نے گھڑیوں پر نظریں جما دیں—

"چار بجے ہیں۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"بس یہی وہ لمحہ ہے— جب ان کی زندگی کا چراغ گُل ہوا ہے۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔"

"میں تو تم سب کی موت کا وقت بھی بتا سکتا ہوں۔"

"کیا— موت کا وقت— بتا سکتے ہو؟"

"ہاں بالکل— پہلے تم لوگ سیٹھ صاحب کے بارے میں معلوم کرو— معلوم کرو— کیا وہ انسپکٹر جمشید صاحب کے دفتر میں پہنچے ہیں۔"

"ہمیں کیا ضرورت ہے پتا کرنے کی— اگر تمہاری اطلاع غلط ثابت ہو گئی تو کیا بنے گا۔"

"اچھی بات ہے— تم نہ کرو تصدیق— تھوڑی دیر بعد خود ہی فون پر سن لو گے۔" اس نے کہا۔

"اور فون کون کرے گا؟"

"پولیس کا کوئی کارکن کرے گا— اور کون کرتا۔"

"شاید ہم اس فون کے انتظار میں بوڑھے ہو جائیں گے۔" ایک ملازم ہنسا۔

"ارے نہیں۔ اتنی دیر نہیں لگے گی فون کے آنے میں۔"

وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"تو پھر کتنی دیر لگے گی؟"

"بس چند منٹ اور۔"

وہ گھڑیوں کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر چند منٹ مزید گزر گئے اور فون کی گھنٹی نہ بجی۔ باقی ملازمین کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹیں نظر آنے لگیں، لیکن وہ بدستور اسی طرح پُرسکون انداز میں بیٹھا رہا۔

اور پھر اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ سب کے سب بری طرح اچھل پڑے۔ ان میں سے ایک کا ہاتھ مشینی انداز میں ریسیور کی طرف بڑھا۔

●

سیٹھ نوفل اپنے دفتر سے باہر نکلے اور کار میں بیٹھ گئے۔ آج انھوں نے اپنے ڈرائیور کو ساتھ نہیں لیا تھا۔ خود ہی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ کار

آگے بڑھی۔ گیٹ پر کھڑے سفید وردی والے ملازم نے انھیں سلام کیا۔ اور وہ سلام کا جواب دیتے ہوئے آگے نکل گئے۔ لیکن صرف ایک منٹ بعد انھوں نے محسوس کیا کہ ایک سرخ رنگ کی چھوٹی سی کار ان کا تعاقب کر رہی ہے۔

انھوں نے آئینے میں اس کار کا جائزہ لیا۔ کار کی چمک دمک بتا رہی تھی کہ وہ بالکل نئی ہے۔ انھوں نے بغور دیکھنے کی کوشش کی۔ ڈرائیور انھیں کوشش کے باوجود نظر نہ آیا۔ اس وقت وہ ایک سنسان راستے پر سے گزر رہے تھے۔ ان کی فیکٹری شہر سے باہر تھی۔ آگے یا پیچھے ان دو کاروں کے علاوہ کوئی اور کار نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کیا یہ کار میرا تعاقب کر رہی ہے؟" انھوں نے خود سے سوال کیا۔

انھوں نے کار کی رفتار قدرے کم کر دی۔ تاکہ اندازہ ہو جائے۔ سرخ کار نزدیک آتی چلی گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ رفتار بڑھاتے، یہ سوچ کر کہ اگر یہ کار تعاقب کر رہی ہوگی تو فوراً ہی اس کی رفتار بھی کم ہو جاتی۔ ان کی نظریں ڈرائیونگ سیٹ پر جا پڑیں۔

ان کے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بدحواسی کے

عالم میں انھوں نے رفتار بڑھا دی، لیکن اب سُرخ کار کی رفتار بھی اسی حساب سے بڑھ گئی تھی — اور وہ ان کی کار کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی تھی — انھوں نے رفتار اور بڑھا دی — سرخ کار کی رفتار بھی اور بڑھ گئی — اب تو ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے — ایسے میں انھیں راجن کے الفاظ یاد آنے لگے — اس کا چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا — ایسے میں سُرخ کار کی رفتار یک دم بڑھ گئی اور وہ ان کی کار سے آگے نکل گئی — آگے نکلتے ہی سُرخ کار کی رفتار یک دم کم ہو گئی — انھیں خود کو حادثے سے بچانے کے لیے رفتار کم کرنا پڑی — اور کار کو بائیں طرف کرنے کی کوشش کی — لیکن پوری کوشش کے باوجود سرخ کار ان کی کار سے ٹکرا گئی —

دوسرے ہی لمحے ان کی کار اُلٹ گئی اور لڑھکتی ہوئی ایک گہری کھائی میں جا گری — ساتھ ہی اس سے شعلے بلند ہونے لگے — دھواں اٹھنے لگا —

ادھر سرخ کار بلا کی رفتار سے آگے نکلتی چلی گئی تھی —

چند منٹ بعد دو کاریں مخالف سمت سے آئیں اور اس جگہ آ کر رک گئیں —

"کسی بے چارے کی کار اُلٹ گئی — بُری طرح جل رہی

ہے — اب تک تو وہ خود بھی جل چکا ہو گا — لہٰذا ہم اس کے لیے تو اب کچھ کر نہیں سکتے — البتہ پولیس کو فون کر دیں گے۔" تھم جانے والی کار کے ڈرائیور نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" دوسری کار کے ڈرائیور نے کہا۔

دونوں کاریں آگے بڑھ گئیں — پھر آدھ گھنٹے بعد پولیس اس کھائی میں اترتی نظر آئی — کار بُری طرح جل چکی تھی — اور اور ایک جلی ہوئی لاش بھی نظر آ رہی تھی — کار سے کچھ فاصلے پر ایک بریف کیس پڑا نظر آ رہا تھا — یہ کار سے اس وقت نکل گیا ہو گا — جب کار الٹ کر کھائی میں گری تھی — پولیس نے جب اس بریف کیس کو کھولا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ کار سیٹھ نوری کی تھی — گویا یہ لاش بھی ان کی ہی تھی — بریف کیس میں صرف عام سے کاغذات تھے —

"یہ سو فی صد حادثہ ہے — ان کے فون نمبر پر اطلاع دے دو۔" پولیس انسپکٹر نے اپنے ماتحت سے کہا۔

"یس سر۔" ماتحت نے کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

انسپکٹر جمشید نے بے تابانہ انداز میں گھڑی پر نظر ڈالی — تین منٹ زائد ہو چکے تھے — لیکن اب تک سیٹھ نوری نہیں آئے تھے — انھوں نے ملاقات کا وقت کل کسی وقت مانگا تھا اور انسپکٹر جمشید نے انھیں چار بجے کا وقت دیا تھا — اور اب چار بج کر تین منٹ ہو چکے تھے — انھوں نے سیٹھ نوری کے نمبر ملائے — دوسری طرف سے فوراً ریسیور اٹھایا گیا:

"کیا یہ سیٹھ نوری کی فیکٹری کا نمبر ہے؟"

"ہاں جناب!"

"وہ موجود ہیں؟" انھوں نے ناخوش گوار انداز میں پوچھا۔

"جی نہیں — وہ پینتالیس منٹ پہلے یہاں سے جا چکے ہیں۔"

"اور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں؟"

"جی ہاں! انھیں انسپکٹر جمشید سے بہت ضروری ملاقات کرنا تھی۔"

"اور میں انسپکٹر جمشید ہی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ — تو اس کا مطلب ہے — سیٹھ صاحب اب تک آپ کے پاس نہیں پہنچے۔" ان کے سیکرٹری نے چونک کر کہا۔

"نہیں پہنچے — اسی لیے تو فون کیا ہے۔"

"یا اللہ رحم — وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔"

"کیا مطلب — کیا ہوا اور کس کا ڈر تھا؟"

"پینتالیس منٹ پہلے جب وہ آپ کی طرف جانے کے لیے نکلنے لگے تو ان کے ایک ملازم راجن نے انھیں باہر جانے سے روکا تھا اور کہا تھا — آپ آج نہ جائیں — آج کا دن آپ کے لیے خطرناک ہو گا — وہ نجومی قسم کا آدمی ہے — اس نے پورے یقین سے یہ بات کہی تھی، لیکن سیٹھ صاحب نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے — سیٹھ صاحب کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہیں — اور یہ اس نجومی کے کہنے کی وجہ سے ہرگز نہیں ہوا، میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا — آپ ایسا کریں — دفتر سے لے کر شہر تک کا راستا چیک کر لیں — میں پونے پانچ بجے تک یہاں ہوں — ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے تو مجھے فون کر دیجیے گا — میرا فون نمبر نوٹ کر لیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے فون نمبر لکھوا دیا۔

اور پھر انھوں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجنے لگی —

اس کی نہیں

"یار دیکھنا — کس قدر خوب صورت کار ہے۔" فاروق نے چونک کر کہا۔

"ہو گی — ہمیں کیا — ہماری کار کم خوب صورت نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"لیکن تم ایک نظر دیکھ تو لو۔"

محمود نے کار پارک میں کھڑی اس سرخ رنگ کی کار کو دیکھا اور پھر چونک اٹھا:

"ہائیں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"سرخ رنگ کی ایک کار — اور ابھی ابھی میں نے ہی تم سے اس کار کو دیکھنے کی درخواست کی تھی — اب اس میں دیکھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی — کہ ہائیں یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"اُف مالک! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" محمود نے کانپتی آواز میں کہا۔

اب تو فاروق بھی گھبرا گیا:

"آخر کیا دیکھ رہے ہو — کچھ مجھے بھی دکھا دو۔"

"کیا دکھا دوں — تم خود دیکھو۔"

"لیکن خود کیا دیکھوں؟"

"یار — تمھاری آنکھیں ہیں یا بٹن؟" محمود نے تلملا کر کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے تک تو آنکھیں ہی تھیں — اب کچھ کہہ نہیں سکتا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اچھا اس کار کو غور سے دیکھو۔"

فاروق نے گھبرا کر سرخ کار کو دیکھا اور پھر منہ بنا کر بولا:

"اس میں شک نہیں کہ یہ ایک سرخ کار ہے۔"

"حد ہو گئی — یہ تم نے غور سے دیکھا ہے؟"

"کیا مطلب — کیا بہت زیادہ غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بہت زیادہ سے بھی کہیں زیادہ غور سے۔"

"اور تم نے یک دم اس قدر غور سے اس کار کو کس طرح دیکھ لیا؟"

"یہ میری عادت ہے — جو تم میں نہیں ہے۔"

"اچھا ہی ہے — مجھ میں نہیں ہے — ورنہ پھر تم مجھے کیا دکھایا کرتے۔" اس نے جل کر کہا۔

"تم خود سے کار کو دیکھو — میں ذرا اس کار کے بارے میں سلمان سے پوچھ کر آتا ہوں۔"

"لیکن تم اس سے کیا پوچھو گے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا —

"ابھی آ کر بتاتا ہوں۔"

اور پھر محمود اس کوٹھی میں داخل ہو گیا، جس سے وہ ابھی ابھی نکلے تھے — یہ ان کے دوست سلمان کا گھر تھا، سلمان کئی بار انھیں اپنے گھر آنے کی دعوت دے چکا تھا، آخر آج انھوں نے اس کی دعوت قبول کر لی تھی — اس سے ملاقات کر کے وہ باہر نکلے تھے — سلمان کا گھر ایک کاروباری مرکز میں تھا — لہٰذا یہاں ایک بڑا کار پارک بنایا گیا تھا — جو لوگ اس علاقے میں آتے تھے — انھیں کار صرف پارک میں کھڑی کرنے کی اجازت تھی — محمود نے دروازے کی گھنٹی بجائی — جلد ہی ملازم نے دروازہ کھولا:

"ذرا سلمان کو باہر بھیجیں۔"

"جی اچھا!" ملازم نے کہا اور اندر چلا گیا — ابھی ابھی انھیں

رخصت کرنے کے بعد اسی نے دروازہ بند کیا تھا۔

ایک منٹ بعد سلمان چہرے پر حیرت لیے باہر آ گیا:

"ذرا آپ کو کار پارک تک لے کر چلنا ہے۔"

"کیوں! کوئی خاص بات؟"

"ہاں بس — خاص ہی ہے۔"

"اچھا!" اس نے حیران ہو کر کہا اور اس کے ساتھ چلنے لگا، جلد ہی وہ کار پارک میں داخل ہوئے — فاروق اپنی جگہ جوں کا توں کھڑا تھا — البتہ اس کے چہرے سے اب حیرت ہی حیرت ٹپک رہی تھی:

"کیوں! کیا ہوا؟" محمود نے فوراً پوچھا۔

"پپ — پتا نہیں — ویسے کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔" فاروق کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"خود مجھے بھی معلوم نہیں کہ یہ کوئی بات ہوئی ہے یا نہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو بھئی؟"

"تمھارے جانے کے بعد اس کار نے ....." فاروق کہتے کہتے رک گیا —

"اس کار نے کیا — آگے بھی تو کہو نا۔"

"مجھے گھور کر دیکھا تھا!"

"کیا کہا — کار نے گھور کر دیکھا تھا؟" سلمان نے حیران ہو کر کہا۔

"اوہ! تو تمہیں بھی اس نے گھور کر دیکھ لیا — کمال ہے"۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پہلے اس نے مجھے گھور کر ہی تو دیکھا تھا — اسی لیے تو میں نے سلمان کو بلانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔" محمود کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"یہ آپ دونوں کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اچھا — ذرا تم اس کی طرف بغور دیکھو۔" فاروق بولا۔

"کار کی طرف غور سے دیکھوں؟" اس کے لہجے میں اب بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں ہاں بھئی دیکھ لو — کوئی حرج نہیں — زیادہ سے زیادہ یہ بُرا مان جائے گی اور بس۔" فاروق نے کہا۔

سلمان کار کی طرف غور سے دیکھنے لگا — اچانک اسے ایک زور دار جھٹکا لگا:

"ارے باپ رے — اس نے تو واقعی مجھے گھورا ہے!"

"دیکھا! میں نے غلط نہیں کہا تھا نا۔" فاروق چہکا۔

"ہاں سلمان! یہ کار کس کی ہے؟" محمود نے کہا۔

"کس کی ہے — بھلا میں کیا جانوں"۔

"فاروق اس کا نمبر نوٹ کر لو — اب ہمیں سلمان کی ہی کی چھت پر بیٹھ کر اس کار کی نگرانی کرنا ہو گی۔"

"لیکن کیوں! اس کی کیا ضرورت ہے بھلا؟" سلمان بولا۔

"آج سے پہلے ہم نے ایسی کوئی کار نہیں دیکھی، جو لوگوں کو گھورتی ہو — یہ پہلی کار ہے — لہٰذا جی چاہتا ہے — اس کے مالک سے بھی ملا جائے۔"

"اچھی بات ہے — تو پھر چلو۔"

وہ گھر کے اندر آ گئے — اوپر جانے سے پہلے محمود نے کہا:

"میرا خیال ہے — ہم فرزانہ کو بتا دیتے ہیں کہ ہمیں دیر ہو سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور پھر محمود نے گھر کے نمبر ڈائل کیے — فرزانہ اس کی آواز سن کر بولی:

"ہائیں! ابھی تک تم وہیں ہو، اس وقت تک تو تمہیں گھر آ جانا چاہیے تھا۔"

"وہ فرزانہ ایک بات ہو گئی ہے۔ اس لیے ہمیں کچھ دیر یہاں رکنا پڑے گا۔"

"کیا بات ہو گئی ہے؟"

"ایک کار نے ہمیں گھور کر دیکھا ہے۔"

"پہلے تم نے اسے گھورا ہو گا۔ ہائیں کیا کہا کار نے گھورا ہے تمہیں۔ یہ کاریں کب سے لوگوں کو گھورنے لگیں۔ ان کی یہ جرأت۔"

"ہاں! یہی تو ہم کہتے ہیں۔ ان کی یہ جرأت۔ آج ایک کار نے ہمیں گھورا ہے۔ کل کوئی بس گھورنے لگے گی۔ پرسوں کوئی ٹرک گھور بیٹھا تو ہم کیا کریں گے اور پھر اسی پر تو بس نہیں ہو گی۔ ٹرک کے بعد باری آ جائے گی ٹرین کی۔ ٹرین کے بعد ہوائی جہاز کی۔ ہوائی جہاز کے بعد لڑاکا طیاروں کی اور..."

"بس بس۔ بہت کافی چیزیں ہو گئیں گھورنے والی۔ ہاں تو ہم ٹھہر کر اٹھیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ ویسے اس کا حل ایک اور ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ تم خود اس کار کو گھورنے لگ جاؤ۔ دیکھو تو سہی، وہ اس کے بعد کیا کرتی ہے۔"

"فی الحال تو ہم اس کی نگرانی شروع کر رہے ہیں، سلمان کی چھت پر بیٹھ کر۔"

"بہتر ہو گا کہ تم ایک دوربین لے کر بیٹھ جاؤ۔"

"اچھی بات ہے۔ میرا خیال ہے۔ سلمان کے پاس دوربین ہو گی۔"

"نہ ہو تو میں پہنچا سکتی ہوں۔"

"اگر تم یہاں آنے کے لیے بے چین ہو تو آ سکتی ہو۔"

"خیر۔ اس قدر بے چین بھی نہیں۔ لیکن اس کار کو دیکھنے کی خواہش ضرور محسوس کر رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں، ایک بار وہ مجھے بھی گھور کر دیکھے۔"

"ٹھیک ہے۔ آنا چاہو تو آ جاؤ۔ ایک منٹ ٹھہرو۔"

یہ کہہ کر محمود نے سلمان کی طرف دیکھا۔ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سلمان کے پاس دوربین ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

فون رکھ کر وہ چھت پر آ گئے اور کرسیاں ڈال کر بیٹھ گئے۔ سلمان جلد ہی دوربین لے آیا۔ اب وہ باری باری دوربین کے ذریعے اس کار پر نظریں جمانے لگے۔ ایسے میں فاروق نے کہا:

"میرا خیال ہے — میری تو اب یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے — تم جا سکتے ہو۔"

سلمان اُٹھ کر چلا گیا۔

"یار فاروق — دوربین میں تو یہ بالکل صاف گھورتی محسوس ہو رہی ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے — کیا زمانہ آ گیا ہے — اب کاریں بھی گھورا کریں گی۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ کار ہے کس کی؟"

"یہی معلوم کرنے تو یہاں آتے ہیں۔"

"آہا — وہ دیکھو — ایک شخص اس طرف بڑھ رہا ہے۔ ہو نہ ہو — یہی اس کار کا مالک ہے۔"

"چلو اچھا ہے — یہ بور کام بھی ختم ہوا۔"

انھوں نے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو کار پارک میں اس کار کی طرف آتے دیکھا تھا — اس کے جسم پر قیمتی سوٹ تھا، چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں تھیں، وہ سر سے بالکل گنجا تھا — ہاتھ میں ایک چھڑی بھی تھی، لیکن یہ دیکھ کر ان کی مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ وہ سُرخ کار کے ساتھ کھڑی سفید کار میں بیٹھ رہا تھا —

"دھت تیرے کی — یہ کار اس کی نہیں۔"

"چلو کوئی بات نہیں — جس کی ہے — آخر کو وہ بھی آ ہی جائے گا نا۔" فاروق مسکرایا۔

انھوں نے اس آدمی کو کار میں بیٹھتے دیکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کار پارک سے نکل آئی — عین اسی لمحے انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا — اور وہ یہ کہ سرخ کار بھی پارک سے نکل کر اس کار کے تعاقب میں روانہ ہو گئی تھی —

"ائیں! یہ کیا — کیا ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں؟"

"پتا نہیں — لگتا تو خواب ہی ہے — جب سے ہم نے سرخ کار کو دیکھا ہے — اس پر برابر نظر رکھی ہے — ہاں! جب ہم کوٹھی کے اندر داخل ہو رہے تھے — اس وقت ضرور سرخ کار ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی — لیکن ہم نے اس کار میں کوئی نہیں دیکھا — اگر اس دوران — کار کا مالک کار میں داخل ہوا ہے تو بھی ہم دوربین سے کار کو دیکھ رہے تھے — وہ ہمیں نظر آنا چاہیے تھا — لیکن ہم نے سٹیرنگ کو خود بخود گھومتے دیکھا ہے — کسی کو کار چلاتے نہیں دیکھا — اور یہ ہماری زندگی کا عجیب ترین واقعہ ہے۔"

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کار ریموٹ کنٹرول ہے۔"

"ارے باپ رے — ریموٹ کنٹرول کار — آؤ — ان

دونوں کا تعاقب کریں — ذرا دیکھیں تو سہی — یہ کہاں جاتی ہیں۔ اور سرخ کار کیا کرتی ہے۔"

دونوں فوراً نیچے اُترے اور اپنی کار میں بیٹھ کر اس سمت میں روانہ ہوئے جس طرف دونوں کاریں گئی تھیں۔ لیکن بہت دیر کوشش کے بعد بھی وہ دونوں کاریں نظر نہ آ سکیں، نہ جانے وہ کہاں چھپ گئی تھیں یا کس طرف نکل گئی تھیں۔

"اب مزید دوڑ دھوپ بے کار ہے — آؤ گھر چلیں۔" فاروق نے تنگ آ کر کہا۔

"تو اب تھوڑی سی دھوپ دوڑ کیوں نہ کر لیں۔" محمود نے کہا۔

"زیادہ شوق ہے — تو تم کر لو — میں اب گھر جاؤں گا۔ ابا جان ہمارے لیے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"خیر — چلو پھر گھر ہی چلتے ہیں۔"

دونوں گھر پہنچے — ابھی تک ان کے والد کی واپسی نہیں ہوئی تھی — فرزانہ نے فوراً ان کا راستہ روک لیا:

"ہاں تو اس کار کا کیا رہا — جو تم دونوں کو گھور رہی تھی؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"وہ فرار ہو گئی۔"

"تفصیل بتاؤ۔" اس نے انھیں گھورا۔

محمود نے تفصیل سنا دی۔ فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس کے منہ سے نکلا:

"ہم — مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے — شاید اس سلسلے میں پروفیسر انکل کوئی بات بتا سکیں۔"

"اور ابا جان کہاں رہ گئے؟"

"ان کے بارے میں بھی ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔"

"کیوں؛ کیا تم نے دفتر فون کیا تھا؟"

"دفتر فون نہیں کیا۔ کہتے ہو تو اب کر لیتی ہوں۔"

"ہاں کر ہی لو — کوئی چکر چلتا محسوس ہو رہا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔ "اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

فرزانہ نے کہا اور دفتر فون کیا، لیکن وہاں سے بتایا گیا کہ انسپکٹر جمشید جا چکے ہیں — یہ نہیں بتا کر گئے کہ کہاں جا رہے ہیں۔

"اوہ!" محمود نے کہا اور ریسیور رکھ دیا — پھر اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا:

"اب کیا کریں؟"

"انکل کو فون۔"

محمود نے تجربہ گاہ کے نمبر ملائے۔ سلسلہ ملنے پر اس نے کہا:

"پروفیسر انکل۔ میں محمود بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ محمود! خیر تو ہے۔ کیا بات ہے؟" دوسری طرف سے خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"ہائیں انکل خان رحمان۔ آپ۔ دھت تیرے کی۔ مجھ سے غلط نمبر مل گیا۔"

"نہیں نہیں۔ یہ انھی کا نمبر ہے۔ میں اتفاق سے اس وقت یہاں ہوں۔"

"اوہ! تب تو ٹھیک ہے۔ آپ ذرا ریسیور انھیں دیں۔ پھر ہم آپ سے بھی بات کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا۔

اور پھر پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی:

"ہاں محمود۔ کیا بات ہے؟"

"ریموٹ کنٹرول کار۔"

"کیا کہا۔ ریموٹ کنٹرول کار۔" وہ چونک کر بولے۔

"ہاں انکل۔ کیا اس وقت تک ریموٹ کنٹرول کاریں کام کرنے لگی ہیں؟"

"ہماری طرف تو ابھی تک نہیں شروع ہوئیں۔ البتہ انشارجہ وغیرہ میں یہ تجربہ سننے میں آیا ہے۔ لیکن ابھی بات تجربے

سے آگے نہیں بڑھی۔"

"لیکن انکل۔ ہم ایسی ایک کار دیکھ چکے ہیں۔"

"کیا۔ کہا۔ دیکھ چکے ہیں۔ تب پھر تم فوراً یہاں چلے آؤ۔" وہ اچھل اٹھے۔

"جی کیا مطلب۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہم۔ میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیا ان کاروں سے؟" محمود دھک سے رہ گیا۔

"ہاں! جلدی کرو۔ تم ابھی وہیں بیٹھے باتیں کر رہے ہو۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

اور محمود نے فوراً ریسیور رکھ دیا، پھر یہ کہتے ہوئے باہر کی طرف دوڑ لگا دی:

"پروفیسر انکل فوراً سے بھی پہلے ہمیں بلا رہے ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" فاروق نے کہا اور اس کے پیچھے دوڑا، فرزانہ نے بھی دوڑنے میں دیر نہ لگائی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی، محمود انتظار نہیں کرے گا۔

"اوہو! کیا مصیبت آ گئی ہے تم پر؟"

"پروفیسر صاحب خطرے میں ہیں۔ آپ ابا جان کو فون کر دیں۔" فرزانہ نے دوڑتے دوڑتے کہا۔

"وہ دفتر میں نہیں ہیں۔ فون کس طرح کر دوں۔" انھوں

نے جھلا کر کہا۔

"تب پھر اگر ان کا فون آ جائے تو بتا دیں" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہ میں کر دوں گی"۔

اتنی دیر میں تینوں کار میں بیٹھ چکے تھے اور کار یہ جا وہ جا۔ بیگم جمشید حیرت زدہ انداز میں دروازے تک پہنچیں اور دروازہ بند کر کے واپس مڑیں۔

اچانک انھیں اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

وہ اندر گھس آئے گی

انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک سرسراتی آواز سنائی دی:

"انسپکٹر جمشید! فون پر جو الفاظ کہے جا رہے ہیں، ان کو غور سے سننے کی ضرورت ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔ اول تو آواز نے ہی انھیں چونکا دیا تھا۔ پھر الفاظ بھی کم چونکانے والے نہیں تھے۔

"مطلب وطلب نہ پوچھیں۔ بات سنیں۔ پروفیسر داؤد کی زندگی کے لمحات بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ انھیں بچا سکتے ہو تو بچا لو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔ انھوں نے فوراً پروفیسر داؤد کے نمبر ڈائل کیے، لیکن فون مصروف تھا۔ لہٰذا انھوں نے فوراً باہر کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ساتھ ہی وہ بولے:

"اکرام تم بھی آؤ — پروفیسر داؤد خطرے میں ہیں۔"

اکرام نے ان کے پیچھے دوڑ لگا دی — فوراً ہی وہ دونوں کار میں اڑے جا رہے تھے:

"آخر معاملہ کیا ہے سر؟"

"کسی نامعلوم آدمی نے اطلاع دی ہے کہ پروفیسر داؤد کی زندگی کے صرف چند لمحات باقی ہیں — آواز ایسی نہیں تھی کہ میں اس کی بات کو مذاق خیال کرتا۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے — پروفیسر صاحب کو کتنی بار کہا ہے کہ تجربہ گاہ کے گرد فورس رکھیں، لیکن وہ یہ بات مانتے ہی نہیں۔" اکرام بولا۔

"اوہو — اکرام — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید خوف زدہ آواز میں بولے۔

"جی — کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"ایک کار — سرخ رنگ کی — مسلسل ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔"

"ہم اس سے نبٹ سکتے ہیں۔"

"لیکن اکرام — میں اس وقت انتہائی خطرناک رفتار سے کار چلا رہا ہوں۔"

"جی! میں سمجھا نہیں — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اس بھری پری سڑک پر اس رفتار سے کار چلانا آسان کام

نہیں — بلکہ مشکل ترین کام کر سکتے ہیں — میں تو خیر پروفیسر داؤد کی وجہ سے مجبور ہوں — اس سرخ کار کو کیا مجبوری ہے — اور پھر اس قدر تیز رفتار سے کار چلانے والا شہر میں اور کون پیدا ہو گیا۔"

"واقعی خوف ناک بات ہے — کیا میں اس پر فائر کر دوں سر؟" اکرام نے کہا۔

"نہیں — جب تک اس کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوتی — ہم فائر کس طرح کر سکتے ہیں۔"

اکرام نے نظریں آئینے پر جما دیں — سرخ کار بدستور پیچھے تھی — اور انسپکٹر جمشید کوشش کے باوجود ابھی تک درمیانی فاصلہ بڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے — پھر فاصلہ بڑھنے کی بجائے بہت تیزی سے کم ہونے لگا —

انسپکٹر جمشید نے اس وقت اپنی پیشانی پسینے سے بھیگتی محسوس کی:

"اکرام! ہم شدید خطرے میں ہیں — اس کار میں کوئی ڈرائیور نہیں ہے۔"

"کیا!!" اکرام نے چلا کر کہا اور آئینے میں غور سے سرخ کار کو دیکھنے لگا —

"ہاں واقعی — لگتا تو یہی ہے — ارے ہاں واقعی — اب تو کار

کافی حد تک نزدیک آ گئی ہے ــ اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی بھی نہیں ہے ــ کیا آپ نے رفتار کم کی ہے سر؟"

"نہیں اکرام ــ یہی تو بات ہے ــ میں اس وقت زیادہ سے زیادہ رفتار سے جا رہا ہوں ــ ہماری کار اس سے زیادہ رفتار سے نہیں جا سکتی ــ دوسری گاڑیاں تو خیر ہمیں راستا اس ایمرجنسی لائٹ کی وجہ سے دے رہی ہیں ــ لیکن یہ سرخ کار تو کسی کی بھی پروا نہیں کر رہی ــ اور ظاہر ہے ــ اس کار کو پروا ہو بھی کیسے سکتی ہے ــ اس کے تباہ ہونے کی صورت میں کوئی نہیں مرے گا ــ نہ زخمی ہو گا۔"

"سر ــ آخر یہ ڈرائیور کے بغیر چل کیسے رہی ہے؟"

"یار ریموٹ کنٹرول سے۔"

"ریموٹ کنٹرول کار اور ہمارے ملک میں؟"

"ہمارے خلاف بھیجی گئی ہے۔"

"اور ادھر پروفیسر داؤد خطرے میں ہیں ــ گویا دشمن چاہتا ہے کہ ہم کسی طرح ان تک نہ پہنچ سکیں۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تب پھر آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"تیار رہو ــ میں یک دم کسی گلی میں کار موڑوں گا ــ

اور ساتھ ہی ہم دونوں نیچے چھلانگ لگا دیں گے۔"

"اوہ ــ اگر اس نے کار کی بجائے ہمارا تعاقب کرنا شروع کر دیا تو؟"

"پروا نہ کرو ــ ہم کسی عمارت میں گھس جائیں گے۔"

"او کے سر ــ لیکن اس قدر رفتار پر کار کس طرح اچانک کسی گلی میں موڑی جا سکتی ہے؟"

"تم فکر نہ کرو ــ یہ میرا کام ہے۔"

دونوں کاروں کا درمیانی فاصلہ اب اور کم ہو گیا تھا ــ انسپکٹر جمشید کی نظریں تیزی سے دائیں بائیں بھی دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کار کسی گلی میں موڑنے کی بجائے اس کے برابر آنے پر ٹکر کیوں نہیں مار دیتے۔"

"اگر مقابلے میں کوئی عام کار ہوتی ــ تو میں ایسا ہی کرتا، لیکن یہ کار عام نہیں ــ نہ ہم ابھی اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں ــ تیار ہو جاؤ ــ گلی آ رہی ہے۔"

اور پھر کار اُلٹتے اُلٹتے مشکل سے بچی ــ کیونکہ اس قدر تیز رفتار کار یک دم گھمائی گئی تھی ــ ساتھ ہی دونوں طرف کے دروازے کھلے اور انھوں نے نیچے چھلانگیں لگا دیں ــ لوگ بھڑک کر اِدھر اُدھر ہو گئے ــ کسی نے چلّا کر کہا:

"پاگل ہو گئے ہیں کیا؟"

اُدھر سرخ کار تیز رفتار ہونے کے سبب کچھ آگے نکل گئی تھی، لیکن جونہی ان کی کار گلی میں مڑی — وہ آگے جا کر یک دم رک گئی — دوسری کاریں پہلے ہی اس کار سے خوف زدہ ہو چکی تھیں، لہٰذا اس سے کافی فاصلے پر تھیں، اس لیے وہ حادثے سے بچ گئیں — سرخ کار واپس پلٹی اور اس گلی میں داخل ہو گئی —

ان کی کار اس وقت تک ایک دروازے سے ٹکرا کر الٹ چکی تھی — پھر بھی سرخ کار اس سے پوری قوت سے ٹکرا گئی — اور ان کی کار بالکل ہی تباہ ہو گئی — پھر اس نے آگ بھی پکڑ لی — جب کہ سرخ کار میں ذرا بھی کسی نقصان کے آثار نہیں نمودار ہوئے تھے — وہ اسی تیزی سے واپس پلٹی اور سڑک پر جاتے ہی ہوا ہو گئی —

"لو بھئی — خدا خدا کر کے اس سے پیچھا چھوٹا۔"

"لیکن سر — یہ پیچھا بہت مہنگا چھوٹا — کار ضائع ہو گئی۔"

"بھئی جان کار سے کہیں زیادہ قیمتی ہے — ارے باپ رے — ہمیں تو پروفیسر صاحب تک پہنچنا ہے۔"

"لیکن اب جائیں کیسے — اگر وہ پھر آ گئی — ٹیکسی ڈرائیور تو اس کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکے گا۔"

"کچھ تو کرنا ہوگا۔"

اور پھر انھوں نے باہر نکل کر دور دور تک دیکھا — سرخ کار کا کہیں نام و نشان نہیں تھا —

"وہ جا چکی ہے بھئی — اندر آؤ۔"

اور پھر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر تجربہ گاہ پہنچے — وہاں ہر طرف سکون تھا —

"یہاں تو دور دور تک کسی خطرے کا نشان نہیں۔"

"آؤ دیکھتے ہیں — وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"دروازہ عبور نہ کرنا جمشید۔"

"کیوں — کیا بات ہے؟"

"پروفیسر صاحب نے پوری تجربہ گاہ میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ رکھا ہے — صرف ہم جس کمرے میں بیٹھے ہیں، اس میں کرنٹ نہیں ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے — وہ محفوظ تو ہیں۔"

"لیکن انھیں آئندہ اپنے محفوظ رہنے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا۔"

"کیا مطلب؟"

"پروفیسر صاحب — تمھیں اندر لانے کا انتظام کر رہے ہیں — ابھی ابھی محمود کا بھی فون آیا تھا — پروفیسر صاحب نے انھیں بھی

یہیں بلا لیا ہے۔"

"آخر خطرہ کیا ہے؟"

"سرخ کار تجربہ گاہ پر حملہ آور ہوگی۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"کسی نامعلوم آدمی نے فون کیا تھا۔ پروفیسر صاحب کا کہنا ہے..."

"ایک منٹ خان رحمان۔ انہیں پہلے اندر آنے دو۔ جمشید اب تم بے دھڑک اندر آ جاؤ۔ سرخ کار فی الحال آس پاس موجود نہیں ہے۔ میں نے کرنٹ آف کر دیا ہے۔"

"اوکے۔" وہ بولے اور درمیانہ راستہ عبور کر کے ان تک پہنچ گئے۔ دونوں اس وقت تجربہ گاہ کے محفوظ ترین کمرے میں تھے۔

"اب بتائیں۔ کیا بات ہے۔ ارے باپ رے۔" وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے، ان کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"کیوں! کیا بات ہے؟"

"آپ نے محمود اور فاروق کو بھی یہاں بلا لیا ہے؟"

"ہاں! لیکن اس میں اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے؟"

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ فوراً گھر کے نمبر ملائے، جونہی سلسلہ ملا، وہ چلا اٹھے:

"محمود، فاروق۔ گھر سے نہ نکلیں۔"

"لیکن وہ تو پروفیسر صاحب کی طرف روانہ ہو بھی چکے ہیں۔"

"کیا!!!"

"کیوں کیا بات ہے۔ خیر تو ہے؟"

"وہ خطرے میں ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ خطرے میں تو پروفیسر صاحب بھی ہیں۔" بیگم جمشید بولیں۔

"میں تجربہ گاہ سے ہی بول رہا ہوں۔ یہاں فی الحال خیریت ہے، لیکن سنا ہے کہ یہاں بھی بہت بڑا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ اور مجھے محمود، فاروق اور فرزانہ کی فکر ستا رہی ہے۔ فرزانہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئی ہے نا؟"

"جی ہاں! یہاں بھی ایک عجیب سی چیز فرش پر پڑی نظر آئی ہے۔ میں نہیں جانتی، وہ کیا ہے؟"

"اوہ اچھا۔ اسے ہاتھ نہ لگانا۔ فوراً بیگم شیرازی کے گھر چلی جاؤ۔" وہ بولے اور ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے:

"محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت انتہائی خطرے میں ہیں، لیکن پہلے آپ بتائیں۔ آپ کو کیا خطرہ ہے؟"

"نامعلوم سرسراتی آواز نے کہا ہے۔ سرخ کار بہت جلد یہاں آنے والی ہے۔ وہ اس تجربہ گاہ کی اینٹ سے

اینٹ بجا دے گی۔"

"کیا مطلب — کیا وہ اندر گھس آئے گی؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"اس کے کہنے کا مقصد تو یہی ہے۔"

"لیکن آپ نے سرخ کار کو اس قدر اہمیت کس طرح دے دی — کیا آپ کسی سرخ کار کی کارروائی دیکھ چکے ہیں؟"

"نہیں — ہم نے تو اس فون کو مذاق خیال کیا تھا — کہ اچانک محمود کا فون آ گیا — وہ کسی ریموٹ کنٹرول کار کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

"ہاں! اس کے منہ سے ریموٹ کنٹرول کار کا ذکر سنتے ہی میں نے اس سے کہ دیا تھا کہ میں سخت خطرے میں ہوں، لہذا وہ فوراً آ جائیں — اب مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کہ کر میں انھیں مصیبت میں پھنسا دوں گا۔" وہ جلدی جلدی کہتے چلے گئے۔

"خیر — آپ فکر نہ کریں — حالات کی سنگینی کا اندازہ کرنے کے بعد میں ان کی مدد کے لیے بھی نہیں جاؤں گا — اب وہ خود ہی اس سرخ کار سے نمٹیں گے۔"

"کیا مطلب؟ تم نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا کہ ان کا آمنا سامنا سرخ کار سے ہونے والا ہے — اور یہ کہ اس کا رنگ

سرخ ہے؟"

اب انھوں نے سرخ کار کے بارے میں انھیں بتایا — وہ سکتے میں آ گئے۔

"لیکن جمشید — اگر اس سرخ کار نے ان کا تعاقب کیا تو وہ کس طرح اس سے بچ سکیں گے — جب کہ اس سے بچنا تمھارے لیے بھی حد درجے مشکل ثابت ہوا ہے۔" خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں کچھ نہیں کر سکتا، لیکن خطرے کے پیش نظر یہاں سے جا بھی نہیں سکتا۔"

"تب پھر تم مجھے اجازت دو۔"

"نہیں — تم بھی یہیں رہو گے — سرخ کار انتہائی خطرناک ہے — اپنی کار سے تو ہاتھ دھو ہی بیٹھو گے، کہیں جان بھی نہ گنوا دو۔"

"یہ جان آخر ایک دن تو گنوانا پڑے گی۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

"بہر حال — میں تمھیں اجازت نہیں دوں گا۔"

"اور اگر میں اجازت کے بغیر چلا جاؤں؟"

"تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔"

"لیکن جمشید — معاملہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی زندگی کا ہے۔"

خان رحمان نے کہا۔

"صرف ان تینوں کی زندگیوں کا نہیں — ہم سب کی زندگیوں کا ہے — کوئی خطرناک دماغ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے میدان میں آیا ہے — اور ساتھ میں ہمارے مقابلے میں ریموٹ کنٹرول کار لایا ہے — اور ایک بات اور سنا دوں۔" یہ کہہ کر وہ مسکرائے۔

"جب سنانے پر تُل گئے ہو تو سناؤ۔" خان رحمان نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"ہمارے گھر بھی محفوظ نہیں ہیں — کم از کم میرا گھر۔"

"کک — کیا مطلب؟"

"پہلے آپ لوگ یہاں کوئی عجیب سی چیز تلاش کریں۔"

"عجیب سی چیز — کیا مطلب — آخر کیسی؟"

"افسوس! مجھے بیگم سے پوچھنا چاہیے تھا — ایک منٹ ٹھہرو۔" یہ کہہ کر انھوں نے پھر گھر کے نمبر ملائے، لیکن ریسیور کسی نے نہ اٹھایا — شاید بیگم جمشید ریسیور رکھتے ہی نکل گئی تھیں۔ آخر انھوں نے بیگم شیرازی کے نمبر ڈائل کیے — فوراً ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی:

"بیگم — ذرا تم اس عجیب چیز کے بارے میں بتانا۔"

"وہ انگلی کے ایک پورے کے برابر کوئی سنہری سی چیز

تھی — بالکل گول — دونوں سرے بھی گولائی لیے ہوئے تھے۔"

"تم نے اس کو چھوا تو نہیں تھا؟"

"جی نہیں۔"

لیکن اس لمحے کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور لائن مُردہ ہو گئی —

وہ دیکھو

محمود، فاروق اور فرزانہ اپنی کار میں بیٹھے اڑے جا رہے تھے کہ کار میں لگے فون کی گھنٹی بجی۔ فاروق نے بٹن دبا دیا۔ آواز کار میں گونجنے لگی۔

"پروفیسر داؤد کی زندگی بچانے جا رہے ہو۔" وہ ایک سرسراتی آواز تھی۔

"آپ کون ہیں؟" محمود نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"پروفیسر داؤد تو خطرے میں ہیں ہی۔ خان رحمان بھی وہاں پہنچ گئے۔ لہٰذا وہ بھی اتنے ہی خطرے میں ہیں۔ ایک اور مزے کی بات سُن لو۔ سُن رہے ہو یا نہیں؟"

"ہاں! سن رہے ہیں۔"

"اب تمہارے والد بھی وہاں پہنچ چکے ہیں۔"

"کیا۔ کیا۔ نہیں۔" محمود چلا اٹھا۔

"لیکن تم ان کی نہیں۔ اپنی فکر کرو۔ وہ دیکھو۔ سُرخ کار

تمہارے تعاقب میں چلی آ رہی ہے۔"

تینوں نے فوراً آئینے میں پیچھے دیکھا۔ سرخ کار واقعی ان کے تعاقب میں چلی آ رہی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی محمود نے فون بند کر دیا اور کار کی رفتار بڑھانے لگا۔ فوراً ہی گھنٹی بجنے لگی۔ محمود نے تِلملا کر فون کر دیا اور بولا:

"اب کیا ہے؟"

"یہ میں ہوں محمود۔" دوسری طرف سے فوراً انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"آپ۔ ابّا جان۔ آپ کی آواز سن کر خوشی ہوئی۔"

"تم اس وقت حد درجے خطرے میں ہو۔"

"اس بات کا احساس ہمیں پہلے ہی ہو چکا ہے۔"

"تمہارے آس پاس کوئی سُرخ کار تو نہیں ہے؟"

"سرخ کار ہمارے تعاقب میں ہے۔"

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ ہم اس سے نبٹ لیں گے۔"

"بے وقوف نہ بنو۔ اس کار سے نبٹنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔ فوراً کسی گلی میں مڑ جاؤ اور کار سے چھلانگیں لگا دو۔ تمہارے پاس بس یہی طریقہ ہے بچنے کا۔ اور کوئی نہیں۔ پھر تم کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر یہاں آ سکتے ہو۔"

"اچھی بات ہے — ہم یہی کریں گے!"

"بس تم اپنی کار کو کسی طرح چھوڑ دو۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔"

"میرا پریشان ہونا اپنی جگہ درست ہے محمود — اس لیے کہ خود میں اور اکرام بہت مشکل سے اس کار سے بچ پائے ہیں۔"

"کیا!!!" تینوں چلائے — ساتھ ہی فرزانہ نے بلند آواز میں کہا:

"کار نزدیک آتی چلی جا رہی ہے۔"

"جلد از جلد کسی گلی میں مڑ جاؤ — دروازے کھولنے کے لیے بالکل تیار رہو — تم تینوں کو ایک وقت میں چھلانگیں لگانا ہیں۔"

"اچھی بات ہے — آپ پریشان نہ ہوں اور اب بات نہ کریں — ہمیں پوری توجہ سرخ کار پر رکھنے دیں۔"

"بالکل ٹھیک — تم فون آن رہنے دو۔"

"اچھی بات ہے۔" محمود نے کہا۔

عین اس وقت انھوں نے سرخ کار کو اور نزدیک ہوتے دیکھا — محمود نے رفتار اور تیز کر دی، لیکن درمیانی فاصلہ پھر بھی نہ بڑھا — اچانک اس نے کار ایک گلی میں موڑ دی — کار کے ایک طرف کے ٹائر اوپر اٹھتے چلے گئے — کار اُلٹتے اُلٹتے بہت مشکل سے بچی — یہی وہ لمحہ

تھا جب تینوں نے چھلانگیں لگا دیں۔

ادھر سرخ کار قدرے آگے جا کر رکی، پھر واپس ہوئی اور گلی میں داخل ہو گئی — اس وقت تک ان کی کار الٹ چکی تھی — وہ سیدھی الٹی ہوئی کار کی طرف گئی اور اس سے ٹکرا گئی — ٹکراتے ہی ان کی کار کا حلیہ بگڑ گیا — یہی نہیں — چند سیکنڈ بعد ہی اس میں آگ لگ گئی — اور سرخ کار واپس جاتی نظر آئی —

"آؤ یار — یہی وقت ہے۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"کیا مطلب — یہ کون سا وقت ہے؟"

"اس کا تعاقب کرنے کا — ابا جان پروفیسر صاحب کے خیال میں تعاقب نہیں کر سکے — ہمیں اس قسم کی کوئی الجھن نہیں۔"

"بات معقول ہے — لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اس ٹیکسی کے تعاقب میں نہیں لگ جائے گی۔" فاروق نے کہا۔

"ارے باپ رے۔" فرزانہ گھبرا کر بولی۔

"یہ بھی دیکھا جائے گا — موت سے کیا ڈرنا۔"

"بات معقول ہے — تو پھر آؤ جلدی کرو۔"

انھوں نے فوراً ایک ٹیکسی روکی اور اس سمت میں روانہ ہوئے جس طرف سرخ کار گئی تھی — وہ ڈرائیور کو تیز اور تیز

چلنے کے لیے کہتے رہے۔ آخر اس نے تنگ آکر کہا:

"آخر میں کس قدر تیز چلوں۔ آپ لوگوں کو تو شاید اپنی جانیں پیاری نہیں ہیں، لیکن مجھے تو اپنی جان بہت پیاری ہے۔ میرے تو بچے ہیں۔"

"جان تو سب کو پیاری ہوتی ہے، لیکن کچھ چیزیں جان سے بھی پیاری ہوتی ہیں۔"

"مثلاً۔"

"ہاں! میں بتاتا ہوں۔ مثلاً اپنا دینِ اسلام، اپنا وطن۔ اپنی عزت۔ غیرت۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن کسی کار کا تعاقب کرنا تو ان میں سے نہیں ہے۔"

"ان میں سے ہے۔ وہ کار ایک ملک دشمن کی ہے۔" محمود نے کہا۔

"اوہ اچھا۔ تب میں ضرور کوشش کروں گا۔"

اور پھر اس نے واقعی بہت زبردست کوشش کی، لیکن سرخ کار کا نشان تک نظر نہ آ سکا۔ آخر انھوں نے تجربہ گاہ کا رُخ کیا۔

وہ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچے ہی تھے کہ ایک سرکاری گاڑی ان کے پاس سے گزر گئی۔ فرزانہ نے دیکھا۔ اس

میں پروفیسر داؤد اور شاکی تھے۔

⊙

"اُف مالک! نہ جانے کیا ہو رہا ہے۔ ادھر کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا ہے۔ یہ دھماکا ضرور ہمارے گھر میں ہوا ہے۔ اب معلوم نہیں۔ بیگم شیرازی والا مکان محفوظ ہے یا نہیں۔ فون کے "تار وار" تو سب اُڑ گئے ہیں۔ میرا خیال ہے، ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔"

"بالکل ٹھیک۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن سر۔ اگر سرخ کار نے تعاقب شروع کر دیا تو؟" اکرام [illegible]

"دیکھا جائے گا۔ آؤ۔ پروفیسر صاحب۔ آپ یہیں ٹھہریں، آپ کا ساتھ جانا ٹھیک نہیں۔ اوہ ہاں! آپ آئی جی صاحب کو فون کر کے فوراً فورس منگوا لیں۔ اب یہاں زبردست [illegible] کی ضرورت ہے۔ خان رحمان تم ساتھ چل رہے ہو یا یہیں رکو گے۔ میرا خیال ہے، تم میرے ساتھ چلو۔"

"[illegible]، تم تو مجھے ڈرائے دے رہے ہو۔" پروفیسر بولے۔

"آپ نہ ڈریں۔ اچھا اللہ حافظ۔"

اور پھر وہ خان رحمان کی کار میں وہاں سے روانہ ہوئے، ادھر پروفیسر داؤد نے ریسیور اُٹھا کر آئی جی صاحب کے نمبر ملائے اور بولے:

"ہیلو — آئی جی صاحب — میں اور تجربہ گاہ بہت بڑے خطرے میں ہیں — آپ مہربانی فرما کر فوراً ملٹری فورس اور پولیس بھاری تعداد میں بھیج دیں — ہدایات انھیں میں خود دوں گا۔"

"بات کیا ہے؟" آئی جی صاحب نے گھبرا کر کہا۔

"بہت بڑا خطرہ — انسپکٹر جمشید تک خطرے میں ہیں — فی الحال میں تفصیلات نہیں بتا سکتا۔"

"میں فورس بھیج رہا ہوں — آپ فکر نہ کریں۔"

صرف سات منٹ بعد وہاں گاڑیوں کا شور سنائی دیا۔ اور چند آفیسر اندر داخل ہوئے — وہ سیدھے پروفیسر داؤد کے پاس پہنچے — انھیں سلوٹ کرنے کے بعد بولے:

"سر! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہاں خطرہ بہت زیادہ ہے اس لیے ہم آپ کو ایک محفوظ جگہ پر رکھیں گے — جب تک خطرہ ٹل نہیں جاتا، اس وقت تک آپ کو وہیں رہنا ہوگا — انسپکٹر جمشید بھی آپ کے ساتھ وہیں ٹھہریں گے۔"

"گویا وہ بعد میں وہاں آئیں گے۔" پروفیسر بولے۔

"جی ہاں! بالکل۔"

"ٹھیک ہے — شائستہ چلو۔"

وہ اسے لے کر نیچے آتر آئے اور سرکاری گاڑی انھیں لے کر روانہ ہوئی — جلد ہی انھیں ایک عمارت میں پہنچا دیا گیا — اس عمارت کے چاروں طرف درخت ہی درخت تھے — درختوں کے علاوہ انھیں وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا — انھیں اندر بٹھا کر دروازہ بند کر دیا گیا — ایسے میں شائستہ نے کہا:

"ابو! میں کچھ گڑبڑ محسوس کر رہی ہوں — کہیں یہ غلط لوگ نہ ہوں۔"

"کیا بات کرتی ہو بیٹی — باقاعدہ وردیوں والے سرکاری گاڑی میں انھیں لائے ہیں — پہلے سے اطلاع دے کر۔"

"پھر بھی چیک کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"اچھا ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے دروازے پر دستک دی — فوراً ہی ایک پولیس والے نے کہا:

"جی سر۔"

"اگر ہمیں یہ کس جگہ لایا گیا ہے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ شدید خطرے میں ہیں — آئی جی صاحب کی ہدایات پر ہی آپ کو یہاں لایا گیا ہے۔"

"یہاں ہمیں کچھ شک ہے۔"

"یہاں فون موجود ہے۔ آپ فون پر آئی جی صاحب سے بات کر لیں۔ اور اگر آپ واپس تجربہ گاہ جانا چاہیں تو ان سے اجازت لے لیں، ہمیں بھلا کیا اعتراض ۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔"

"آپ فون کریں۔" شائستہ جلدی سے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے ۔ فون یہاں تک لے چلو۔" وہ بولے۔

"آپ زحمت نہ کریں ۔ فون ہم یہیں لے آتے ہیں۔"

"شکریہ!" انھوں نے کہا۔

جلد ہی فون اس کمرے میں لا کر رکھ دیا گیا۔ انھوں نے فوراً آئی جی صاحب کے نمبر ڈائل کیے ۔ دوسری طرف سے آئی جی صاحب کی آواز سن کر بولے :

"بھئی شیخ صاحب ۔ یہ مجھے اور شائستہ کو کہاں لے آیا گیا ہے؟"

"ایک محفوظ جگہ ۔ حالات کنٹرول میں آتے ہی آپ کو واپس تجربہ گاہ لے آئیں گے ۔ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔"

"لیکن یہاں ہم تنہا کیسے رہ سکتے ہیں ۔ بند کمرے میں۔"

"مجبوری ہے ۔ آپ کے چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ ہے۔"

"اچھی بات ہے ۔ لیکن اگر یہاں انسپکٹر جمشید وغیرہ میں سے کوئی آ جاتا تو اچھا تھا۔"

"ان سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے ۔ جونہی بات ہوئی ۔ آپ کی خواہش انھیں بتا دی جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"اب اگر آپ کہتے ہیں تو دروازہ بند کر دیا جائے۔"

"ہاں کر لو، لیکن فون اندر ہی رہنے دو۔"

"اچھی بات ہے۔"

دروازہ بند ہوتے ہی شائستہ نے اپنی ایک سہیلی کے نمبر ڈائل کیے ۔ اور پھر اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

منظر

انسپکٹر جمشید خان رحمان اور اکرام کے ساتھ اپنے گھر کے سامنے پہنچے۔ گھر ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ البتہ بیگم شیرازی کا مکان محفوظ تھا۔ چاروں طرف لوگ ہی لوگ تھے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی آ چکی تھیں۔ وہ کار سے اُتر کر سیدھے بیگم شیرازی کے گھر کی طرف گئے۔ لوگوں کے درمیان سے راستا پولیس والوں نے ان کے لیے بنایا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی انھوں نے سکون کا سانس لیا۔ بیگم جمشید بالکل محفوظ تھیں۔

"خدا کا شکر ہے۔ میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں یہ گھر بھی دھماکے کی زد میں نہ آ گیا ہو۔"

"یہ اور آس پاس کے تمام مکان بالکل محفوظ رہے ہیں، لیکن ہمارے گھر کا کچھ بھی نہیں بچا۔" وہ بولیں۔

"نہیں! تم فکر نہ کرو۔ کاغذات بالکل محفوظ ہیں۔

بم پروف سیف میں تھے۔ ملبے کے نیچے سے ان کو نکال لیا جائے گا۔ اور ہمارے گھروں میں سب سے قیمتی چیز کاغذات ہی ہوتے ہیں۔ گھر کا کیا ہے۔ یہ تو ایک آدھ ماہ میں پھر بن جائے گا۔"

"بالکل ٹھیک۔" خان رحمان نے کہا، پھر بولے:

"اچھا آپ لوگ میرے گھر چل کر رہیں۔ اس جگہ رہنا [illegible] مشکل ہوگا۔ ملبہ ہٹایا جائے گا۔ چاروں طرف لوگ موجود رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

[illegible] انھیں خان رحمان کے گھر چھوڑ کر پھر تجربہ گاہ کی [illegible] ہوئے۔ لیکن عین اس وقت بیک ویو آئینے میں انھیں [illegible] گئی۔

"[illegible] آپ رہے۔ مارے گئے۔ یہ تو پھر ہمارے تعاقب [illegible]" انسپکٹر جمشید گھبرا کر بولے۔

"[illegible] کار کسی گلی میں اسی وقت موڑ لو۔ ابھی وہ [illegible]

[illegible]

[illegible] کے ساتھ ہی انھوں نے کار یک دم موڑ دی [illegible] لگا دیں۔

"یار خان رحمان — تمھاری کار بھی گئی۔"

"کوئی افسوس نہیں۔"

"لیکن اس بار میں ایک تجربہ کروں گا — تم اِدھر اُدھر ہو جاؤ — جلدی۔"

اکرام اور خان رحمان فوراً دائیں بائیں سے ہٹ کر دُور جا کھڑے ہوئے — عین اس وقت سرخ کار گلی میں داخل ہوئی — فوراً ہی انسپکٹر جمشید نے کار کے ٹائر پر فائر کیا۔ انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گولی ٹائر سے لگ کر اچٹی تھی اور ان کی طرف آئی تھی، لیکن چونکہ وہ پہلے سے ہی تیار تھے — اس لیے اس سے محفوظ رہے — ورنہ وہ خود اس گولی کا شکار ہو سکتے تھے۔

"اف مالک — اس پر تو گولی بھی اثر نہیں کرتی۔"

"میرا تو خیال ہے — بم مار کر دیکھنا چاہیے۔" اکرام نے کہا۔

"ارے باپ رے — اگر بم بھی پلٹ کر آیا۔" خان رحمان کانپ گئے اور انسپکٹر جمشید بے ساختہ مسکرا دیے۔

اسی وقت انھوں نے سرخ کار کو خان رحمان کی کار سے ٹکرانے کے بعد واپس جاتے دیکھا — خان رحمان کی کار بالکل بے کار ہو گئی تھی۔

"آؤ چلیں — پولیس کے ذریعے اٹھوا لیں گے اسے۔" ا[illegible]

جمشید بولے۔

"اس لحاظ سے یہ کیس بہت مہنگا پڑے گا — نہ جانے کتنی کاریں ضائع ہوں گی۔" خان رحمان نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" انھوں نے کہا اور سڑک پر آ گئے۔

جلد ہی انھیں ایک ٹیکسی مل گئی — وہ اس میں بیٹھ کر [illegible] کی طرف روانہ ہوئے، لیکن تجربہ گاہ کے پاس پہنچ کر وہ ساکت رہ گئے۔

⊙

"[illegible] — یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں — یہ انھیں کہاں لے [illegible] رہے ہیں۔"

"شاید خطرے کو بھانپ لیا گیا ہے۔"

"لیکن یہاں تو ابا جان، خان رحمان اور شاید انکل اکرام بھی [illegible]" [illegible] نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"[illegible] کیا چکر ہے — میرا خیال ہے — ہمیں اس گاڑی [illegible] نہایت احتیاط سے کرنا چاہیے — کہیں کوئی گڑبڑ [illegible]

[illegible] ہے۔"

محمود نے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا اور بولا:

"اس کار کے پیچھے چلیں۔"

"مجھے کسی مصیبت میں نہ ڈال دیجیے گا جناب — یہ تو سرکاری گاڑی ہے — اور اس میں پولیس موجود ہے۔"

"پروا نہ کرو — ہمارے نام محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے — آپ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔"

"ہاں! لہٰذا فوراً چلو۔"

اب اس نے ٹیکسی اس کار کے پیچھے ڈال دی — محمود نے جلد ہی محسوس کر لیا — کہ وہ کوئی ماہر ڈرائیور نہیں ہے، اور تعاقب کے معاملے میں بھی اناڑی ہے، لہٰذا اس نے کہا:

"آپ مہربانی فرما کر ساتھ والی سیٹ پر آ جائیں — اور گاڑی مجھے چلانے دیں — اس طرح بات نہیں بن رہی۔"

"آپ چلائیں گے گاڑی؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! بس آپ دیکھتے جائیں۔"

اور پھر اس نے گاڑی چلانا شروع کی — نہایت مہارت سے تعاقب کرتے ہوئے وہ جنگل میں پہنچ گئے — اور جب انھوں نے دیکھا کہ درختوں میں گھری ایک عمارت وہاں موجود ہے تو سمجھ گئے کہ اب انھیں اس عمارت میں رکھا جائے گا — تو انھوں نے ٹیکسی ڈرائیور کو دوگنا بل دے کر رخصت

کر دیا۔

"اب اس جگہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہم درختوں کی اوٹ میں رہ کر آگے بڑھیں گے اور حالات جاننے کی کوشش کر لیں گے — اگر یہ لوگ واقعی سرکاری ہیں، تب تو ٹھیک ہے — یہی کہا جا سکتا ہے کہ حفاظت کے نظریے سے انھیں یہاں لایا گیا ہے — اور اگر بات کوئی اور ہے تو بھی اس کا اندازہ ہو ہی جائے گا۔"

وہ آگے بڑھنے لگے — اچانک ان کی گردنوں پر کوئی ٹھنڈی سی چیزیں آ لگیں:

"خبردار! یہ جو تمہاری گردنوں پر رکھا گیا ہے نا — پستولوں کی نالیاں ہیں۔"

"ایسا کرنے کی آپ کو کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"ہم پہلے ہی اس ٹیکسی کو تعاقب میں دیکھ چکے تھے۔"

"یہ اس ڈرائیور کی بے وقوفی سے ہوا — وہ تعاقب کے معاملے میں اناڑی تھا۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور؟" ان میں سے ایک ہنسا۔

"اس پر غور کریں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ قصور کس کا ہے — فی الحال آپ یہ بتائیں — آپ کا

پروگرام کیا ہے؟

"پروگرام جو بھی ہے — ہم اس میں کسی قسم کی دخل اندازی پسند نہیں کرتے۔ اور آپ چلے تھے دخل اندازی کرنے۔"

"اب ہم دخل اندازی کرنے سے تو رہے۔"

"یہ کیا ہوتی ہے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دخل اندازی کی چھوٹی بہن۔"

"آؤ — تمھیں تمھارے ساتھیوں کے پاس پہنچا دیں۔"

"شکریہ — یہ بہت اچھی بات ہے۔" فرزانہ خوش ہو گئی۔

"حیرت ہے — تم ذرا بھی خوف زدہ نظر نہیں آ رہے۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خوف زدہ نظر آئیں؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! خواہش تو ابھری تھی۔"

"تو پھر یہ لو — ہم تمھیں اس حد تک خوف زدہ نظر آئیں گے کہ کیا کبھی کسی کو نظر آئے ہوں گے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ حد درجے خوف زدہ نظر آنے لگا، لیکن محمود اور فرزانہ نے اس کام میں اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"یہ تو ایکٹنگ ہے — اور پھر اس ایکٹنگ میں تمھارے دونوں ساتھی شامل نہیں ہیں۔" پستول والا ہنسا۔

"یہی تو ان کی نالائقی ہے — ذرا سی ایکٹنگ تک نہیں کرتے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" دوسرا پستول والا غرایا۔

"اور ہاں! تم نے اب تک ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے۔"

"بھئی اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے — تم بہت شرارتی ہو۔" تیسرے نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم اٹھا دیتے ہیں ہاتھ — ہمارا کیا جاتا ہے۔"

تینوں نے ہاتھ سر سے بلند کر دیے — اب انھیں اندر لایا گیا — پروفیسر داؤد اور شائستہ انھیں دیکھ کر اچھل پڑے — شائستہ نے فوراً کہا:

"تو ہمارا خیال درست تھا۔"

"اب ہمیں کیا معلوم کہ تمھارا خیال کیا تھا — ہم کوئی نجومی تو ہیں نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ایسی کوئی بات کسی نجومی کو نہیں معلوم ہوتی — یہ نجومی وجومی سب غلط ہیں — غیب کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں۔"

"کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔" ایک پستول والے نے جھلّا کر کہا۔

"تمھارا کیا نقصان کر دیا ہم نے کہیں کا کہیں پہنچ کر۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"چلو چلو — کمرے میں چلو۔"

اور پھر انھیں اندر دھکیل دیا گیا ، ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا — ایسے میں فاروق چلایا تھا :

"خبردار ! ہم تم سے اس بدسلوکی کا بدلہ لیں گے۔"

"سن لیا — ضرور لینا۔"

"لیکن یہ سب چکر کیا ہے — یہ تو بتا دو۔"

"کچھ نہیں بتایا جائے گا۔" باہر سے کہا گیا۔

"آپ کچھ بتائیں نا۔"

"یہ سب کیا دھرا سرخ کار کا ہے۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"کاش ! یہ سارا دھرا کیا سرخ کار کا ہوتا۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"کیوں ! اس سے کیا فرق پڑ جاتا۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہ یہ نقلی پولیس والے اندر کمرے میں بند ہوتے اور ہم باہر ان کی نگرانی کر رہے ہوتے۔" فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا یار — ذرا خاموش رہو — ہم انکل سے اور شائستہ سے حالات سن لیں ذرا۔"

"ہاں اور کیا۔" فرزانہ نے یہ کہہ کر فاروق کو گھورا۔

پروفیسر داؤد اور شائستہ نے حالات سنا دیے۔

"اس کا مطلب ہے — گھر سے فارغ ہو کر ابا جان تجربہ گاہ کی طرف ہی جائیں گے اور پھر — وہ سراغ لگا کر ہم تک آ جائیں گے۔"

"لیکن کیسے ؟"

"بس آپ دیکھتے جائیں۔" محمود مسکرایا۔

"پتا نہیں ، ان لوگوں کا پروگرام کیا ہے ؟"

"خوف ناک ہی لگتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہمیں بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے — آؤ ذرا کوشش کریں۔" محمود بولا۔

تینوں نے کمرے کا جائزہ لیا ، پھر محمود نے اپنے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکالا اور ایک کھڑکی کی سلاخیں کاٹ ڈالیں ، پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انھیں اس کے ذریعے جنگل میں کود جانے کا اشارہ کیا۔

پروفیسر داؤد اور شائستہ کے چہرے کھل اٹھے :

"میں بھی کس قدر بے وقوف ہوں۔" پروفیسر داؤد نے ایسے میں دبی آواز نکالی۔

"جی ! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں — آپ پر تو پورے ملک کو فخر ہے — کیا کیا چیزیں ایجاد کر کے نہیں دیں آپ نے۔"

ہمارے ساتھ کیا کیا کارنامے ملک کے لیے انجام نہیں دیے
آپ نے۔"

"لیکن اگر میں اپنی زبردست بے وقوفی ثابت کر دوں۔"

"جی بس۔ رہنے دیں۔ آپ ایسا نہ کریں۔ ہم یہ بات
سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ بے وقوف ہیں۔"

"لیکن میں یہ بات آج ثابت کر کے رہوں گا۔"

"جانے دیں انکل۔ کیوں پریشان کرتے ہیں۔" فرزانہ نے جھلا
کر کہا۔

"اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"یہ بات بھی سوچنا پڑے گی۔" فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کک۔ کون سی بات؟"

"یہ کہ اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"

"یار ایک تو تم بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہو۔" پروفیسر
داؤد نے جھلا کر کہا۔

"یہ تعریف تو میرے دشمن بھی کرتے ہیں۔" فاروق نے خوش
ہو کر کہا۔

"میں اپنی بے وقوفی کا ذکر کر رہا تھا۔ تم اپنی لے بیٹھے۔
ذرا سوچو۔ میں محمود کو یہ چاقو بنا کر دے سکتا ہوں۔ تو کیا
ایک اپنے لیے نہیں بنا سکتا تھا۔"

"ضرور بنا سکتے تھے، لیکن آپ کو اس کی ضرورت کب
پڑی ہے۔ کبھی مشکل سے ہی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔"

"تم نہ آ جاتے تو پیش آ گئی تھی یا نہیں۔" وہ بولے۔

"جی ہاں! یہ تو ہے۔ اچھا اب آئیں چلیں۔ زیادہ دیر
یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ کہیں شہر میں ہماری ضرورت نہ ہو۔"

"اور انسپکٹر جمشید جو اس طرف آئیں گے۔"

"راستے میں اگر مل گئے تو انھیں روک لیں گے۔ اور اگر
وہ انھیں نہ ملے اور یہاں پہنچ گئے تو ان لوگوں سے نبٹ کر
آ جائیں گے۔"

"ارے ہاں! شائستہ۔ تمھیں ان لوگوں پر شک کس طرح ہوا؟"

"تم لوگوں کی صحبت نے مجھے بھی جاسوس بنا دیا ہے۔
اور چھٹی حس مجھے خطرے سے خبردار کر دیتی ہے۔ پہلے تو
چھٹی حس نے سہم دکھایا۔ پھر میں نے ابا جان کو مشورہ
دیا کہ ان لوگوں کو چیک کر لیا جائے۔ بس چیک جو کیا تو
وہ لوگ غلط ثابت ہو گئے۔"

اور پھر اس نے بتا دیا کہ کس طرح غلط ثابت ہو گئے۔
پہلے پروفیسر داؤد نے آئی جی صاحب سے بات کی۔ تو
دوسری طرف سے ان کی آواز میں کوئی بات کرتا رہا۔
پھر شائستہ نے جب اپنی سہیلی کا نمبر ملایا تو دوسری طرف

سے کوئی بھی آواز سنائی نہ دی — جس کا مطلب ہے — وہ فرضی فون تھا —

"اس کا مطلب ہے — یہ لوگ باقاعدہ منصوبہ بنا کر کام کر رہے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! اصل مصیبت وہ سرخ کاریں ہیں — پتا نہیں — کہاں سے ٹپک پڑیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"کم از کم آسمان سے تو ٹپکیں نہیں۔"

وہ درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے دور ہوتے چلے گئے — پھر سڑک پر آ گئے — جلد ہی انھیں لفٹ مل گئی اور وہ شہر پہنچ گئے — اب انھوں نے ٹیکسی لی اور تجربہ گاہ تک پہنچے — لیکن وہاں کا منظر دل ہلا دینے والا تھا —

فساد کی جڑ

انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور اکرام نے دیکھا — تجربہ گاہ کے آس پاس کوئی پولیس موجود نہیں تھی — البتہ سرخ کار ضرور موجود تھی اور وہ بار بار تجربہ گاہ کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا — جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو اور پاگل پن میں ٹکریں مار رہی ہو — ان کے دیکھتے ہی دیکھتے — تجربہ گاہ کی ایک دیوار گر پڑی —

"ارے باپ رے — یہ تو ساری تجربہ گاہ کا ستیاناس کر دے گی — ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔"

"لیکن ہم کیا کریں سر — گولی تو اس پر اثر نہیں کرتی۔"

"فوراً بلڈوزر اور کرین وغیرہ منگواؤ — ان چیزوں کے آنے تک میں اسے روکنے کی کوشش کرتا ہوں — اکرام جلدی کرو۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی —

"ارے ارے — یہ کیا کر رہے ہو جمشید — دیواریں گر

رہی ہیں — تم بھی نیچے دب سکتے ہو۔" خان رحمان چلائے۔
"لیکن خان رحمان — تجربہ گاہ کو بچانا بھی بہت ضروری ہے۔"
"اور تم بچاؤ گے کس طرح؟"
"بس دیکھتے جاؤ۔"
"کیا خاک دیکھتا جاؤں — تم اندر ہو گے اور میں باہر، نظر کیا آئے گا — کہ تم کیا کر رہے ہو۔" انھوں نے جھلا کر [illegible]
اور انسپکٹر جمشید ہنس پڑے:
"اچھا تو پھر تم بھی آ جاؤ۔"
"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"
دونوں گری ہوئی دیوار کو عبور کر کے اندر داخل ہو گئے۔
"سنو یار — انگلی کی پور کے برابر ایک گول سی سنہری [illegible] تلاش کر لو — پھر یہ کار تجربہ گاہ کا کچھ نہیں بگاڑ [illegible] گی۔" وہ بولے۔
"اچھی بات ہے۔"
انھوں نے جلدی جلدی بھاگ دوڑ شروع کر دی — اِدھر اُدھر گئے اور نظریں دوڑاتے چلے گئے — آخر عین تجر[illegible] میں انھیں وہ نظر آ گئی:
"اُف مالک! یہ کیا ہے؟" خان رحمان خوف زدہ آ[illegible] میں بولے۔

"[illegible] کی چیز۔" وہ فوراً بولے
"کیا مطلب؟"
"اس کے ذریعے تباہی مچائی جا رہی ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"[illegible] اسے اٹھا کر باہر پھینکنا ہو گا — تاکہ اس کار کی [illegible] رک سکے۔"
"کیا اسی کو اٹھا کر باہر پھینک دینے سے کار رک [illegible] گی؟"
"ہاں بالکل!" وہ بولے اور اس ننھی سی چیز کی طرف بڑھے، ان سے پہلے خان رحمان اس تک پہنچ چکے تھے۔
[illegible] انھوں نے جھک کر اس کو اٹھانا چاہا — ان کے [illegible] ایک دل دوز چیخ نکل گئی اور وہ اپنا ہاتھ دوسرے [illegible] میں پکڑ کر بیٹھ گئے —
"ارے — کیا ہوا خان رحمان؟" انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔
"اُف — یہ آگ کی طرح گرم ہے۔"
"اوہ اچھا — خیر — ہم کسی چیز سے پکڑ کر اسے اٹھا [illegible] لیں۔"
[illegible] کر وہ اِدھر اُدھر دوڑے — اور پھر وہ ایک [illegible] تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے — ساتھ میں

لوہے کی ایک چمٹی بھی — انھوں نے چمٹی اس چیز کی طرف [illegible]
ہی تھی کہ خان رحمان بول پڑے :

"مم — مجھے ڈر لگ رہا ہے جمشید۔"

"پروا نہ کرو۔" یہ کہہ کر انھوں نے چمٹی سے اس چیز کو
پکڑ لیا — فوراً ہی ان کے منہ سے بھی دل دوز چیخ نکل
گئی —

"کک — کیا ہوا جمشید؟"

"اس میں زبردست بجلی بھری ہوئی ہے — یہ صرف گرم
نہیں — کرنٹ دار بھی ہے۔"

"تب پھر؟"

"لکڑی کی کسی چیز سے پکڑنا ہوگا اسے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے تجربہ گاہ میں تیزی سے گھومنا [illegible]
کیا — اور آخر لکڑی کی ایک چمٹی اور لکڑی کی ہی [illegible]
اٹھا کر لے آئے — اب انھوں نے لکڑی کی چمٹی سے
اس ننھی منی چیز کو پکڑا — دوسرا لمحہ حیران کر دینے کے
کافی تھا — کیونکہ چمٹی اس جگہ سے جل گئی تھی اور وہ چیز
گر پڑی تھی — اب انھوں نے نمرے کو فرش پر اس
دکھا جہاں وہ چیز پڑی تھی اور لکڑی کی چمٹی سے اسے دھکا [illegible]
لیکن وہ فرش پر سے ہلی تک نہیں —

"تو ایسا لگتا ہے — جیسے فرش سے چپکی ہوئی ہے۔"

"اب — اب کیا ہو گا؟"

"میں جوتے کی ٹھوکر لگا کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ٹھوکر رسید کی، لیکن اس چیز نے اپنی
جگہ سے جنبش تک بھی نہ کی — یہ دیکھ کر وہ بولے :

"نہیں خان رحمان — ہم اس چیز کو یہاں سے اٹھا کر
کہیں نہیں پھینک سکتے — ہمیں فوراً باہر نکل جانا چاہیے — ورنہ
ہم ملبے کے نیچے دب جائیں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک دیوار اور گرنے کی آواز
سنائی دی — عمارت لرز اٹھی —

"اب کوئی دم میں یہ پوری عمارت گر جائے گی — لہذا
جلدی۔"

انھوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی اور گرتے ہوتے
بچتے وہاں سے مشکل سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو سکے —
جب وہ باہر اکرام کے پاس پہنچے تو اچھے بھلے بھوت
بنے ہوئے تھے — اکرام انھیں دیکھ کر اپنی ہنسی کسی طرح نہ
روک سکا —

"ہاں ہاں — ہنس لو — لیکن یہ سن لو — ہمارے اندر
جانے اور سر توڑ کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" انسپکٹر جمشید

خوش گوار موڈ میں بولے۔

"جی! کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم اس چیز کو اٹھا کر باہر نہ پھینک سکے۔ جس کی وجہ سے یہ کار بار بار دیواروں سے سر ٹکرا رہی ہے"

"کیا وہ کوئی بہت وزنی چیز ہے؟" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"انگلی کی ایک پور کے برابر ہے۔ لیکن اٹھتی نہیں۔ ایک تو آگ کی مانند گرم ہے اور پھر اس میں زبردست کرنٹ ہے تیسرے یہ کہ زمین میں گویا گڑ گئی ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ سوال یہ ہے کہ اس کار اور اس چیز کا تعلق کیا ہے؟"

"شاید چولی دامن کا ساتھ ہے۔"

انسپکٹر جمشید بولے اور انھیں محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال آ گیا:

"حیرت ہے۔ اب تک وہ تینوں یہاں نہیں آئے۔"

"اٹک گئے ہوں گے کہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

عین اس وقت تجربہ گاہ کی ایک دیوار اور گری۔

"اف مالک! یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور اس کار کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"بلڈوزر اور کرین آ لیں۔ پھر دیکھیں گے۔"

اور آخر۔ عملہ ان چیزوں سمیت وہاں پہنچ گیا، انھیں صورت حال بتائی گئی۔ سن کر ان کے انچارج نے کہا:

"یہ کیا مشکل کام ہے سر۔ ہم ابھی اس کار کو پکڑ لیتے ہیں۔"

"شکریہ۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

اب بلڈوزر آگے بڑھا اور جب کار ٹکر مارنے کے لیے آگے بڑھی تو وہ اس کے اور تجربہ گاہ کے درمیان میں آ گیا۔ اب جو کار آگے بڑھی تو اس کے راستے میں بلڈوزر تھا۔ سب لوگ نہایت بے چینی کے عالم میں اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور پھر سرخ کار بلڈوزر سے ٹکرا گئی۔ ایک دھماکا ہوا اور بلڈوزر دور جا گرا۔

"ارے باپ رے۔" انچارج کے ہوش اڑ گئے۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"ابھی کرین کے ذریعے اس کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے۔"

اب کرین آگے بڑھا۔ ویسے بلڈوزر کے تباہ ہونے سے اس کا عملہ حد درجے خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ کرین کا ہک

نیچے جھکتا نظر آیا — یہاں تک کر وہ اس کار کی عین چھت پر لگا — پھر اس نے کار کو جکڑنے کی کوشش کی ، لیکن کرین کا شکنجہ دو ٹکڑے ہو گیا — یہ دیکھ کر ان سب کی سٹی گم ہو گئی — کرین کو پیچھے ہٹانا پڑا :

" اب کیا ترکیب ہو؟"

ان سب کے ذہنوں میں یہ سوال گونجا ، لیکن کسی طرف سے کوئی جواب نہ مل سکا —

" شاید ہم تجربہ گاہ کو نہیں بچا سکتے — افسوس!" انسپکٹر جمشید بولے۔

" جمشید ! ہم پروفیسر داؤد کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

" منہ دکھانے کی بات چھوڑو — پہلے یہ سوچو — وہ کہاں ہیں؟" انھوں نے کہا۔

" ارے ہاں ! اب تو ان کے لیے بھی پریشانی محسوس ہونے لگی ہے!"

" اکرام ! تم یہاں ٹھہرو — میں اور خان رحمان پروفیسر صاحب کی تلاش میں جاتے ہیں!"

" لیکن کیسے — آپ کس طرف جائیں گے!" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

" یہ کچھ مشکل نہیں!" وہ مسکرائے۔

" جی — کیا فرمایا — یہ کچھ مشکل نہیں؟"

" ہاں ! اس لیے کہ محمود ، فاروق اور فرزانہ ضرور ایسے وقت میں یہاں پہنچے ہوں گے جب پروفیسر صاحب کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہو گا — لہٰذا وہ اس کے تعاقب میں نکل گئے ہوں گے؟"

" اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

اور وہ کار میں بیٹھ کر سڑک پر نکل آئے — تجربہ گاہ سے صرف ایک سڑک نکلتی تھی — یہ مسئلہ تو آگے جا کر پیدا ہونا تھا کہ وہ کس طرف جائیں — آخر وہ چوراہے پر آ گئے :

" اس جگہ اُتر کر مجھے جائزہ لینا ہو گا — تم بیٹھے رہو خان رحمان!" یہ کہہ کر انھوں نے کار ایک طرف کر لی اور نیچے اُتر گئے — خان رحمان بھی کار سے اُتر آئے —

" میں نے تم سے کہا تھا ، کار میں بیٹھو!" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

" یار ! میں نے سوچا — جب تم اُتر رہے ہو تو میں بھی کیوں نہ اُتروں!"

" اچھا خیر — یہ دیکھو خان رحمان — وہ نشانی چھوڑ گئے ہیں!" اب انھوں نے دیکھا کہ اس جگہ سے چار سڑکیں ہو

"وہی ہیں تو جس سڑک پر وہ گئے۔۔ نشانی گرا گئے۔" انھوں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن مجھے تو یہاں کوئی نشان نظر نہیں آ رہا۔"

"بھئی یہ پاؤڈر کے ذرات۔۔ ذرا سوچو۔ اس سڑک پر پاؤڈر کے ذرات کا کیا کام۔۔ یہ کام فاروق کا ہے۔۔ وہ اپنے رومال میں پاؤڈر لگا کر رکھتا ہے۔"

"اور اگر بھول میں اس رومال سے منہ صاف کرلے تو" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"منہ وغیرہ کے لیے رومال دوسرا ہے۔۔ وہ رومال صرف اس مقصد کے لیے ہے۔"

اب وہ اس سڑک پر روانہ ہوئے اور آخر نشانات کے سہارے اس جگہ تک پہنچ گئے۔۔ جہاں سے عمارت کی طرف راستا مڑتا تھا۔

"بس ان کی ٹیکسی اس جگہ سے آگے نہیں گئی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اور یہ بات تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

"وہ سڑک سے نیچے کنارے پر تم ایک پنسل تراش نہیں دیکھ رہے؟"

"ارے! ہاں! یہ بھی فاروق کا ہے۔" وہ چونک کر بولے۔

"نشانی کے علاوہ بھی جس قدر چیزیں نظر آئیں گی۔۔ وہ صرف فاروق کی ہوں گی۔"

"وہ کیوں؟"

"اس قسم کی تمام چیزیں فاروق اپنی جیب میں بھرے رکھتا ہے اور کوئی یہ جھنجھٹ نہیں پالتا۔" وہ مسکرائے۔

"اس کا مطلب ہے، پروفیسر صاحب کو یہاں لایا گیا ہے اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی یہاں پہنچ چکے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"نہ صرف پہنچ چکے ہیں، بلکہ دشمن کے جال میں پھنس چکے ہیں۔"

"اوہو۔۔ یہ اندازہ تم نے کس طرح لگا لیا؟"

"اگر وہ پھنس نہ گئے ہوتے تو یہاں کچھ اور نشان ملتا یعنی وہ ہمارے لیے کوئی اشارہ ضرور دے دیتے۔۔ اب چونکہ یہاں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔۔ لہذا ہمیں ان کے انداز میں کام کرنا ہو گا۔"

"اوہ!" وہ بولے۔

انھوں نے سڑک پر کھڑے ہو کر چاروں طرف ایک نظر ڈالی اور پھر چونک اُٹھے۔

"اُف مالک!"

"[illegible]۔۔ کیا ہوا؟"

"یار خان رحمان — دشمن بہت زیادہ چالاک ہے۔"

"یہ اندازہ کس طرح لگا لیا؟"

"اس طرح کہ پہلے اس نے پروفیسر داؤد کو اغوا کیا۔ ان کے ذریعے محمود، فاروق اور فرزانہ کو پھانسا اور اب وہ ہمیں پھانس چکا ہے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا کہا — پھانس چکا ہے۔"

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔" انھوں نے حد درجے سنجیدہ لہجے میں کہا اور خان رحمان کو اپنی سٹی گم ہوتی محسوس ہوئی۔—

موم کا

"ارے باپ رے — یہ تجربہ گاہ کے ساتھ کیا ہوگیا۔" محمود نے کانپ کر کہا۔

"یہ تو ایسا لگتا ہے، جیسے یہاں کبھی تجربہ گاہ تھی ہی نہیں۔" فاروق بولا۔

"ملبے کا یہ ڈھیر — بتا رہا ہے کہ تجربہ گاہ کو بچانے میں کسی کی کوئی کوشش کام نہیں آئی، جب کہ یہاں ابا جان بھی موجود تھے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو فرزانہ کہ جمشید بھی یہاں موجود تھے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ میں اس طرح کہہ سکتی ہوں کہ جس جگہ ہم کھڑے ہیں، اسی جگہ خان رحمان کی کار کھڑی تھی۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"یہ ایک اور رہی — حد ہوگئی — ابھی اس بات کی

وضاحت ہوئی نہیں کہ انسپکٹر جمشید یہاں موجود تھے کہ خان رحمان کی کار کی بات لے بیٹھیں۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"میں عرض کرتی ہوں ـــ اس جگہ آبا جان اور انکل خان رحمان کے جوتوں کے نشانات موجود ہیں اور یہ ٹائر بھی انکل خان رحمان کی کار کے ہیں اور جب انھوں نے دیکھا کہ وہ تجربہ گاہ کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے ـــ تو پھر انھوں نے جنگل کا رُخ کیا ـــ یعنی جہاں ہم قید تھے۔"

"اب اتنی بے پَر کی بھی نہ چھوڑو ـــ انھیں کسی طرح پتا چل گیا کہ ہم لوگ جنگل میں کہاں قید ہیں؟"

"ہم چلتے وقت نشانیاں چھوڑتے گئے تھے ـــ اور اس کا مطلب ہے جس وقت ہم چکر کاٹ کر ادھر آ رہے تھے، وہ اس جنگل کے آس پاس پہنچ چکے تھے۔"

"اب میں تمھاری کوئی بات نہیں کاٹوں گا ـــ فائدہ تو کوئی ہے نہیں بات کاٹنے کا۔" انھوں نے جھلا کر کہا۔

اور وہ مسکرانے لگے، لیکن جب تجربہ گاہ کی جگہ ملبے کے ڈھیر پر نظر پڑی تو ان کی مسکراہٹیں بجھ گئیں ـــ

"انکل! آپ تو اب ہو گئے بے کار ـــ کیوں نہ گھر چلیں۔"

"گویا تم لوگ جمشید اور خان رحمان کی تلاش میں نہیں نکلو گے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"نہیں! وہ خود آ جائیں گے ـــ ان کے اندیشے میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"بھئی آخر وہ بھی انسان ہیں ـــ کسی مصیبت میں پھنس سکتے ہیں۔" وہ بولے۔

"لیکن وہ مصیبت سے نکل آنے کے ماہر ہیں ـــ جب ہم نکل آئے تو وہ کیوں نہیں نکل آئیں گے۔"

"میرے خیال میں تو یہ ضروری نہیں۔" انھوں نے کہا۔

"خیر ـــ اگر ایک گھنٹے تک نہ آئے تو ہم ان کی تلاش میں اس جگہ جائیں گے ـــ اور انکل اکرام اور ان کے ماتحتوں کے ساتھ جائیں گے۔"

"غلط ـــ بالکل غلط ـــ ہمیں ابھی یہ کام کرنا چاہیے ـــ چلو مان لیتے ہیں ـــ جمشید اور خان رحمان ان کے جال میں نہیں آئے ہوں گے ـــ لیکن ان لوگوں کو گرفتار تو کرنا ہے ـــ کیا ان سے یہ پوچھنے کی کوئی ضرورت تم لوگوں کو محسوس نہیں ہو رہی کہ یہ سب چکر کیا ہے ـــ یہ سُرخ کاریں کہاں سے آ گئیں ـــ ان کو کون کنٹرول کر رہا ہے ـــ وہ کہاں بیٹھا ہے۔"

"اوہ ہاں! یہ تمام سوالات تو بہت اہم ہیں اور ان سے پوچھنے کی فوری ضرورت ہے۔"

"تب پھر ہم سب ابھی اور اسی وقت چلیں گے ـــ اے لو ـــ

وہ اکرام بھی آ گئے۔

"السلام علیکم۔ آپ لوگ یہاں۔ انسپکٹر صاحب تو آپ کی تلاش میں گئے ہیں۔"

"ہاں! یہ اندازہ ہم لگا چکے ہیں۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"پہلے تو ذرا جلدی سے یہ بتا دیں کہ یہاں کیا ہوا ہے؟"

اکرام نے سرخ کار کی کارروائی کے بارے میں بتا دیا۔ انھیں اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے دکھائی دیے۔

"تب پھر اب ہمیں اس جگہ جانا ہے۔ جہاں بیگم قید کیا گیا تھا۔ اب شاید ابا جان اور خان رحمان وہاں پھنس گئے ہوں۔"

"ان کا پھنس جانا اس قدر آسان نہیں، لیکن پھر بھی ہم دیکھ لیتے ہیں۔ چلیے میں ساتھ چلتا ہوں۔ یہاں اب میرا کچھ کام نہیں رہ گیا۔"

"آپ اپنے سادہ لباس والوں کو بھی بلا لیں۔"

"ان کی کیا ضرورت ہے؟" اکرام نے چونک کر کہا۔

"ضرورت ہے۔ آپ صرف انھیں پتا نوٹ کروا دیں۔ تاکہ ہم ان کے آنے سے پہلے ہی روانہ ہو جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

یہ کہہ کر اکرام نے اپنے آدمیوں کو وائرلیس پر ہدایات

ایں۔ اور پھر وہ روانہ ہو گئے۔ وہ سیدھے اس عمارت کے سامنے پہنچ کر سڑک پر رکے۔

"یہاں تو موت کا سناٹا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"تو پہلے کب یہاں سناٹا نہیں تھا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"اوہ ہاں! اوہو یہ دیکھو۔ ابا جان یہاں پہنچ چکے ہیں۔ رہے ان کے جوتے کے نشان۔ گویا وہ اپنی گاڑی سے اتر کر اس جگہ سے پیدل آگے بڑھے ہوں گے۔ وہ بھی ہمارے علامات دیکھ کر۔" فرزانہ جلدی جلدی بولی۔

"تو پھر آؤ۔" محمود بے قرار ہو گیا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ اکرام کی گاڑی سڑک کے کنارے اں نے چھوڑ دی گئی تھی کہ سادہ لباس والے اس جگہ سے آگے نکل جائیں۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے دل بہت تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ آخر وہ عمارت کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا، عمارت کے آس پاس کوئی بھی نہیں تھا، جب کہ انھیں جس وقت لایا گیا تھا۔ وہاں پولیس والے موجود تھے۔

"حیرت ہے۔ اب تو یہاں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ عمارت کے اندر چھپ گئے ہوں۔"

"خیر۔ عمارت میں تو ہم دیکھ ہی لیں گے۔"

وہ اور آگے بڑھے ۔ ایسے میں اکرام نے کہا:

"میرا خیال ہے ۔ ہمیں سادہ لباس والوں کا انتظار کر لینا چاہیے۔"

"اس طرح بہت دیر ہو جائے گی۔" فرزانہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر آؤ۔" اکرام نے کہا اور یک دم دروازے پر پہنچ گیا ۔ ان سب نے اپنے پستول نکال لیے تھے ۔ اکرام نے دستک دی تو دروازہ کھل گیا ۔ گویا وہ اندر سے بند نہیں تھا۔

"شاید اندر کوئی نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

جلدی جلدی انھوں نے پوری عمارت کو دیکھا ۔ لیکن وہاں کوئی نہیں تھا ۔ جس کمرے میں انھیں بند کیا گیا تھا ۔ اس میں بھی کوئی نہیں تھا ۔ جنگل میں بھی انھوں نے اِدھر اُدھر دوڑ بھاگ کر دیکھا۔

"حیرت ہے ۔ اتنی جلدی سب لوگ کہاں چلے گئے؟" محمود بڑبڑایا۔

"ہو نہ ہو ۔ اس عمارت کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"یہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔"

انھوں نے تہ خانے کی تلاش میں کافی وقت صرف کیا، لیکن کسی تہ خانے کے بھی آثار نظر نہ آئے۔

"یہ تو ایسا لگتا ہے ۔ جیسے ابا جان اور انکل خان رحمان ان کے پیچھے پڑ گئے اور وہ انھیں لے کر فوراً یہاں سے نکل بھاگے۔" محمود نے پریشان آواز میں کہا۔

"اگر ایسا ہے تو اور بھی برا ہے۔"

"تو بھئی گھر چلیں ۔ اب ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔" فاروق نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کیا مطلب ۔ کیا ہم اتنی جلدی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں؟"

"اور ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

انھوں نے چند سیکنڈ سوچا اور پھر وہاں سے واپس روانہ ہو گئے ۔ گھر پہنچ کر فرزانہ نے کہا:

"تیاری کر لو۔"

"کیا کہا ۔ تیاری کر لیں ۔ کیسی تیاری؟"

"ایسی تیاری کہ ہم اس عمارت تک پہنچ جائیں۔"

"ابھی تو وہاں سے آئے ہیں۔"

"یہاں آ کر تیاری کرنا تھی ۔ اس لیے آئے ہیں ۔ ہمیں اس مہم کے لیے خاص تیاری کرنا پڑے گی۔" فرزانہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"اور کیسی تیاری؟" محمود نے اسے گھورا۔

"میرا خیال ہے، ابا جان اور انکل کو وہیں، اسی عمارت میں رکھا گیا ہے۔"

"اوہ اچھا۔۔ تب ہم تیاری کر لیتے ہیں۔"

انھوں نے زور و شور سے تیاری شروع کر دی۔ ان کی تیاریاں دیکھ کر بیگم جمشید سے رہا نہ گیا:

"ایسا لگتا ہے، تم میدانِ جہاد کا رُخ کرنے والے ہو۔"

"یہی بات ہے امی جان۔۔ ابا جان اور انکل خان رحمان دشمنوں کے قبضے میں ہیں اور ہمیں شب خون مارنا ہے۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا۔۔ شب خُون مارنا ہے۔۔ لیکن کیوں، تم دن خُون کیوں نہیں مارتے؟"

"دن میں ہم کوشش کر چکے ہیں، دشمن کے چھپنے کی جگہ نظر نہیں آئی۔۔ لہٰذا اب رات میں کوشش کریں گے۔"

"تمھاری تم ہی جانو۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنایا، پھر پروفیسر داؤد کی طرف مڑیں:

"آپ کو شاید بھوک نے ستا رکھا ہے۔"

"ہاں بالکل، لیکن ایسے میں کھانے کا کیا مزا؟"

"آپ پریشان نہ ہوں انکل۔۔ ابا جان موم کے بنے ہوئے نہیں ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہائیں تو کیا خان رحمان موم کے بنے ہوئے ہیں؟" پروفیسر داؤد کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"نہیں! وہ بھی موم کے نہیں ہیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"ارے۔۔ تو کیا میں موم کا ہوں؟"

"ج۔۔ جی۔۔ ن۔۔ نہیں تو۔۔ بالکل بھی نہیں۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"تو پھر آخر موم کا کون ہے؟" پروفیسر داؤد نے بُرا سا منہ بنایا۔

"انکل! آپ تو موم کے پیچھے ہی پڑ گئے۔" محمود بھی گھبرا کر بولا۔

"موم کے نہیں۔۔ فرزانہ کے۔" فاروق ہنسا۔

"میرا خیال ہے۔۔ آپ لوگ کھانا کھا لیں۔۔ کہیں موم کے چکر میں کھانا نہ گول ہو جائے۔"

"بالکل ٹھیک۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

انھوں نے جیسے تیسے کھانا کھایا۔۔ پھر اکرام کے ساتھ پروگرام طے کیا گیا اور آخر رات کے گیارہ بجے وہ روانہ ہوئے۔۔ سادہ لباس والے پونے گیارہ بجے ہی اس عمارت کو اپنے گھیرے میں لے چکے تھے اور گھیرے میں لینے کے لیے انھوں نے کافی بڑا دائرہ بنایا تھا۔

وہ وہاں پہنچے تو اکرام نے انھیں اشارہ دیا کہ وہ اور اس کے ماتحت ہر طرح تیار ہیں اور وہ لوگ بلا کھٹکے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ ان کے لیے عمارت کی پشت پر سیڑھی لگا دی گئی ہے۔

وہ سیڑھی کے ذریعے چھت پر پہنچے۔ پروفیسر داؤد اُن کے ساتھ تھے۔ زینہ بند نہیں تھا۔ لہٰذا وہ سیڑھیاں اُترتے چلے گئے۔ بند ملنے کی صورت میں انھیں سیڑھی اوپر کھینچنی پڑتی۔ دبے پاؤں وہ نیچے پہنچے اور ایک ایک کمرہ دیکھ ڈالا۔ لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا، لیکن وہ بھی ہار ماننے والے نہیں تھے۔

"انکل! اب اپنے آلے کی مدد سے آوازیں سننے کی کوشش کریں۔" محمود نے ان کی طرف دیکھا۔

"اوہ اچھا۔"

اب پروفیسر داؤد حرکت میں آئے۔ انھوں نے فرش پر چند آلات لگائے۔ ایک آلہ اپنے دونوں کانوں پر لگایا۔ اور لگے بٹن دبانے اور آن آف کرنے۔ ساتھ ساتھ وہ جگہ بھی تبدیل کر رہے تھے۔ آخر ایک جگہ وہ ٹھٹک گئے۔ پھر آلات بند کر کے انھوں نے کہا:

"وہ اس جگہ موجود ہیں۔"

"جو ہمارے ساتھی یا دشمن بھی۔"

"باتیں کرنے کی آوازیں سُن سکا ہوں۔ باتیں کرنے والے کون ہیں۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکا۔ دراصل انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کی کوئی آواز ان آوازوں میں شامل نہیں۔ ورنہ میں ضرور سن لیتا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اس کا مطلب ہے، ہم تہ خانے کا راستا تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ نیچے ضرور ہیں۔"

"ہاں! اب تم کیا کرو گے۔ یہ تم سوچو۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"سوچنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اب تہ خانہ تلاش کریں گے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

انھوں نے نئے سرے سے تہ خانے کے راستے کی تلاش شروع کر دی۔ اور آخر تھک کر بیٹھ گئے۔ تہ خانے کا راستا انھیں نہ ملا۔

"اب کیا کریں؟"

"اس فرش کو اکھاڑنے کے سوا ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

اکرام نے آدمیوں کو اندر بلایا۔ اکرام نے انھیں ہدایات دیں اور فرش اکھاڑنے لگے، لیکن اس کے نیچے تہ خانہ نہ ملا۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"ایک منٹ! میں ایک بار پھر آلات کے ذریعے چیک کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر پروفیسر داؤد پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے، پھر گھبرا کر انھوں نے سر اٹھایا اور بولے:

"اب تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ساتھی بھی نیچے ہیں۔"

"لیکن تہ خانہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"تب پھر اس پوری عمارت کو گروا دو — یہی بات بنے گی — جب پوری عمارت کا ملبہ یہاں سے ہٹا دیا جائے گا تو یہاں کھدائی کروائی جائے گی — اس صورت میں تو وہ باہر آ جائیں گے۔"

"میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔"

اکرام نے کہا اور فون کرنے کے لیے چلا گیا، تھوڑی دیر بعد وہاں بلڈوزر موجود تھا — اور اس عمارت کے گرانے اور ملبہ ہٹانے میں اکرام کا عملہ مصروف ہو چکا تھا —

"مجھے معلوم تھا — یہ کام بھی کرنا پڑے گا۔"

"میں سمجھ گیا۔" ایسے میں پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"اور آپ، کیا سمجھ گئے؟"

"یہ لوگ ہماری توجہ سرخ کاروں سے ہٹانا چاہتے ہیں۔"

"اور وہ اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب ہیں — لیکن اصل — ا... مطلب ہم سرخ کاروں کا بھی کیا بگاڑ سکے ہیں؟

اصل تو یہ ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھی شاید کچھ بگاڑ ہی لیتے — یا میں ان کے خلاف کوئی چیز ایجاد کر لیتا — جس کے ذریعے ان کا رخ موڑنا ممکن ہوتا۔"

"اوہ! گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں — آپ کو ہمارے ... ختم کر دیا گیا ہے — اور آپ کی تجربہ گاہ کو بھی مسمار کر دیا ہے — آپ ان کے خلاف اب کیا کر سکتے ہیں — ... کے بغیر۔"

"اس کا میرے پاس حل ہے — تم لوگ مجھ سے الگ ہو ... — تم الگ رہ کر کوشش کرو — میں الگ رہ کر — ہم آپس ... رابطہ رکھیں گے ویسے۔"

"لیکن آپ کیا کریں گے؟"

"پروفیسر طاؤس جاوی میرے بہت اچھے اور بچپن کے دوست ... — ان کی ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ ہے، اگرچہ وہ آج تک کوئی خاص چیز ایجاد نہیں کر سکے، لیکن پھر بھی وہ ہیں لائق آدمی — میں ان کے ہاں جا سکتا ہوں۔"

"گویا آپ وہاں جا کر سرخ کاروں کے خلاف کچھ کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"ہاں! کوئی ایسا آلہ ایجاد کروں گا۔ جس کے ذریعے ان کو روکنا ممکن ہو جائے گا۔"

"چلیے پھر ہم آپ کو وہاں پہنچا دیتے ہیں۔"

"اچھا بابا۔ چلو۔"

اکرام کو بتا کر وہ انھیں لے کر روانہ ہو گئے۔ پروفیسر داؤد راستا بتاتے رہے۔ پروفیسر طاؤس جاری کی تجربہ گاہ شہر سے بہت دور تھی، لہذا انھیں وہاں پہنچنے میں ایک گھنٹا لگ گیا۔ لیکن جونہی ان کی نظریں تجربہ گاہ پر پڑیں۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ تجربہ گاہ دھوئیں سے گھری ہوئی تھی۔

"ارے باپ رے۔ ہمارے دشمن شاید ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں اور اس کا مطلب ہے۔ انھوں نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔ آؤ جلدی کرو۔ نہ جانے اندر کیا حال ہے۔"

وہ دوڑتے ہوئے عمارت میں گھس گئے۔ ہر کمرے سے دھواں نکل رہا تھا اور اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"افسوس! ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں آس پاس پانی بھی نہیں ہے۔ اور اگر ہم مدد کے لیے اکرام کو فون کرتے ہیں تو اس کے آنے میں ایک گھنٹا لگے گا۔ فائر بریگیڈ وا

ایک گھنٹے بعد پہنچیں گے۔ لہذا ہمیں ہی کوشش کرنا ہو گی، پروفیسر طاؤس اور ان کے بیوی بچے بھی تو اندر ہوں گے۔"

"اوہ ہاں!"

وہ بے تحاشہ اندر گھس گئے اور دیوانوں کی طرح ایک ایک کمرے میں پھرے۔ ایک کمرے کا دروازہ انھیں بند نظر آیا۔ اس کے اندر سے چیخیں بلند ہوتی محسوس ہوئیں۔

"آؤ بھئی۔ جلدی کرو۔"

انھوں نے مل کر دروازے کو ایک زبردست ٹکر رسید کر دی۔

خاندانی حصہ

دروازہ ٹوٹتے ہی بے تحاشہ دُھواں ان کے ارد گرد بھی پھیل گیا۔ وہ لگے کھانسنے، لیکن پھر جلد ہی دُھواں چھٹ گیا۔ انھوں نے دیکھا۔ چیخیں مارنے والے نیم بے ہوش ہو چکے تھے۔ وہ انھیں اٹھا اٹھا کر باہر لے آئے۔ وہ کل پانچ تھے۔ ایک ادھیڑ عمر مرد۔ ایک ادھیڑ عمر عورت۔ دو نوجوان لڑکے اور ایک قدرے چھوٹی لڑکی۔

"یہ پروفیسر طاؤس جاذبی ہیں۔ یہ ان کی بیوی اور یہ بچے ہیں۔ لیکن یہ سب کیا ہے؟" پروفیسر داؤد نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"یہ تو یہ لوگ ہی بتائیں گے۔"

اب انھوں نے ان کے چہروں پر پانی کے چھینٹے مارے۔ انھیں صاف ہوا میں پہلے ہی لٹا چکے تھے۔ آخر پندرہ منٹ بعد بڑے لڑکے نے آنکھیں کھولیں۔

"اوہو۔ یہ۔ یہ ہم کہاں ہیں اور ہمیں کیا ہوا تھا؟"

"آپ اپنے گھر میں ہیں۔ آپ دھوئیں میں گھر گئے تھے۔ یہ ہمیں بھی معلوم نہیں کہ دھواں کہاں سے آ گیا تھا۔ دھوئیں نے ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا کہا۔ کیا نہیں بتایا۔ اور کس نے نہیں بتایا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"جی دھوئیں نے۔"

"آپ پاگل تو نہیں ہیں۔ ویسے تو دھوئیں کا اثر ہمارے اس پر ہونا چاہیے تھا۔"

"جی بس۔ تھوڑا بہت تو ہم بھی لپیٹ میں آ گئے ہیں نا۔"

آخر باری باری وہ سب ہوش میں آ گئے۔ پروفیسر طاؤس کی آنکھیں پروفیسر داؤد پر جم گئیں۔ گویا وہ انھیں پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ میرے بچپن کے دوست پروفیسر داؤد ہیں۔ لیکن یہ لوگ کون ہیں؟"

"میں ابھی تعارف کراتا ہوں، لیکن پہلے آپ یہ بتائیں۔ آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ کیا آپ کوئی تجربہ کر رہے تھے۔ اور اس سلسلے میں دھماکا ہو گیا تھا؟"

"ارے نہیں — میں کوئی گرا پڑا سائنس دان نہیں ہوں — کہ میری تجربہ گاہ میں اچانک دھماکے ہونے لگیں — آپ مجھے جانتے ہی ہیں — بچپن میں میں سائنس میں کس قدر تیز تھا۔" وہ بولے۔

"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں — آپ تو میرے بھی کان کاٹا کرتے ہیں۔"

"ن — نہیں تو — میں نے ایسا تو کبھی نہیں کیا تھا۔" وہ گھبرا کر بولے۔

"میرا مطلب ہے — محاورتاً کاٹا کرتے تھے۔"

"اوہ اچھا — میں سمجھا۔" وہ مسکرائے۔

"آپ نے بتایا نہیں — یہاں کیا ہوا تھا؟"

"مجھے بالکل کچھ معلوم نہیں — میں ان سب کے ساتھ اپنے کمرے میں تھا — بس اچانک دھماکا ہوا اور دھواں پھیل گیا۔" انھوں نے بتایا۔

"لیکن کمرے کا دروازہ کیوں بند تھا؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"سرد ہوا چل رہی ہے نا — اور میں سرد ہوا کو بہت ناپسند کرتا ہوں — بس ہم دروازہ بند کر کے باتیں کر رہے تھے۔"

"حیرت ہے — بند کمرے میں دھماکا کیسے ہو گیا؟"

"باغ والی کھڑکی۔" لڑکی نے چونک کر کہا۔

"اوہ ہاں! ہو سکتا ہے — بائیں باغ کی طرف سے کسی نے کوئی دھوئیں کا بم پھینکا ہو۔" محمود بولا۔

"بہت خوب جولی — تم نے اچھا خیال دلایا — میرا خیال ہے، ہمیں بائیں باغ کا جائزہ لے لینا چاہیے — خاص طور پر کھڑکی کے نیچے والی جگہ کا۔"

"تو ان کا نام جولی ہے؟" فرزانہ نے تعارف کے لیے کہا۔

"اوہ ہاں! ہم نے آپس میں ابھی تک ایک دوسرے کے نام تک نہیں معلوم کیے۔" پروفیسر طاؤس جاری نے ہنس کر کہا۔

"شاید دھوئیں کا اثر اب تک ہے۔" پروفیسر مسکرائے۔

"بہرحال! میں پروفیسر طاؤس جاری ہوں — یہ ..."

"پہلے یہ بتا دیں کہ یہ جاری کیا چیز ہے؟"

"میرے نام کا خاندانی حصہ — ہم جاری خاندان کے لوگ ہیں — جیسے مغل نہیں ہوتے۔"

"اوہ اچھا — کیا یہ بھی کوئی شاہی خاندان ہے؟"

"مغلوں سے پہلے کا — بہت بڑا شاہی خاندان — آپ لوگ یوں سمجھ لیں کہ ہم اس خاندان کے آخری چشم و چراغ

ہیں۔" پروفیسر جارس نے کہا۔

"آخری سے کیا مراد — آپ کے بچے ہیں تو سہی۔"

"میرا مطلب ہے — بس ایک، ہمارا گھرانہ باقی بچا ہے — جارس خاندان کا کوئی اور گھرانہ نہیں رہا۔"

"اوہ! اب سمجھا — اب ذرا باقی ماندہ تعارف ہو جائے۔"

"یہ میری بیگم ہیں — ڈالی — یہ بڑا بیٹا روکی اور یہ جوکی۔ اب آپ کے بارے میں معلوم ہو جائے۔"

"یہ میرے دوست، انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں — محمود، فاروق اور فرزانہ۔"

"کیا!!!"

وہ سب بری طرح اچھلے — ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی —

"خیر تو ہے — آپ لوگوں کو کیا ہوا؟"

"آپ لوگوں کو ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں — آپ کے کارنامے اخبارات میں بہت شوق سے پڑھتے ہیں — ابھی پچھلے دنوں "سورج کی روشنی والا"٭ جو معرکہ آپ نے [illegible] ہے — اس بار تو [illegible] دشمن کو رو گئے تھے ہم — آپ [illegible]

٭ "دائرے کا سمندر" پڑھیے۔

ہمارے گھر میں — آج بہت حیرت ہو رہی ہے۔"

"انھیں میں لایا ہوں جارس۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن آپ لوگوں کے نام غیر ملکیوں جیسے کیوں ہیں۔"

"میں مسلمان ہوں، جب کہ میری بیوی انگریز۔ بچوں کے نام یہ بیوی کے رکھے ہوئے ہیں۔"

"اوہ اچھا — تو کیا آپ نے انھیں مسلمان کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"بہت کی — لیکن یہ نہیں مانتی — عیسائیت کو ہی درست خیال کرتی ہے۔"

"خیر! اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہ کوشش کر سکتے ہیں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں — اگر آپ مجھے قائل کر سکے تو میں ضرور مسلمان ہو جاؤں گی۔"

"یہ کیا مشکل ہے — انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ موجود ہیں — میرے بعد ایک نبی آنے والے ہیں — وہ آخری نبی ہوں گے — ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا — لہٰذا میرے بعد تم ان کی پیروی کرنا — اب جو لوگ خود کو عیسائی کہتے ہیں — اور انجیل پڑھتے ہیں — وہ آخر مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔" محمود یہ کہہ کر رک گیا۔

"اس کی وجہ ہے — ہمیں یہ الفاظ کسی انجیل میں نہیں ملے۔" بیگم طاؤس نے کہا۔

"تو پھر اس کی بھی وجہ ہے — عیسائی پادریوں نے وہ حصے نکال دیے — اور بھی انھوں نے بہت کمی بیشی کی — ایک انجیل کی کئی انجیلیں بنا دیں — حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو صرف ایک انجیل اُتری تھی — جب کہ اب چار یا اس سے بھی زیادہ انجیلیں ملتی ہیں۔"

"لیکن ان باتوں کا ثبوت کیا ہے؟"

"اصل انجیل دُنیا میں موجود ہے — اس کا نام برناباس کی انجیل ہے — اور وہ ایک قدیم ترین لائبریری میں محفوظ ہے — لیکن اس کے مطالعے کی کسی کو اجازت نہیں ہے — اگر عیسائی اس انجیل کو پڑھ لے تو سب کے سب مسلمان ہو جائے۔"

"نہیں نہیں — یہ جھوٹ ہے — غلط ہے — مسلمانوں کا پروپیگنڈہ ہے۔"

"کاش ہم آپ کو انجیل برناباس لا کر دے سکتے۔"

"لیکن بھئی — ہم یہ کوشش تو کر سکتے ہیں۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"کیا مطلب؟" محمود اور فاروق زور سے چونکے۔

"ہم انجیل برناباس لانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

"بہت خوب! یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"اگر آپ وہ انجیل لے آئے اور ہمیں دکھا دی تو میں وعدہ کرتی ہوں — مسلمان ہو جاؤں گی۔"

"انجیل لانا آسان کام نہیں، تاہم ہم کوشش کریں گے — اس وقت ہمارے والد صاحب یہاں نہیں ہیں — ورنہ ابھی وقت ہم وعدہ کر لیتے۔"

"کوئی بات نہیں — مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن ہمیں جلدی ہے — کوئی غیر مسلم جس قدر جلد مسلمان ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے — کیونکہ موت اور زندگی کا کوئی پتا نہیں — اور غیر مسلم مرنے کے بعد بہت بڑی مشکل میں پھنس جاتے ہیں — اتنی بڑی مشکل جس سے وہ پھر کبھی نکل نہیں سکتے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"ارے، کہاں کی کہاں پہنچ گئی — ہم بھلا کیا بات کر رہے تھے؟" [illegible] جاری نے پریشان ہو کر کہا۔

"دراصل ہم آپس میں تعارف کروا رہے تھے — کہ درمیان میں غیر مسلم کی بات نکل پڑی۔"

"ہوں خیر — اب اس موضوع پر بھی بات کریں گے — اس وقت ہمیں آپ کی تجربہ گاہ کی ضرورت ہے، کیونکہ ایک سنگین مسئلہ درپیش ہے۔"

"کیوں، آپ کی تجربہ گاہ کو کیا ہوا؟" پروفیسر جاری نے گھبرا کر کہا۔

"وہ بے چاری ملبے کا ڈھیر بن گئی۔"

"کیا مطلب — ملبے کا ڈھیر کس طرح بن گئی؟"

انھوں نے تفصیل سنا دی — ان کے خاموش ہونے پر پروفیسر جاری نے کہا:

"اللہ اپنا رحم فرمائے — آپ نے تو بہت خوفناک خبریں سنائی ہیں — اب ہم کیا کریں گے بھلا۔"

"اصل مسئلہ یہی ہے کہ میری تجربہ گاہ بے کار کر دی گئی ہے — ورنہ میں ان کے خلاف، خاص طور پر ان سُرخ کاروں کے خلاف بہت کچھ کر سکتا تھا۔"

"لیکن میری تجربہ گاہ اتنی بڑی کہاں ہے — کہ آپ اس سے اتنا بڑا کوئی کام لے سکیں۔"

"اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا — اور کچھ نہیں تو جن چیزوں کی ضرورت تجربہ گاہ میں محسوس ہو گی، وہ چیزیں ہم بازار سے خریدتے رہیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی — میرا گھر اور میری تجربہ گاہ بہرحال حاضر ہیں۔"

"شکریہ! ہمیں آپ سے یہی امید تھی۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"اوہو اچھا — کیا واقعی؟" پروفیسر جاری نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں، اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

"میں اپنی تجربہ گاہ کے نزدیک کسی کو پھٹکنے بھی نہیں دیتا، یہ بات بہت مشہور ہے — پروفیسر صاحب کو بھی ضرور معلوم ہو گی۔"

"اس میں کوئی شک نہیں — لیکن میں جانتا تھا — آپ انکار نہیں کریں گے — ایک تو اس لیے کہ آپ میرے ابا کے دوست ہیں، دوسرے اس لیے کہ یہ معاملہ ملک کا ہے — کسی کا ذاتی نہیں۔"

"بالکل درست اندازہ لگایا آپ نے — آیئے میں آپ کو اپنی تجربہ گاہ دکھا دوں۔"

"پروفیسر انکل کو دکھا دیں — ہم کیا کریں گے دیکھ کر — اور ہمیں وہاں کیا پتا چلے گا — کہ کون سی چیز کس مقصد کے لیے ہے۔" محمود بولا۔

"چلیے ٹھیک ہے — آپ یہیں بیٹھیں، بچوں سے باتیں کریں،"

میرے بچے بھی آپ لوگوں سے باتیں کرنے کے لیے بے قرار
ہو رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں! یہ بات تو ہے۔"

وہ دونوں سر ہلاتے ہوئے چلے گئے۔

"اب آپ ہمارے سوالات کے جوابات دیں گے۔" جولی
نے شوخ انداز میں کہا۔

"ضرور اور آپ لوگ ہمارے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"کیا مطلب۔ کیا آپ بھی ہم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ مثلاً آپ جنگل میں شہر سے اس قد
دور رہتے ہیں۔ آپ کو یہاں خوف محسوس نہیں ہوتا؟"

"یہاں ہمارے پاس دولت کے انبار نہیں لگے ہوتے کہ
کوئی خوف محسوس کریں۔ یوں بھی ابا جان کا کوئی دشمن نہ
ہے۔ وہ بس چھوٹی موٹی چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔ ا
سے ہماری گزر بسر ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں ہم کیو
کسی سے خوف زدہ ہوں۔"

"بات معقول ہے۔ دھوئیں کا بم پھٹنے سے پہلے آ
لوگ کیا کر رہے تھے؟"

"آپس میں باتیں کر رہے تھے اور کیا کرتے۔" فرو
نے فوراً کہا۔

"اور پروفیسر طاؤس جاری صاحب بھی آپ کے ساتھ باتیں
کر رہے تھے؟"

"ہاں! بالکل۔" جوگی بولا۔

"کیا پہلے بھی کبھی ایسا ہوا؟"

"جی نہیں۔"

"آج کل پروفیسر صاحب کیا چیز ایجاد کرنے کے چکر میں
ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"ایسی باتیں ہم ان سے نہیں پوچھتے۔ یوں بھی جب
تک کوئی چیز مکمل نہ ہو جائے۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔"
روکی نے کہا۔

"اچھا خیر۔ کوئی بات نہیں۔ آپ لوگ شہر کتنے دنوں
بعد جاتے ہیں؟"

"ہفتے میں ایک دن ہم شہر میں گزارتے ہیں۔ تمام دن
خرید و فروخت کرتے ہیں اور رات ہونے سے پہلے یہاں
لوٹ آتے ہیں۔"

"بہت خوب! آپ ہم سے جو کچھ پوچھنا چاہیں۔ پوچھ
سکتے ہیں۔"

عین اس وقت انھیں زور دار جھٹکا سا لگا۔ پوری عمارت
ہل کر رہ گئی تھی۔

"ارے باپ رے — زلزلہ" ڈالی نے گھبرا کر کہا اور اچھل کر کھڑی ہو گئی ۔

وہ بھی اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے ۔

"لیکن زمین نہیں ہل رہی — بس ایک جھٹکا سا ضرور لگا ہے" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی ۔

"تب پھر وہ جھٹکا کیسا تھا" محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا ۔

"یہ تو جھٹکا ہی بتا سکتا ہے کہ وہ کیسا تھا" فاروق نے فوراً کہا ۔

"حد ہو گئی — اسے ایسے میں بھی مذاق سوجھ رہا ہے ۔ آئیے تجربہ گاہ کی طرف چلتے ہیں" یہ کہہ کر فرزانہ نے اس طرف دوڑ لگا دی ، جس طرف دونوں پروفیسر گئے تھے ۔ ادھر سے پروفیسر داؤد اور پروفیسر طاؤس جاری بدحواسی کے عالم میں چلے آ رہے تھے ۔

"یہ — یہ کیا تھا بھئی" پروفیسر داؤد بولے ۔

"جی — یہی تو ہم آپ سے پوچھنے کے لیے آ رہے تھے" فرزانہ نے فوراً کہا ۔

"چلو چھٹی ہو گئی — ہمیں بھی نہیں معلوم — کہ یہ کیا چکر ہے..."

یعنی اس لمحے ان سب کو پہلے سے بھی زیادہ زبردست جھٹکا لگا — وہ لڑکھڑا کر رہ گئے — گرتے گرتے بچے ۔

اور پھر تو انہیں جھٹکے پر جھٹکے لگنے لگے — ایسے میں محمود نے چلا کر کہا :

"بھاگیے — عمارت سے نکل چلیے ۔"

بس جناب بس

شوکی برادرز نے اپنے دفتر کے سامنے رکنے والی لمبی سی کار کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگے۔

"موٹی مُرغی۔" آفتاب بولا۔

"بُری بات ہے۔ گاہک کو مُرغی کہہ رہے ہو۔" شوکی نے اسے ڈانٹا۔

"اوہ ہاں! مجھے مُرغا کہنا چاہیے تھا۔ یہ تو مذکر ہے۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"غلط بالکل غلط۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ گاہک کو عزت دینی چاہیے۔"

"بہت بہتر۔ انھیں آ لینے دیں۔ ابھی بہت سی عزت دے ڈالوں گا۔ یہ بھی کیا یاد رکھیں گے کہ کسی نے انھیں عزت دی تھی۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"حد ہو گئی یعنی کہ..." اشفاق نے بُرا سا منہ بنایا۔

اسی وقت ایک بھاری بھر کم آدمی اندر داخل ہوا، یہ اسی کار سے باہر نکلا تھا۔ کار کا ڈرائیور اب باہر نکل کر کار کو کپڑا مارنے لگا تھا۔ جو پہلے ہی خوب چمک رہی تھی:

"ہیلو لڑکو۔ کیا حال ہے؟"

"جی بزرگو۔ بس ٹھیک ہیں۔"

موٹے کا منہ بن گیا:

"میں یہاں اپنی بے عزتی نہیں کرانے آیا۔"

"کیا بزرگ کہنا بے عزتی کی بات ہے جناب۔" اشفاق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے بزرگ نہیں۔ بزرگو کہا گیا ہے۔ جب کہ میں ابھی جوان ہوں اور میری عمر صرف چالیس سال ہے۔"

"اوہ! ہم معافی چاہتے ہیں۔ ہم نے آپ کی عمر کے بارے میں بالکل غلط اندازہ لگایا۔"

"خیر! کوئی بات نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"فرمائیے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"مجھے ایک شخص کی تلاش ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کہاں رہتا ہے۔ بس اتنا جانتا ہوں۔ رہتا ہے اسی مُلک میں۔"

"آپ نے کیا فرمایا۔ اسی شہر میں رہتا ہے؟"

"نہیں۔ میں نے ملک کا لفظ بولا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے — ہمیں اس شخص کو پورے ملک میں تلاش کرنا پڑے گا۔"

"ہاں! لیکن یہ ضروری نہیں — ہو سکتا ہے — آپ کو اسی شہر میں مل جائے — ہو سکتا ہے، آپ کو دو چار شہر کھنگالنا پڑیں — ہو سکتا ہے — پورا ملک کھنگالنا پڑے اور یہ بھی ہو سکتا ہے ..."

"بس جناب بس۔" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"کک — کیوں — کیا ہوا؟" وہ بھی زور سے چونکا۔

"ان سے زیادہ ہو سکتا ہے، ہم میں تاب نہیں۔"

"اوہ! آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں — جب کہ میں پہلے ہی وضاحت کر چکا ہوں کہ میں یہاں اپنا مذاق اڑوانے نہیں آیا۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں! یہ تو ہے — ویسے ہم خود بھی آپ کا مذاق اڑانا نہیں پسند کرتے۔"

"کیا مطلب — کیا کہا آپ نے؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"ہم آپ کا مذاق اڑانا پسند نہیں کرتے — ہمارے پاس اور بہت لوگ ہیں — جن کا مذاق اڑانا ہم پسند کرتے ہیں۔"

"کیا میں کسی پاگل خانے میں آ گیا ہوں؟"

"آپ کے ایسے نصیب کہاں۔" مکھن نے سرد آہ بھری۔

"کیا کہا — میرے ایسے نصیب کہاں — گویا میں کسی پاگل خانے میں نہیں جا سکتا۔"

"جانے کو تو خیر آپ کہاں نہیں جا سکتے — خیر چھوڑیں اس بات کو — اور کام کی بات کریں۔"

"کام کی بات تم لوگ کرنے کب دے رہے ہو۔"

"اب ہم نہیں بولیں گے — صرف اور صرف آپ بولیں گے۔"

"بہت خوب — یہ ہوئی نا بات — ہاں تو بات صرف یہ ہے کہ — پتا نہیں، میں کیا کہہ رہا تھا — کچھ آپ ہی کہیے میں کیا کہہ رہا تھا؟"

"آپ ہمارا سر کر رہے تھے۔"

"شاید آپ مجھے پاگل بنا ہی دیں گے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے — ہمارا ہرگز نہیں — ویسے ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ تشریف کس لیے لاتے ہیں؟"

"آپ بھول رہے ہیں — میں ایک نوجوان کو تلاش کروانا چاہتا ہوں — آپ لوگ بس اس کو تلاش کر کے مجھے فون کر دیں — اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اور کچھ سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"مطلب یہ کہ آپ اس سے کوئی غرض نہیں رکھیں گے۔"

"ٹھیک ہے، کوئی غرض نہیں رکھیں گے — بس آپ اس

کا نام بتا دیں۔"

"یہ رہی اس کی تصویر۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک تصویر ان کے سامنے کر دی۔

انھوں نے دیکھا، وہ ایک خوب صورت نوجوان کی تصویر تھی۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں، بال سنہری، چہرہ گول:

"اس کا نام ثاقب غوری ہے۔"

"اور یہ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ صاحب کہاں رہتے ہیں۔"

"ہاں! میں صرف اس کا نام جانتا ہوں یا میرے پاس اس کی تصویر ہے۔"

"آپ کا اپنا نام کیا ہے؟" شوکی بولا۔

"یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ بات اس طرح ہوئی کہ میں اس معاملے میں سامنے نہیں آنا چاہتا، آپ اس نوجوان کا سراغ لگا دیں، فون کر کے میں خود معلوم کر لوں گا کہ آپ نے کیا معلوم کیا ہے۔ میں روزانہ فون کرتا رہوں گا۔"

"نہیں جناب! اس طرح یہ سودا ہمیں منظور نہیں۔" شوکی نے صاف انکار کر دیا۔

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑا۔

"مطلب یہ کہ ہم آپ کا کام نہیں کر سکتے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ آخر کام کیوں نہیں کر سکتے۔ ابھی آپ نے معاوضے کی بات تک نہیں کی۔ میں منہ مانگا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔"

"پہلے آپ کو اپنا نام پتا بتانا ہوگا۔ اس کے بعد ہم آپ کا کام کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔" شوکی نے سخت لہجے میں کہا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے آخر؟" اس نے جل بھن کر کہا۔

"اس کی ضرورت ہے۔ ہمارا ایک اصول ہے اور ہم اپنے اصول کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ ہمارے پاس جو لوگ اپنے کسی کام کے سلسلے میں آتے ہیں۔ پہلے انھیں اپنا نام پتا بتانا پڑتا ہے، ورنہ ہم کام نہیں کرتے۔"

"میں، اس کام کے آپ کو ایک کروڑ روپے دوں گا۔" اس نے گویا شوکی کی بات سنی ہی نہیں۔

"دس کروڑ دیں، تب بھی نہیں۔ اور نام پتا بتانے کی صورت میں ہم آپ کو صرف دس ہزار روپے میں یہ کام کر دیں گے۔"

"کیا کہا۔ صرف دس ہزار میں۔" وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں! دس ہزار میں۔ اس لیے کہ ہم زیادہ معاوضہ لینے کے شوقین نہیں ہیں۔ اور ہاں! آپ اس قدر حیران کس

بات پر ہیں۔"

"آپ سے پہلے میں ایک اور پرائیویٹ سراغرساں ایجنسی کے پاس گیا تھا — اس نے ایک لاکھ روپے مانگے تھے۔" اس نے بتایا۔

"ہم بے تکے معاوضے نہیں مانگتے — ویسے آپ نے ان سے اپنا کام کیوں نہ کرایا؟"

"وہ لوگ مجھے بلیک میلر ٹائپ نظر آئے تھے۔"

"اوہ! اب سمجھا۔" شوکی نے چونک کر کہا۔

"اب آپ کیا سمجھ گئے؟"

"یہ کہ آپ بلیک میلنگ کے ڈر سے اپنا نام پتا نہیں بتانا چاہتے — یہی بات ہے نا؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"آپ میری ایک بات سن لیں۔"

"بھائی جان! میں ذرا بازار سے بٹنوں کا ایک پیکٹ لے آؤں۔" آفتاب نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" شوکی نے اس کی طرف دیکھے بغیر دیکھا۔

اور آفتاب اٹھ کر باہر چلا گیا —

"ہاں! تو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ ہم بلیک میلر ہرگز نہیں ہیں — لوگوں کے صرف کام کر

ہیں — ان کے راز جان لینے کے بعد ان سے رقمیں نہیں اینٹھنے لگتے ہیں۔"

"مجھے یہی ڈر ہے — اور کوئی بات نہیں — اسی لیے میں اپنا نام پتا نہیں بتانا چاہتا۔"

"اگر آپ صرف اس ڈر سے چھپانا چاہتے ہیں تو ہم بھی [illegible] لیتے ہیں — اب نکالیے دس ہزار روپے — ہم آپ کا کام شروع کر دیتے ہیں۔"

"دس ہزار بہت کم ہے — یہ ضروری نہیں کہ یہ نوجوان اس شہر میں کہیں ہو — ہو سکتا ہے، آپ کو اسے پورے ملک میں تلاش کرنا پڑے۔"

"کوئی بات نہیں — ہمارے لیے پھر بھی دس ہزار روپے ہیں — ہمارے طریقے ذرا مختلف ہیں۔"

"پھر بھی — اگر کسی وقت یہ معاوضہ کم پڑتا نظر آئے تو آپ ان پر بتا دیجیے گا — میں اور معاوضہ ادا کردوں گا۔"

"آپ کا شکریہ!" شوکی نے کہا۔

اس نے جیب سے پرس نکالا، اس میں سے ہزار ہزار روپے والے دس نوٹ گن کر ان کے آگے ڈال دیے۔

"اب چند باتیں نوجوان کے بارے میں، آپ نے اس کا نام ثاقب غوری بتایا ہے؟"

"ہاں! اس کا نام یہی ہے۔"

"آپ اسے کیوں تلاش کرنا چاہتے ہیں؟"
"نہیں بتا سکتا۔"
"یہ حضرت کب سے گم ہیں؟" شوکی مسکرایا۔
"کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلا۔
"فی الحال ہم آپ کو سیٹھ صاحب کہہ کر پکار لیتے ہیں، کیونکہ آپ کو مخاطب کرنے کے لیے آپ کا کوئی تو نام ہونا چاہیے۔"
"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"
"شکریہ! کوئی بات تو ایسی ہے جس پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں، ہاں تو سیٹھ صاحب — یہ نوجوان کب سے گم ہے؟"
"نہیں بتا سکتا۔"
"گویا آپ تصویر کے علاوہ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟"
"ہاں! بس آپ اس تصویر والے نوجوان کا سراغ لگا دیں اور مجھے بتا دیں — بس آپ کا کام صرف اتنا ہے۔"
"اچھا! اس نوجوان کی تعلیم کیا ہے؟" اشفاق نے پوچھا۔
"نہیں بتا سکتا۔"
"شکریہ! اس کے شوق کیا کیا ہیں؟"
"نہیں بتا سکتا۔"
"گویا آپ نے ہر سوال کے جواب میں نہیں بتا سکتا کہنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

"نہیں بتا سکتا۔"
"یعنی یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ قسم کھا رکھی ہے یا نہیں۔" اخلاق نے برا سا منہ بنایا۔
"میں کچھ بتاؤں۔" ایسے میں رفعت کی آواز ابھری۔
انھوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا — سیٹھ صاحب بھی دیکھے بغیر نہ رہ سکے — وہ اس وقت تک بالکل خاموش رہی تھی — جیسے کمرے میں تھی ہی نہیں —
"یہ کون ہے؟"
"ہماری پانچویں ساتھی — ہمارے کاموں میں ہماری مددگار — رفعت۔" شوکی نے کہا۔
"اوہ اچھا — آپ کیا بتانا چاہتی ہیں؟"
رفعت نے شوکی کی طرف دیکھا تو وہ سخت نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ شوکی کیا چاہتا ہے — لہذا جلدی سے بولی:
"بس کچھ نہیں — آپ اپنی بات جاری رکھیں۔"
"آپ نے انھیں روک دیا — کہنے دیں نا — کیا کہنا چاہتی ہیں۔"
"نہیں — ہم بھی فی الحال آپ کو کچھ نہیں بتا سکتے — ہاں! کچھ دن بعد شاید بتا سکیں۔"
"اچھی بات ہے — میں روزانہ آپ کو فون کروں گا — اب

اجازت چاہوں گا۔"

"شکریہ! ہم آپ کے کیس پر اسی وقت سے کام شروع کر رہے ہیں — ویسے جلد کامیابی صرف اس طرح ممکن تھی کہ آپ ہمیں ان کے بارے میں ساری باتیں بتا دیتے۔"

"میری مجبوری ہے نا — اس لیے نہیں بتا سکتا۔"

"اچھا خیر — کوئی بات نہیں — ہم یہ کیس صرف یہ سوچ کر لے رہے ہیں کہ آپ خوف زدہ ہیں — آپ کو بعد میں بلیک میل نہ کیا جائے۔"

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔" اس نے کہا۔

"خیر آپ تشریف لے جائیں۔"

وہ اُٹھا اور باہر نکل گیا — دوسری طرف سے آفتاب ہاتھ میں بن پیکٹ لیے آتا نظر آیا — اور پھر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔

"ہاں آفتاب — کیا نوٹ کیا؟" شوکی نے پوچھا۔

"کار کا نمبر — اور کیا نوٹ کرنا تھا؟" آفتاب نے منہ بنایا۔

"کیوں — ڈرائیور کا حلیہ نوٹ نہیں کرنا تھا۔"

"وہ بھی کر لیا ہے — ڈرائیور ضرور کوئی جرائم پیشہ ہے اور جب ہم اس کا حلیہ انکل کاشان کو بتائیں گے تو وہ ضرور ہمیں اس کا نام پتا بتا دیں گے۔"

"اس کا حلیہ یہاں لکھ دو — کہیں بھول نہ جاؤ۔"

"ضرور بھائی جان۔" آفتاب نے کہا اور حلیہ لکھنے لگا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑا بھی رہا تھا:

"لمبا قد — بڑی بڑی مونچھیں — بھرا بھرا چہرہ — آنکھیں ابھری ہوئیں — گہرا سیاہ...."

"بس! اتنا حلیہ کافی ہے — ہاں رفعت — اب تم بتاؤ — اس وقت کیا بتانا چاہتی تھیں؟"

"یہ کہ نوجوان اس شخص کا بیٹا ہے۔"

"نہیں!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

فائر

ان کی نظریں رفعت پر جم گئیں۔ رفعت نے گھبرا کر کہا:

"اس طرح گھورنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی؟"

"کوئی ایسی ویسی غلط بات۔" شوکی نے آنکھیں نکالیں۔

"گویا آپ کے خیال میں یہ تصویر والا نوجوان اس شخص کا بیٹا نہیں ہو سکتا؟"

"ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ شکل صورت میں قطعاً کوئی ملتی جلتی نہیں ہے۔" اشفاق نے کہا۔

"بھئی ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی ماں پر گیا ہو۔"

"گیا ہو گا۔ لیکن باپ والی بھی کوئی بات ضرور میں ہوتی ہے!؟"

"خیر۔ دیکھا جائے گا۔"

"گویا تم اب بھی اسی بات پر اڑی ہوئی ہو۔"

"ہاں! بالکل۔ یہ نوجوان اس شخص کا بیٹا نکلے گا۔ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہو گا۔ ان لوگوں نے اس خبر کو چھپا لیا ہو گا۔ ملنے جلنے والوں کو بتایا ہو گا کہ ان کا بیٹا سیر کرنے کے لیے دُور دراز کے تفریحی مقامات پر گیا ہوا ہے۔"

"نہیں یہ بات نظر نہیں آتی۔ معاملہ پُر اسرار ہے۔" آفتاب بولا۔

"ایک منٹ ٹھہرو۔"

یہ کہہ کر شوکی نے انسپکٹر کاشان کے نمبر ڈائل اور اس کی آواز سن کر بولا:

"انکل۔ یہ میں ہوں شوکی۔"

"ہاں شوکی۔ کیا حال ہے۔ کہو۔ کیا بات ہے؟"

"سب خیریت ہے۔ ایک کار کے نمبر نوٹ کر لیں۔ ذرا اس کے مالک کا نام پتا درکار ہے۔" یہ کہہ کر اس نے نمبر نوٹ کروا دیا۔

"پندرہ منٹ تک بتا سکوں گا۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ انکل ہوں تو آپ جیسے۔"

"بس بس۔ تعریف کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر کاشان نے ہنس کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

پندرہ منٹ بعد اس نے فون کیا اور بتایا:

"اس نمبر کی کار سیٹھ جبران شامی کی ہے — پتا ہے —
۱۹ غابہ روڈ۔"

"فون نمبر مل سکے گا؟"

"وہ تم ایکس چینج سے پتا کر سکتے ہو۔"

"جی بہت بہت شکریہ۔"

اب شوکی نے ایکس چینج سے رابطہ کیا — اور بولا:

"سیٹھ جبران شامی کا نمبر چاہیے۔"

دوسری طرف سے ایک منٹ بعد نمبر بتا دیا گیا — اب
شوکی نے یہ نمبر ڈائل کیا —

"ابھی تو وہ اپنے گھر بھی نہیں پہنچا ہو گا۔" رفعت بولی۔

"خاموش!" شوکی نے سرد آواز میں کہا۔

جونہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا — شوکی نے
فوراً کہا:

"مجھے ثاقب صاحب سے ملنا ہے۔"

"سیر کے لیے بیرون ملک گئے ہوئے ہیں۔" دوسری طرف
سے کسی لڑکی نے فوراً کہا۔

وہ یہ جواب سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ان چاروں
کی نظریں رفعت پر جم گئیں:

"حیرت ہے رفعت — تمہارا اندازہ بالکل درست نکلا۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی۔"
شوکی ریسیور رکھ کر سوچ میں گم ہو چکا تھا —

"یہ تو گئے کام سے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"یہ بات نہیں — میں سوچ رہا ہوں — اگر یہ معاملہ صرف
[illegible] سے چلے جانے کا ہے تو سیٹھ صاحب کو چھپانے کی
ضرورت تھی اور اس صورت میں تو انھیں بلیک میل بھی
نہیں کیا جا سکتا — اس کا مطلب ہے — چکر کوئی اور ہے۔"
شوکی نے کہا۔

"لیکن کیا؟"

"یہ تو ہمیں معلوم کرنا پڑے گا۔ آؤ چلیں۔"

"لیکن کہاں؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"سیٹھ جبران شامی کے گھر۔"

"بہت خوب! مزا رہے گا — سیٹھ کا [illegible] دیکھنے والا ہو گا۔" آفتاب
نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن، ہم وہاں مزے کے لیے نہیں جا رہے۔" شوکی نے
منہ بنایا —

"ہاں خیر — یہ بات تو ہے۔"

اور وہ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے — رفعت کو
انھوں نے دفتر میں چھوڑا — آدھ گھنٹے بعد وہ سیٹھ جبران

شامی کی کوٹھی کے سامنے ٹیکسی سے اُترے۔ کوٹھی کیا
تھی۔ بس ایک بڑا سا محل تھا، جس کی شان و شوکت
دُور سے ہی نظر آ جاتی تھی۔

وہ آگے بڑھے۔ آفتاب نے گیٹ پر کھڑے دو
پہرے داروں میں سے ایک سے کہا:

"ہمیں سیٹھ جبران شامی سے ملنا ہے۔ ضروری کام ہے۔"

"آپ کے پاس کارڈ ہیں۔ اگر نہیں تو اس چٹ پر
اپنے نام لکھ دیں۔" اس نے کاغذ کی چٹ ان کی طرف
بڑھا دی۔

"ہمارے پاس کارڈ ہیں۔"

شوکی نے کہا اور اپنا کارڈ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔
وہ کارڈ لے کر چلا گیا۔ تین منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

"چلیے صاحب۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

چاروں کو اس کے لہجے میں خطرے کی بُو محسوس ہوئی۔
لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ اس کے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔
اندر سے محل اور بھی زیادہ عالی شان تھا۔ برامدوں میں موٹے
قالین بچھے تھے۔ ان پر چلتے ہوئے وہ ایک شاہانہ کمرے میں
پہنچے۔ اندر ایک بڑی مسہری پر سیٹھ جبران شامی گاؤ تکیے کے
سہارے بیٹھا تھا۔

"تم لوگوں پر حیرت ہے۔ اس قدر جلد میرا نام پتا معلوم کر
لیا۔" اس نے کہا۔

"یہ کام تو ذرا مشکل نہیں تھا۔ آپ کی کار کے نمبروں
کے ذریعے معلوم کر لیا۔" شوکی مسکرایا۔

"خیر۔ اب تو معلوم کر لیا۔ بس اب بھی تم سے کام
[illegible] کروں گا۔"

"کیس پر ہم کام شروع کر چکے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں،
جلد آپ کے بیٹے ثاقب شامی کا پتا چلا لیں گے۔" شوکی
نے پُرسکون آواز میں کہا۔

کبھی کبھی انسان کو کسی بات پر بہت زیادہ حیرت
ہوتی ہے تو وہ اچھل پڑتا ہے۔ اس کی آنکھیں پھیل
جاتی ہیں۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ
جاتا ہے۔ یا منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔ یہ لمحہ بھی
ایسا ہی تھا۔ لیکن شوکی برادرز کو یہ دیکھ کر بہت
حیرت ہوئی کہ سیٹھ جبران شامی نہ تو اُچھلے، نہ ان
حیرت کی کوئی اور بات ظاہر ہوئی، بلکہ وہ پُرسکون

انداز میں بیٹھے رہے — اور ان پر نظریں جمائے رہے ۔ آخر
ان کے لب ہلے :

" آپ لوگ میری اُمیدوں سے کہیں بڑھ کر ذہین ثابت
ہوئے ہیں — میں آپ کو سلام کرتا ہوں — اور اب یہ بات
واضح کیے دیتا ہوں کہ ثاقب واقعی میرا بیٹا ہے ، یہ بات
نہیں کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے" یہاں تک کہ کر وہ خاموش
ہو گیا —

" تب پھر کیا بات ہے ، یہ بھی تو بتائیں نا" شوکی کے
لہجے میں بلا کی حیرت تھی ۔

" میں اسے کاروبار میں لگانا چاہتا تھا ، لیکن وہ صرف
اور صرف سائنس کی ایجادات میں دلچسپی رکھتا تھا — وہ کو
ایسی چند ایجادات کرنا چاہتا تھا کہ دنیا میں اس کی شہرت ہو جا
اس نے ایک تجربہ گاہ بھی بنا رکھی تھی — لیکن مجھے اس کا
کام پسند نہیں تھا ، میں اسے جھڑکتا رہتا تھا — آخر ایک
دن اس نے مجھ سے کہا کہ وہ جا رہا ہے — یہاں ا
کا دم گھٹتا ہے — وہ اپنی ایجاد سے دُنیا میں تہلکہ
دینا چاہتا ہے — لیکن یہاں رہ کر وہ کوئی چیز بھی ای
نہیں کر سکتا — میں اسے روکتا رہ گیا — لیکن ایک دن
چلا ہی گیا — اور یہ پندرہ سال پہلے کی بات ہے" یہ ک

جبران شامی خاموش ہو گیا۔

" تب پھر — پندرہ سال بعد آپ کو اسے تلاش کرنے
کا خیال — کیسے آ گیا ؟"

" آپ یُوں سمجھ لیں — مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا
مجھے چاہیے تھا ، اسے اپنے شوق کے مطابق
زندگی بسر کرنے دیتا — اب میں اپنی زندگی میں ایک
بڑا خلا محسوس کرتا ہوں — پندرہ سال اس کے
بغیر میں نے نہ جانے کس طرح گزارے ہیں ، لیکن اب
میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں — اس کے ساتھ رہنا چاہتا
ہوں" اس نے کہا۔

" لیکن اس میں چھپانے والی بات کیا تھی ؟ آپ یہ
تمام باتیں تو پہلے ہی ہمیں بتا سکتے تھے "

" پتا نہیں کیوں — میں دوسروں کو یہ باتیں بتانا پسند نہیں کرتا"

" اچھا خیر — آپ فکر نہ کریں — ہم انھیں ضرور تلاش کر
لیں گے ۔"

" مزید رقم کی ضرورت ہو تو آپ فوراً مجھ سے لے سکتے
ہیں" اس نے کہا۔

" کوئی بات نہیں — آپ فکر نہ کریں"

اور وہ پھر وہاں سے نکل آئے —

"کیا خیال ہے تم لوگوں کا؟" شوکی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لیکن کس بارے میں، پہلے یہ بتائیں نا۔"

"سیٹھ صاحب کے بارے میں۔"

"صاف ظاہر ہے ـــ وہ اب بھی کوئی خاص بات ہم سے چھپا رہے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"بالکل ٹھیک ـــ مان گیا میں تمہیں۔"

"چلیے شکر ہے ـــ آپ نے ہمیں مانا تو ـــ اب کیا پروگرام ہے؟"

"ہم اس نوجوان کو تلاش کریں گے ـــ ایک منٹ..."

یہ کہہ کر اس نے ایک پبلک فون بوتھ سے سیٹھ جبران شامی کو فون کیا، آواز سن کر اس نے کہا:

"آپ ثاقب شامی کے کسی گہرے دوست کا نام پتا بتا سکتے ہیں؟"

"ہاں! کیوں نہیں ـــ یہاں اس کے تین دوست رہتے ہیں ـــ شمشاد خان ـــ اکبر لاسی اور رضوان شاہ۔"

"ان کے پتے بھی لکھوا دیں۔"

پتے نوٹ کرنے کے بعد وہ واپس ٹیکسی کی طرف آ گیا:

"ان کے اس شہر میں تین دوست رہتے ہیں ـــ ہو سکتا ہے، کسی سے اب بھی اس کا رابطہ ہو ـــ اور وہ فون پر

بات کر لیتے ہوں۔"

"بالکل ٹھیک ـــ ہمیں ان تینوں سے ملنا چاہیے۔"

وہ پہلے ان کے گھر پہنچے ـــ شام ہو چلی تھی ـــ امکان تھا کہ دوست گھر پر مل جائیں گے ـــ اور واقعی شمشاد خان انہیں گھر پر مل گیا۔

"فرمائیے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ہمیں مسٹر جبران شامی نے بتایا تھا کہ آپ ان کے بیٹے ثاقب شامی کے دوست ہیں۔"

"دوست تھا ـــ اب وہ کہاں ہے ـــ پندرہ سال ہو گئے اسے دیکھے۔"

"مطلب یہ کہ آپ کو ان کا موجودہ پتا معلوم نہیں۔"

"نہیں ـــ کسی کو بھی معلوم نہیں۔"

"پندرہ سال پہلے وہ کیا کرتے تھے؟"

"وہ سائنسی ایجادات کا دلدادہ تھا ـــ ہر لمحے ہر وقت اس پر سائنس کی دھن سوار رہتی تھی ـــ پھر ایک دن وہ یہاں سے چلا گیا ـــ اس لیے کہ اس کے والد خالص کاروباری آدمی تھے اور اس کے شوق کو بے کار خیال کرتے تھے۔"

"آپ کے خیال میں وہ کہاں مل سکیں گے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا ـــ شاید وہ ملک سے کہیں باہر چلا

گیا ہے۔"

"مطلب یہ کہ اس نے کبھی جانے کے بعد فون تک نہیں کیا؟" شوکی بولا۔

"نہیں۔۔ نہ فون کیا، نہ خط لکھا۔"

وہ مایوس ہو کر وہاں سے نکل آئے۔ دوسرے دو دوستوں سے بھی کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی۔

"اب ہم اس کا سراغ کس طرح لگائیں؟" اشفاق نے کہا۔

"گھر چلتے ہیں۔" شوکی بولا۔

"جی کیا مطلب۔ کیا گھر جا کر طریقہ معلوم ہو جائے گا؟"

"ہاں بالکل۔ رفعت کوئی ترکیب بتا دے گی۔"

وہ گھر آ گئے۔ رفعت کو ساری بات بتائی۔ پھر شوکی نے کہا:

"اب تم ذرا اپنے دماغ میں سے کوئی ترکیب نکالو۔ کہ ہم اس کا سراغ کس طرح لگائیں؟"

"مجھے سوچنے کی مہلت دو۔" رفعت نے منہ بنایا اور سوچ میں گم ہو گئی۔ آخر پندرہ منٹ بعد بولی:

"ہم کوشش کریں تو ثاقب شامی کا پتا لگ سکتا ہے۔"

"آخر کیسے؟"

"ملک کے تمام سائنس دانوں سے ملاقات کرنا ہو گی۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"رفعت۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ بھی نہیں ہے۔"

"ہم اخبارات میں تلاش گم شدہ کے اشتہارات کیوں نہ شائع کرا دیں۔" اخلاق نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا یہ جبران شامی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تو ہزار بار اشتہارات شائع کرا سکتے تھے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ نہ وہ ہمیں ایسا کرنے دیں گے۔"

"وہ تو ہمیں یہ تک بتانے پر تیار نہیں تھے کہ ثاقب خود ان کا بیٹا ہے۔ اس بات کا اندازہ تو خود ہم نے لگایا ہے۔"

"ہوں۔ بات معقول ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ ہمیں پورے ملک کے سائنس دانوں کے پاس جا جا کر اسے تلاش کرنا ہو گا اور اس سے پہلے ہمیں سائنس میگزین سے تمام سائنس دانوں کے نام اور پتے نوٹ کرنا ہوں گے۔"

"سائنسی میگزین پہلے ہی ہمارے گھر میں موجود ہیں۔ ان سے ہمیں اکثر سائنس دانوں کے نام اور پتے مل جائیں گے۔"

وہ اسی وقت نام اور پتے نوٹ کرنے میں جٹ گئے۔ یہاں تک کہ اچھی بھلی ایک فہرست تیار ہو گئی۔

ان کے اپنے شہر میں تین سائنس دان تھے۔ ان تینوں

سے انھوں نے اسی روز ملاقات کر ڈالی ۔ پھر دُوسرے شہروں کا پروگرام تیار کیا گیا ۔ خرچ کا جب حساب لگایا گیا تو وہ پریشان ہو گئے ۔ اس لیے کہ اس کام کے لیے دس ہزار روپے بھی بہت کم تھے ، جب کہ انھوں نے سیٹھ صاحب سے صرف دس ہزار روپے وصول کیے تھے ۔

شوکی نے کچھ سوچ کر سیٹھ صاحب کے نمبر ڈائل کیے ۔ جُونہی اُدھر سے ریسیور اٹھائے جانے کی آواز سنائی دی ۔ ایک فائر کی آواز بھی گونجی ۔۔۔

پیکٹ

"ارے باپ رے ۔ اُدھر تو فائر کی آواز سنائی دی ہے ۔ ہو سیٹھ صاحب ۔ ہیلو ۔ اُدھر خیریت تو ہے" ؟

لیکن دُوسری طرف سے فرفر فوں فوں کی آواز سُنائی دیتی رہی ۔ اب تو ان کے اوسان خطا ہو گئے ۔ وہ باہر کی طرف دوڑ پڑے ۔ راستے میں انسپکٹر کاشان کو بھی فون کیا اور آخر کوٹھی پہنچ گئے ۔ وہاں کوٹھی کے سامنے بہت سے لوگ جمع تھے ۔ وہ دوڑتے ہوئے اندر گھس گئے ۔ انھیں کسی نے نہ روکا ۔ اندر سیٹھ جبران شامی اپنے ہی خون میں لت پت پڑے تھے ۔ ان کے دماغ میں گولی ماری گئی تھی ۔ گھر کے افراد اور ملازم بے تحاشہ رو رہے تھے ۔

"آپ لوگ ذرا ایک طرف ہٹ جائیں ۔ کیا کسی نے حملہ آور کو دیکھا تھا" ؟

روتے روتے انھوں نے ان کی طرف دیکھا اور نفی میں

سر ہلا دیے — گویا حملہ آور کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے بالکل سامنے چت پڑے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ حملہ آور نے پائیں باغ میں آ کر کھلی کھڑکی سے انھیں گولی کا نشانہ بنایا تھا — آس پاس کا جائزہ لے کر وہ پائیں باغ میں آئے — کھڑکی کے نیچے کی جگہ کا بغور جائزہ لیا — کھڑکی کے نیچے گھاس نہیں تھی — لہٰذا وہاں جوتوں کے نشانات بالکل واضح تھے — سگریٹ کا ایک ٹکڑا بھی پڑا تھا۔

"اس کا مطلب ہے — قاتل یہاں کھڑا رہا ہے — اس انتظار میں کہ کب سیٹھ صاحب اپنے کمرے میں آتے ہیں، کب وہ فائر کرتا ہے — ادھر وہ کمرے میں داخل ہوئے، ادھر ہم نے فون کیا، لیکن جونہی انھوں نے ریسیور اٹھایا، قاتل نے گولی مار دی اور فرار ہو گیا۔"

"ہاں! اسی طرح ہوا ہے — اور قاتل جوتوں کے نشانات اور سگریٹ کے اس ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑ گیا — جوتوں کے نشانات اہم نہیں ہیں — اور نہ سگریٹ کا ٹکڑا اہم ہے — فرار ہونے کے بعد وہ ان جوتوں سے فوراً چھٹکارا حاصل کر لے گا اور سگریٹ کا برانڈ تبدیل کر لے گا — اس طرح یہ دونوں چیزیں بے کار ہو جائیں گی۔"

"ہاں! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

انھوں نے انسپکٹر کاشان کی آواز سنی:

"انکل آپ آ گئے — بہت افسوس ناک حادثہ ہے۔"

"سیٹھ جبران شامی بہت بڑے سرمایہ دار تھے — بہت بڑے تاجر — ان کی موت، کوئی معمولی حادثہ نہیں — پورے ملک میں سنسنی پھیل جائے گی۔"

"اور کیا یہ آپ کے علاقے کا کیس ہے؟"

"ہاں!" وہ بولے۔

"تب پھر آپ ایک کام کریں۔"

"اور وہ کیا؟" اس نے چونک کر کہا۔

محمود نے تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی:

"بطور قاتل اس کی اطلاع دینے والے کے لیے پانچ ہزار روپے کا انعام رکھ دیں۔"

"یہ — یہ کس کی تصویر ہے؟"

"اس کے بیٹے کی۔"

"اور تمھارے خیال میں سیٹھ جبران کو ان کے بیٹے نے قتل کیا ہے؟"

"اس بات کا امکان ہے۔"

"ارے مگر — یہ تصویر تمھارے پاس کہاں سے آئی؟"

"آپ نے اب تک یہ بھی تو نہیں پوچھا کہ ہم یہاں

کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

"اوہ ہاں واقعی — پہلے تو مجھے یہی بات پوچھنی چاہیے تھی۔"

"خیر — اب پوچھ لیں۔" شوکی نے کہا۔

"کک — کیا پوچھ لوں؟"

"یہی کہ ہم یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

"حد ہو گئی — اب تو آپ یہاں موجود ہیں؟"

اب انھیں سیٹھ جبران کی آمد — اور باقی ساری بات سنانا پڑی —

"حیرت ہے — یہ میں نے عجیب بات سنی ہے — ان کے بیٹے کے بارے میں تو مجھے بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"بھئی پندرہ سال پرانا واقعہ ہے — آپ بعد میں یہاں بھرتی ہوئے ہوں گے۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔"

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"ہم اس تصویر کو تمام اخبارات میں شائع کرائیں گے — یہ شخص اگر قاتل نہیں ہے، تب بھی اس کی شخصیت بہت پُراسرار ہے — نہ جانے پندرہ سال سے یہ کہاں ہے — زندہ ہے یا مر گیا ہے؟"

"میرے خیال میں زندہ تو یہ شخص ہے — ورنہ کسی کو کیا پڑی تھی — سیٹھ صاحب پر گولی چلانے کی؟"

"اور اس کا مطلب ہے — اس کے بیٹے کا اس قتل سے ضرور کوئی تعلق ہے؟"

"شاید تو یہی ہے؟"

"آپ سگریٹ کے اس ٹکڑے کو محفوظ کرا لیں اور جوتوں کے ان نشانات کو بھی — بعض قاتل عقل سے پیدل بھی ہوتے ہیں؟"

"یہ میں کرا لوں گا، لیکن شوکی — ذرا سوچو — قاتل کے طور پر اس نوجوان کی تصویر شائع کرانا کیا مناسب ہو گا — اگر وہ قاتل نہیں ہے تو مصیبت میں پھنس جائے گا؟"

"اچھا تو پھر جائداد کے وارث کی تلاش کے عنوان سے اشتہار شائع کرا دیں — اشتہار میں یہ الفاظ بھی لکھوا دیں کہ اگر ثاقب شامی خود یہ اشتہار پڑھیں تو گھر آ جائیں، انھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے — یہ اشتہار میں دے دوں گا۔" انسپکٹر کامران نے مسکرا کر کہا، پھر یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے کہا:

"لیکن شوکی! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی — باپ نے جونہی بیٹے کو تلاش کرانا شروع کیا — اسے قتل کر دیا گیا — اس کا

مطلب کہیں یہ تو نہیں کہ بیٹا اسی شہر میں کہیں ہے اور اسے
باپ کی کارروائی کا پتا چل گیا تھا؟"

"ہاں! اس بات کا امکان ہے — لیکن مشکل یہ ہے کہ
جوتوں کے ان نشانات اور سگریٹ کے اس ٹکڑے — ہائیں — یہ —
یہ کیا؟" شوکی نے گھبرا کر کہا۔

"کک — کیا ہوا؟"

"آپ کے تو اپنے ہاتھ میں اسی برانڈ کا سگریٹ ہے —
ارے باپ رے — کک — کہیں آپ ہی تو قاتل نہیں ہیں؟"

"یار شوکی! مذاق نہ کرو — یہ میرے علاقے کا کیس ہے
اور میری مصیبت آنے والی ہے — سیٹھ جبران شاہی مشہور دولت مند
تھے۔" انسپکٹر کاشان نے بُرا سا منہ بنایا۔

"پہلے آپ اپنے جوتوں کا نشان دکھائیں۔" شوکی نے سرد
آواز میں کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"اگر آپ کے جوتوں کا نشان بالکل اسی نشان جیسا ہے
تب آپ ہی قاتل ہیں — یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کس طرح
ہو سکتی ہیں۔"

"اچھا بابا — یہ لو۔" اس نے جھلا کر کہا اور زمین پر جوتے کا
نشان بنا کر دکھایا۔

"ہاں! اب ٹھیک ہے — کم از کم آپ پچاس فیصد حد تک
قاتل نہیں ہو سکتے۔" شوکی مسکرایا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"سگریٹ والی بات تو ہے نا۔"

"تم سنجیدہ ہوتے ہو یا نہیں۔"

"پہلے ہو گیا، آپ بھی کیا یاد کریں گے — ہم دس ہزار روپے
ان لوگوں کو واپس کر رہے ہیں — اب گھر کے افراد ان دس
ہزار کے زیادہ حق دار ہیں — آؤ بھئی ذرا اندر ہو آئیں۔"

وہ بیگم جبران کے پاس پہنچے — باقی لوگ بھی وہیں موجود
تھے — پولیس نے ان سب کو ایک کمرے میں بیٹھے رہنے کی
ہدایت کی تھی۔

"مرحوم جبران شاہی صاحب نے ہمیں دس ہزار روپے دیے
تھے — آپ یہ ہم سے وصول کر سکتے ہیں — آپ کو تو شاید معلوم
ہی نہیں ہو گا کہ انھوں نے ہمیں کیوں دیے تھے۔"

"انھوں نے ذکر کیا تھا کہ میرے بیٹے کی تلاش کے سلسلے
میں آپ لوگوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔" بیگم جبران نے
روتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" شوکی بولا۔

"تو پھر آپ یہ دس ہزار اپنے پاس رکھیں — اور جتنے پیسوں

کی ضرورت ہے۔ مجھ سے لیں۔ لیکن میرے بیٹے کو تلاش کر
دیں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا میں آپ سے چند سوال پوچھ سکتا ہوں۔ اگرچہ اس
وقت آپ کی حالت اچھی نہیں۔"

"پوچھیے۔" وہ بولی۔

"کیا اس سے پہلے جبران صاحب نے آپ کے بیٹے کو تلاش کرانے
کی کوئی کوشش کی؟"

"ہاں! بہت کوشش کی، لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اس
مرتبہ انھیں آپ لوگوں کا خیال آیا تو آپ کے پاس چلے گئے۔"

"کیا اس بار بھی آپ نے انھیں کہا تھا کہ پھر کوشش کریں؟"

"نہیں! اس بار وہ خود گئے تھے۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم نے اس کام کا جائزہ لیا ہے۔
تلاش کے سلسلے میں ہمیں پورے ملک کے سائنس دانوں کے
پاس جانا پڑے گا۔ ان کی تجربہ گاہوں میں آپ کے بیٹے
کو تلاش کرنا پڑے گا۔ اور اس طرح ہمیں بہت زیادہ رقم کی
ضرورت پڑے گی۔"

"وہ میں آپ کو دوں گی۔ کل آپ کو پچاس ہزار روپے
کا چیک مل جائے گا۔ مزید رقم کی ضرورت ہو تو آپ
مجھے بتا دیجیے گا۔"

"فی الحال یہ بہت ہے۔" شوکی نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ انسپکٹر کامران کو بتا کر اپنے گھر کی طرف روانہ
ہو گئے۔ یہاں ان کا اب کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ سوالوں
کے نشانات وہ اپنے ذہن میں بٹھا چکے تھے۔

"پتا نہیں، کیا بات ہے۔ یہ کیس میرے اندر خطرے کی
گھنٹی بجا رہا ہے۔" شوکی بڑبڑایا۔

"ارے باپ رے۔ آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔"

"ایک باپ۔ جس نے اپنے بیٹے کو تلاش کرانے کی بہت
کوشش کی، لیکن پندرہ سال تک اس کا کوئی پتا نہ چلا۔ پندرہ
سال بعد وہ ایک بار پھر یہ کوشش کرتا ہے۔ اور اسے قتل
کر دیا جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ اور دوسری بات یہ کہ جبران شامی
اس معاملے کو راز بھی رکھنا چاہتا ہے۔ جب کہ اس سے
پہلے تو جب اشتہارات وغیرہ اخبارات میں دیے گئے ہوں گے،
اب راز تو نہیں رہ گئی ہو گی۔"

"بالکل نہیں رہ گئی ہو گی۔ اس میں راز کی تو کوئی بات ہے
ہی نہیں۔"

"اور وہ راز رکھنا چاہتے تھے۔ یہ ہے عجیب ترین بات۔"

"ہم ان باتوں پر غور کریں گے۔ پہلے اپنے شہر میں موجود
ان سائنس دانوں سے ملاقات کر لیں۔ کیا خیال ہے۔" یہ

کام صبح سے کرنا بہتر رہے گا — یا اسی وقت سے؟"

"صبح سے — اس لیے کہ اب رات ہو چلی ہے۔" اشفاق نے فوراً کہا۔

جونہی وہ دفتر میں داخل ہوئے — زور سے اچھلے — رفعت فرش پر بے ہوش پڑی تھی — وہ فوراً اس پر جھک گئے، اسے ہلایا جلایا — پانی کے چھینٹے مارے — لیکن وہ ہوش میں نہ آئی، آخر ڈاکٹر کو بلانا پڑا — اس نے آکر ایک انجکشن لگایا، تب کہیں جا کر وہ ہوش میں آئی:

"ہاں رفعت! کیا ہوا تھا؟"

"وہ — وہ — کیا وہ — چلا گیا؟"

"کون چلا گیا — ہم ابھی لوٹے ہیں — تم فرش پر بے ہوش پڑی تھیں۔"

"تب وہ چلا گیا — وہ سیاہ لباس میں تھا — سیدھا اندر آیا اور میرے ناک پر ایک مکا رسید کر دیا — اس کے بعد اس نے ناک پر رومال بھی رکھا تھا — اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں۔" رفعت نے بتایا۔

اس کا بیان سن کر انھوں نے اپنے دفتر کا جائزہ لیا — ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی — البتہ میز کی دراز میں ایک کاغذ رکھا تھا — اس کی تہوں کو کھولا گیا تو اس پر جوتے

وہ ایک نشان بنا تھا اور سگریٹ کا ایک ٹکڑا بھی کاغذ میں لگا دیا گیا تھا — نیچے یہ الفاظ درج تھے:

"نی الحال اتنا کافی ہے — اگر تم لوگ اس معاملے سے الگ نہ ہو گئے تو پھر آؤں گا اور اس سے کہیں زیادہ سخت ایکشن لوں گا — یہ بات تم اچھی طرح سمجھ لو کہ جو آدمی اس قدر آسانی سے تمھاری ساتھی کو بے ہوش کر کے جا سکتا ہے — وہ اسے قتل کر کے بھی جا سکتا تھا۔"

الفاظ پڑھ کر وہ سکتے میں آ گئے — نشان اسی جوتے کا تھا — جس کو وہ سیٹھ جبران شامی کے ہاں دیکھ چکے تھے — اور ظاہر ہے، سگریٹ بھی وہی تھا — اس کا مطلب ہے — دونوں بار اس نے دونوں چیزیں جان بوجھ کر چھوڑی تھیں —

"یہ معاملہ تو بہت خوف ناک ہو گیا ہے۔" اخلاق نے گھبرا کر کہا —

"تو کیا ہوا — وہ کون سا معاملہ ہے — جو ہمارے لیے خوفناک ثابت نہیں ہوا — ہم تو شاید پیدا ہی خوفناک معاملات کے لیے ہوئے ہیں۔"

"گویا ہم اپنا کام جاری رکھیں گے؟" اشفاق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا —

"تو اور کیا — دس ہزار لے چکے ہیں — پچاس ہزار صبح تک ملنے والے ہیں — تو، ہم پیچھے کس طرح ہٹ سکتے ہیں — یہ تو معاہدے کی خلاف ورزی ہو جائے گی۔"

"چاہے ہم اللہ کو پیارے ہو جائیں۔"

"وہ تو ایک دن ہو کر رہیں گے۔"

"اچھی بات ہے — اب صبح دیکھیں گے۔" اشفاق نے منہ بنا کر کہا۔

عین اس وقت قدموں کی آواز سنائی دی — اور پھر اندرونی دروازہ کھلتے ہی امی جان کی کڑکتی آواز شوکی برادرز کے کانوں سے ٹکرائی:

"لڑکو! تم کسی کام کے بھی ہو یا نہیں — ارے یہ رفعت کو کیا ہوا؟"

"بے چاری آدھ گھنٹے تک اس طرف بے ہوش پڑی رہی۔"

"ارے باپ رے — اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا۔" شوکی برادرز کی امی جان نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں — آپ کو پتا بھی نہیں چلا۔" آفتاب مسکرایا۔

امی جان نے آفتاب کو گھورا، پھر بولیں:

"ایک صاحب یہ پیکٹ دے گئے تھے، میں نے تو کھولا نہیں — پتا نہیں، کیا چیز ہے اس میں۔"

"اس کا حلیہ کیسا تھا امی جان؟" شوکی نے پیکٹ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے ...!"

ان الفاظ کے ساتھ ہی شوکی نے چھت کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ گرتا ہے

شوکی کو اوپر کی طرف دوڑتے دیکھ کر باقی چار
دوڑ پڑے۔

"ارے ارے .... یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں .... میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ سفید لباس تھا اس کا .... اور لوگ اوپر چڑھے جا رہے ہو" ان کی والدہ چلائیں۔

لیکن انھوں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا .... ان کے کی پشت پر ایک وسیع میدان تھا .... اس میں بچے کھیلتے رہتے تھے .... لیکن یہ وقت رات کا تھا .... رات کو میدان میں چوں کہ اندھیرا تھا .... اس لیے کو نہیں کھیلتا تھا .... اوپر آتے ہی شوکی نے وہ پیکٹ میدان کی طرف اچھال دیا ....

" اتنے میں باقی لوگ بھی اوپر آ گئے"

"کیا بات تھی .... کیا ہوا تھا"

"میرا خیال تھا .... اس پیکٹ میں بم ہے .... دفتر میں سیاہ لباس والا تھا .... اور دوسرے دروازے پر لباس والا آ کر یہ پیکٹ دے گیا .... لہٰذا میں نے آتے ہی پیکٹ اس میدان میں گرا دیا۔

اتنے میں کانپتے کانپتے ان کی والدہ بھی اوپر

"کیا بات ہے لڑکو .... یہ تم نے چھت کی طرف دوڑ لگائی تھی"

"اس پیکٹ کو میدان میں پھینکنے کے لیے" شوکی کہا

"لیکن کیوں! آپ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"جی وہ .... ہمارا خیال تھا کہ اس پیکٹ میں ضرور تھا"

"لیکن بم نہیں نکلا .... جاؤ .... جا کر اسے اٹھا لاؤ .... اس میں ضرور کوئی تحفہ ہے۔

"اشفاق .... نیچے جا کر اس پیکٹ کو اٹھا لاؤ"

"ہم .... میں .... یعنی کہ میں اٹھا لاؤں"

"ہاں! اٹھا لاؤ .... ڈرنے کی ضرورت نہیں"

"بالکل، تمہارے بدلے میں ہم ڈرنے کے لیے تیار ہیں"
آفتاب نے فوراً کہا۔

"مم.... میں تو نہیں جاتا.... بھاڑ میں جائے وہ پیکٹ۔"

"لیکن اب ہم بھاڑ کہاں سے لائیں۔" آفتاب نے
منہ بنایا۔

"ہاں واقعی.... بھاڑ اتنی آسانی سے تو ملے گی نہیں"

"کیا بات کرتے ہو لڑکو.... بھاڑ بکتے نہیں.... بنائے
جاتے ہیں۔" ان کی والدہ ہنس کر بولیں۔

"کم از کم میں تو نہیں جاؤں گا۔"

"اخلاق! تم زیادہ بہادر ہو.... تم جاؤ۔" شوکی
نے کہا۔

"لیکن آپ خود کیوں نہیں جاتے۔" اخلاق نے گھور
کر کہا۔

"مم.... میں۔" شوکی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ
کر کہا۔

"ہاں آپ.... آپ۔" اخلاق نے اسی کے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے.... جانے کو چلا جاتا ہوں میں....
ویسے آفتاب.... تم کیا کہتے ہو۔"

"میں جانے کو آپ چلے جائیں۔" آفتاب مسکرایا۔

"اچھی بات ہے.... سمجھ لوں گا تم تینوں سے،
اور رفعت سے نہیں سمجھیں گے۔"

"یہ پہلے سے بے ہوش رہے ہیں.... ورنہ یہ تو یوں
جاتے اور یوں پیکٹ لے آتے۔"

"چلیے پھر اب آپ یوں چلے جائیں اور یوں پیکٹ لے
آئیں....۔" آفتاب نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے منہ بنایا اور چلا پیچھے
کی طرف.... وہ اور یہ چھت پر ہی کھڑے رہے۔ ابھی
ایک منٹ گزرا ہوگا کہ وہ سب اوندھے منہ گرے۔

کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا تھا.... اور
ان کا وجود بری طرح لرز گیا تھا وہ اپنے پیروں پر
کھڑے نہیں رہ سکے تھے.... ساتھ ہی ان کے منہ سے
مارے خوف کے نکلا۔

"شوکی بھائی جان۔"

اور پھر وہ بے تحاشہ پیچھے کی طرف دوڑ پڑے....
لیکن میدان کے کنارے پر پہنچ کر رک گئے.... وہاں
شوکی بت بنا کھڑا تھا۔

"آپ کو کیا ہوا.... اس طرح کیوں کھڑے ہیں۔"

"یہ سوچ رہا ہوں.... اگر میں ایک منٹ پہلے میدان

کی طرف روانہ ہوا ہوتا تو اس وقت کہاں ہوتا۔

"اللہ میاں کے ہاں ہوتے اور کہاں ہوتے... گپ شپ کر رہے ہوتے... اُف" اشفاق جھوم کر بولا۔

"تو پھر تم کیوں ڈر رہے تھے، میدان کی طرف آتے ہوئے" شوکی نے اسے گھورا۔

"میں بم سے ڈر رہا تھا... اللہ میاں کی ملاقات سے نہیں ڈر رہا تھا..." اس نے وضاحت کی۔

اور پھر وہاں پولیس آ گئی... اس نے میدان کو گھیرے میں لے لیا... ان کے گرد بھی پولیس کھڑی کر دی گئی... آخر میدان کا جائزہ لینے کے بعد ایک آفیسر ان کے پاس آیا۔

"کیا اس دھماکے کے ذمے دار تم ہو؟"

"جی ہاں... جی نہیں" شوکی نے پرسکون آواز میں کہا۔

"جواب سمجھ میں نہیں آیا" آفیسر نے جھلا کر کہا۔

"اس میں میرا کیا قصور" شوکی بولا۔

"انہیں تھانے لے چلو... وہاں یہ فرفر بولیں گے" اس نے غرا کر کہا۔

"او کے سر" ایک ماتحت آگے بڑھا۔

"ضرور لے چلیں... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"سر... یہ شوکی برادرز ہیں" ایک کانسٹیبل نے آفیسر کو بتایا۔

"اوہو اچھا... معاف کرنا بھئی... میں نیا آیا ہوں... آپ کو پہچانتا نہیں۔"

"شکریہ" آفتاب نے فوراً کہا۔

"شکریہ کس بات کا؟" اس نے چونک کر کہا اور آفتاب کو گھورنے لگا۔

"اس بات کا کہ آپ ہمیں پہچانتے نہیں۔"

"یہ سب کیسے ہوا؟"

شوکی نے تفصیل سنا دی۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے... کوئی آپ لوگوں کو اس بم کے ذریعہ ہلاک کرنا چاہتا تھا۔"

"اس کا ارادہ تو یہی تھا... لیکن زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے... کسی انسان کے نہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے" اس نے فوراً کہا۔

پھر وہ بیانات لے کر چلا گیا... میدان میں ایک بہت بڑا گڑھا پڑ گیا تھا... بم کافی طاقت ور تھا۔

"کیس حد درجے خطرناک ہے۔ ہمیں یہ رات اپنے گھر میں نہیں بسر کرنی چاہیے... ہمارے لیے قریب ترین

جگہ انکل کرنل درانی صاحب کا گھر ہے.... یا پھر اکبر راحت
صاحب کا۔

"کرنل صاحب کے ہاں چلتے چلتے ہیں۔"

انھوں نے والدہ اور والد کو ساتھ لیا اور ک
صاحب کے ہاں پہنچ گئے.... وہاں ان کا پرجوش است
کیا گیا.... دوسرے دن انھوں نے شہر کے تینوں سائنس
سے ملاقات کی .... اپنی معلومات میں اضا
کے لیے....

آس پاس کے کسی شہر میں کوئی سائنس دان
تھا.... سائنس دان صرف بڑے شہروں میں تھے....
انھیں وہاں سے دارالحکومت کا رخ کرنا پڑا.... کئی
سے وہ اخبار بھی نہیں پڑھ سکے تھے.... ایئرپورٹ سے
باہر نکلتے ہوئے شوکی بولا:

"مزا رہے گا کیوں، محمود فاروق اور فرزانہ کو بھی
لیا جائے۔"

"بالکل ٹھیک! میں بھی یہی کہنے والی تھی۔" رفعت ا
کر بولی.... اس کا سر ٹیکسی کی چھت سے ٹکرایا۔

"اس میں اس قدر اچھلنے کی کیا ضرورت تھی۔" آفتا
نے جل کر کہا۔

"تو پھر کس بات میں اس قدر اچھلنے کی ضرورت ہوتی
ہے۔" اس نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"سوچ کر بتاؤں گی۔" آفتاب منہ بنا کر رہ گیا۔

آخر ان کی ٹیکسی انسپکٹر جمشید کے گھر کے سامنے
رکی.... گھنٹی بجانے پر بیگم جمشید نے دروازہ کھولا....

"ہائیں.... یہ تم لوگ ہو.... آ جاؤ اندر۔" وہ خوش ہو
کر بولیں۔

"جی ہاں! لیکن دہم ہیں.... اس کا مطلب ہے....
باقی لوگ گھر میں نہیں ہیں۔" شوکی نے چونک کر کہا۔

"یہ اندازہ کس طرح لگایا۔"

"آپ کے چہرے کی اداسی سے۔"

"آخر ہو نا جاسوس.... چلو اندر تو آ جاؤ...." وہ مسکرائیں۔

"لیکن آپ اداس کیوں ہیں۔ کیا کوئی سنگین مسئلہ ہے۔"

"بتا نہیں.... کچھ کہہ نہیں سکتے۔"

وہ اندر آ کر بیٹھ گئے.... بیگم جمشید ان کے لیے
ٹرا جائے اور دوسری چیزیں لے آئیں.... ٹرے کو دیکھ
کر شوکی بولا۔

"کمال ہے.... آخر آپ یہ سب اس قدر جلد کس طرح
تیار کر لی ہیں۔"

"میں نے کچھ خاص طریقے اپنا رکھے ہیں۔"

"کسی روز یہ خاص طریقے ہمیں بھی بتا دیں اور ہاں انکل اور باقی لوگ کہاں ہیں۔"

"ان کا کوئی پتا نہیں۔"

"جی ... کیا مطلب؟"

"ان کے ساتھ خان صاحب اور پروفیسر صاحب بھی غائب ہیں۔"

"ہائیں ... کیا واقعی؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہاں ایک دو مُجرم کاروں نے تباہی مچائی تھی وہ ان کے خلاف میدان میں نکلے، لیکن غائب ہو گئے۔"

"اُف مالک ... اور آپ اطمینان سے بیٹھی ہیں۔" شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور میں کر ہی کیا سکتی ہوں ... یہ تو میرا روز کا معمول ہے۔" انھوں نے کہا۔

"مہربانی فرما کر آپ تفصیل سے ہمیں سنائیں ... پھر ہم ان کی تلاش میں نکلیں گے۔" شوکی نے کہا۔

"لیکن ہم ایسا کس طرح کر سکتے ہیں ... ہم نے سیٹھ جبران شامی سے پیسے لے رکھے ہیں۔" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے ... خیر ... ہم پہلے جلد از جلد اس کیس سے نمٹیں گے ... پھر اُن کی تلاش میں جائیں گے۔"

"لیکن اس طرح بہت دیر لگ سکتی ہے ..." ثاقب شامی کو تلاش کر لینا بھی تو آسان کام نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے ... ہم ان کی تلاش میں نہیں جائیں گے ... ایک صورت ہو سکتی ہے کہ ہم ان کی رقم لوٹا دیں اور معذوری ظاہر کر دیں۔"

"یہ بھی اچھا نہیں لگتا۔" شوکی نے کہا۔

"اس کا حل یہ ہے کہ ہم فون پر بیگم جبران سے بات کریں ... ان سے اجازت لے لیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ بولے۔

انھوں نے اسی وقت بیگم جبران کو فون کیا ... صورت حال بتانے کے بعد شوکی نے کہا۔

"اگر ہم نے پہلے انکل جمشید کو تلاش کر لیا پھر آپ کا کام ان کی رُو سے بہت آسان ہو جائے گا اور بہت جلد بھی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ... پندرہ سال پہلے ہی گزر چکے ہیں ... کچھ دن اور گزر جائیں گے تو کیا فرق پڑے گا۔"

"شکریہ! آپ بہت اچھی ہیں....." یہ کہہ کر انھوں نے
ریسیور رکھ دیا۔
"اب جب کہ انھوں نے اجازت دے دی ہے.....
فوری طور پہ اس کیس پہ کام کرنا چاہتے ہیں۔
اور اس کے لیے ہمیں تمام اخبارات دیکھنا ہوں گے
اس وقت اس کیس کے سلسلے میں جو کچھ بھی کیا گیا.....
ہمیں معلوم ہونا چاہیے....."
"تمام تر ریکارڈ لائبریری میں موجود ہے..... کچھ باتیں دفتر
سے معلوم ہو جائیں گی۔"
"بہت بہتر! آپ فکر نہ کریں۔"
انھوں نے اخبارات کا مطالعہ کیا..... تمام معلومات جمع
کیں..... پھر ان کے دفتر بھی پہنچے..... وہاں سے جو باتیں
معلوم ہو سکیں، ان سے اپنی معلومات میں اضافہ کیا
تب کہیں جا کر وہ اس کیس پر کام کرنے کے قابل ہوئے
آئی جی صاحب نے انھیں ایک خصوصی اجازت نامہ بھی تحریری
دیا..... ایسے میں انھوں نے آئی جی صاحب سے پوچھا:
"آپ نے ان کی تلاش کے سلسلے میں کیا قدم اٹھایا
کیا انکل کامران مرزا کو فون کیا تھا؟"
"ہاں! انھیں بلانے کی کوشش فوراً کی گئی تھی..... لیکن

وہ بھی غائب ہیں..... کسی نامعلوم مہم پہ نکلے ہوئے ہیں.....
سنا ہے..... ان کے دوست منور علی خاں آئے تھے اور انھیں
ساتھ لے کر چلے گئے۔"
"اوہ اچھا..... خیر..... کوئی بات نہیں..... ہم دیکھ لیں
گے۔"
تحریری اجازت نامہ لینے کے بعد وہ سب سے پہلے
سیٹھ نوری کے ہاں پہنچے..... وہاں سوگ کی فضا قائم تھی۔
"ہمیں افسوس ہے..... آپ کو زحمت دے رہے ہیں۔"
"آپ چاہتے کیا ہیں؟" سیٹھ نوری کے بیٹے نے کہا۔
"سیٹھ صاحب کے قاتل کو گرفتار کرنا ہے۔"
"پولیس پورا زور لگا چکی ہے..... سرخ کار یا اس کے
مالک کا کوئی سراغ نہیں لگا سکی۔"
"ہمارا تعلق پولیس سے تو ہے نہیں..... لہٰذا آپ فرق
محسوس کریں گے ان میں اور ہم میں..... لیکن اگر آپ نے ہم
سے تعاون کیا تو ہم ضرور کچھ نہ کچھ کر کے دکھا دیں گے۔"
"ہم آپ کی کوئی مدد شاید ہی کر سکیں..... البتہ والد
صاحب کے دفتر کا ملازم راجن آپ کے بہت کام آ سکتا
ہے..... وہ ہے بھی پُراسرار سا آدمی..... اس کے بارے میں
دفتر کے دوسرے لوگ بھی آپ کو بتائیں گے..... لوگوں کے

ذریعے یہ بات ہم تک پہنچی ہے کہ راجن نے اس دن والد صاحب کو دفتر سے نکلنے سے بہت روکا تھا۔ اعلانیہ کہا تھا کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے:

"اچھی بات ہے.... ہم مسٹر راجن سے بھی بات کریں گے کیا یہ صاحب ہندو ہیں:

"ہاں! یہی بات ہے.... پتا نہیں والد صاحب کو اپنے دفتر میں کسی ہندو کو ملازم رکھنے کی کیا ضرورت تھی:" نوجوان نے منہ بنایا۔

"آپ کے والد کی کسی سے کوئی دشمنی تو نہیں تھی

"جی نہیں.... بالکل بھی نہیں.... ہمارے والد کوئی سیاسی آدمی تھے.... وہ صرف کاروباری آدمی تھے اور کوئی دوسرا کاروباری آدمی بھی ان کا دشمن نہیں ہو سکتا.... اس لیے کہ وہ سب کے ساتھ تعاون کرتے تھے.... کسی کے کاروبار کو کوئی نقصان پہنچانے کی بات سوچتے تک نہیں تھے:

"بہت خوب! ان سب باتوں کے باوجود تلخ ترین حقیقت یہ ہے کہ انھیں قتل کیا گیا ہے:" شوکی مسکرایا۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ اصل مسئلہ ان سُرخ کاروں کا ہے:"

"ہم ان کا سراغ بھی لگائیں گے.... آپ فکر نہ کریں

اچھا شکریہ!

اب وہ ان کی فیکٹری پہنچے.... وہاں سب سے پہلے انھوں نے ملازمین سے بات چیت کی۔ سب نے راجن کی طرف اشارہ کیا، گویا انھیں صرف اور صرف راجن پر شک تھا....

اب انھوں نے راجن کا رُخ کیا.... اس نے انھیں دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا اور بولا۔

"پولیس پہلے ہی مجھے کئی روز تک مسلسل پریشان کر چکی ہے.... لیکن میرے خلاف کوئی بات ہوتی تو وہ مجھے گرفت میں رکھتے.... لہذا اب میرے پاس بتانے کے لیے کچھ نہیں ہے:"

"آپ ذرا اس اجازت نامے کو دیکھ لیں پہلے:"

اس نے جلدی جلدی اجازت نامہ لے کر پڑھا:

"اچھا تو پھر:" پڑھنے کے بعد اس نے کہا۔

"اگر آپ ہمارے سوالات کے جوابات نہیں دیں گے تو آپ کو تھانے بلوا لیا جائے گا اور وہاں زبردستی آپ سے سوالات کے جوابات حاصل کیے جائیں گے:"

"لیکن مجھ سے تمام جوابات پہلے ہی لے لیے گئے ہیں:"

"ہمارا اپنا طریقہ ہے...." آفتاب نے سرد آواز میں کہا۔

"اچھی بات ہے.... کہیے.... آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں:"

"آپ کو یہاں ملازم کس نے رکھا تھا؟"

"خود سیٹھ نوری صاحب نے۔"

"انھوں نے ایک ہندو کو کیوں ملازم رکھا.... آپ میں انھیں کیا خوبی نظر آئی تھی؟"

"یہی علم نجوم والی خوبی.... وہ قسمت کا حال ہر وقت معلوم کرتے رہنے کے چکر میں رہتے تھے۔"

"غلط.... بالکل غلط۔" شوکی نے چلّا کر کہا۔

"جی.. کیا مطلب؟"

"اگر وہ اس قدر علم نجوم پہ بھروسہ کرتے تھے اور آپ کو بھی اسی بنیاد پر ملازمت دی تھی تو پھر انھوں نے اس روز آپ کا کہنا کیوں نہ مانا....؟"

"اوہ.... یہ بات تو آپ سیٹھ نوری سے پوچھیں۔" وہ مسکرایا۔

"وہ اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن آپ کی اور ان کی باتیں دفتر کے لوگوں نے سنی تھیں.... وہ گواہ رہے تھے.... تم ہندو ہو.... میں مسلمان اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے.... اور یہ کہ غیب کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں.... اس بات کو قرآن کریم نے بار بار بیان کیا ہے.... پھر بھلا آپ کی یہ بات درست کس طرح

...لتی ہے۔"

وہ لگا اِدھر اُدھر دیکھنے.... شوکی نے اسے گھور کر دیکھا.... پھر بولا۔

"تم جھوٹ بولتے رہے ہو.... سیٹھ نوری کی موت کا ...ے ضرور کوئی تعلق ہے.... تم ہی وہ شخص ہو.... جو ...سُرخ کاروں کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔"

"...ن نہیں.... میں سُرخ کاروں کے بارے میں کچھ ...ں نہیں جانتا۔"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے.... آفتاب فون کرو.... خالد ...حسین صاحب کو بلا لو.... وہ کریں گے ان حضرت کو ...رھا۔"

"...ن نہیں.... نہیں۔" اس نے مارے خوف کے کہا اور ...ھر اچانک باہر کی طرف دوڑ لگا دی.... وہ بے تحاشہ اس ...ے پیچھے دوڑے.... اور ساتھ میں چلّائے۔

"پکڑو اسے....!"

کچھ ملازم بھی اس کے پیچھے دوڑے.... اور آخر اسے پکڑ لیا گیا.... لیکن اس وقت وہ چکر کھا کر گرا۔

مرحوم تجربہ گاہ

انھوں نے دیکھا، اس کا جسم بالکل ساکت
چکا تھا۔

"ارے! اسے کیا ہو گیا ہے؟" کئی آوازیں ابھریں
آنکھوں میں حیرت کے ساتھ خوف امڈ آیا۔

"میرا خیال ہے .... یہ دوسری دنیا سدھار گیا ہے
مسکرایا۔

"کیا بات کرتے ہیں جی .... خودکشی کر لی .... کوئی مذا
خودکشی کرنا .... اتنا آسان ہے۔"

"آسان نہیں، لیکن اس کے آسان ترین طریقے ضر
دریافت کر لیے گئے ہیں۔"

"آخر کیسے؟"

"زہر کا کیپسول منہ میں رکھ لیا جاتا ہے اور جب

لیتے ہیں کہ ہم پھنس گئے تو اس کو نگل لیتے ہیں .... وہ
س قدر تیز اثر ہے کہ کوئی کھانے والا آج تک اس کا
ذائقہ نہیں بتا سکا .... یعنی ذائقہ بتانے سے پہلے ہی
س کی موت واقع ہو جاتی ہے ....

"اوہ! کیا دنیا میں اس قدر تیز زہر بھی پائے جاتے
ہیں؟"

"ہاں بالکل .... اور اس کے علاوہ زہریلی سوئی کے ذریعہ
خودکشی کی جا سکتی ہے .... انگوٹھی وغیرہ کے نگ کے
زہر چھپا لیتے ہیں اور اس کی پن کے ذریعہ
پر خراش لگائی اور زہر اس خراش پر لگا دیا ...."

"اوہ نہیں؟" وہ سب ڈر سے گئے۔

"لیکن اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"اس کا ہاتھ سیٹھ نوری کے قتل میں تھا .... اس طرح
سے اس کا ضرور کوئی تعلق تھا .... افسوس؟" شوکی نے
رت زدہ انداز میں کہا۔

اب وہ آئی جی صاحب کے دفتر پہنچے ....

"کیوں بھئی کیا رہا؟"

"سو فیصد ناکامی .... سیٹھ نوری کے ملازم راجن نے خودکشی
ر لی .... ہمیں اس سے ان سرخ کاروں کے بارے میں

بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا: یہ کہہ کر اس نے تفصیل
دی۔

"حیرت ہے .... ہمارے عملے نے اس کی طرف توجہ
نہیں دی۔"

"بس وہ چھپا رستم تھا .... ایک نجومی کا رول ادا کر
لیکن تھا مجرم۔"

"تب پھر یہ بھی ناکامی نہیں .... تم لوگ مجرم کے ایک
ساتھی تک تو پہنچ ہی گئے تھے۔"

"لیکن سرا کیا فائدہ ہوا؟"

"کوئی بات نہیں .... فائدہ بھی ہو جائے گا۔" وہ
"انکل جمشید کی گمشدگی کے بعد کیا وہ سراغ کاروں
کہیں نظر نہیں آئیں؟"

"نہیں .... وہ اس طرح غائب ہیں جیسے گدھے کے
سے سینگ ....!"

"خیر آپ فکر نہ کریں .... ہم ان کا سراغ لگا کر چھوڑیں
گے .... اب ہم اجازت چاہیں گے ....
اور اب تم کہاں جاؤ گے؟"

"یہ ہم پر چھوڑ دیں ....!" شوکی نے کہا اور آئی جی
مسکرا کر رہ گئے

وہ وہاں سے انسپکٹر جمشید کے گھر آئے .... ان کے
چہروں کی طرف دیکھ کر بیگم جمشید بے ساختہ مسکرا دیں۔

"آپ مسکرائیں کیوں؟"

"چلو شکر کرو .... میں پہلے مسکرائی اور پھر روئی نہیں۔"
انھوں نے ہنس کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے .... بچپن میں آپ نے جادو کی کہانیاں
بہت بار پڑھی ہیں۔"

"وہ دور انھی کہانیوں کا تھا .... آج جنوں بھوتوں کی
کہانیوں کو کون پسند کرتا ہے؟"

"لیکن میں نے سنا ہے .... آج کے دور میں بھی ایسی
کہانیاں نکل اور شائع کی جاتی ہیں۔"

"سائنس کے اس دور میں ایسی کہانیاں فضول لگتی ہیں۔
ارے یہ ہم کس بحث میں پڑ گئے .... آپ ہمیں کم از
کم یہ تو بتا سکتی ہیں کہ گم ہونے سے پہلے انھوں نے
کہاں جانے کا پروگرام بنایا تھا؟"

"ہاں! کیوں نہیں .... چونکہ پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ
تباہ کر دی گئی تھی .... اس لیے انھیں ضرورت تھی ایک
تجربہ گاہ کی .... تاکہ سراغ کاروں کے سلسلے میں کچھ کام کر
سکیں .... چنانچہ وہ شہر سے باہر ایک سائنس دان پروفیسر

طاؤس جاری کی تجربہ گاہ کی طرف گئے تھے ؟

" تو پھر.... کیا ان کے دفتر کے لوگوں نے وہاں جاکر ان سے پوچھا.... کہ وہ آگئے تھے یا نہیں ؟

" آئی جی صاحب تک وہاں گئے تھے : وہ مسکرائیں۔

" تو پھر ؟ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پروفیسر طاؤس جاری کی تجربہ گاہ بھی ملبے کا ایک ڈھیر بن چکی تھی .... اور آس پاس کوئی نہیں تھا ؟

" مگر ارے باپ رے .... تب تو اس ملبے کے ڈھیر تلے بھی پا ہے تھا.... میں تمہارا مطلب سمجھ گئی.... کی لاشیں ملبے کے نیچے سے نہیں ملیں ؟

" اوہ .... تب تو وہ اللہ کی مہربانی سے زندہ سلامت ہیں "

" ہاں بالکل .... اس ملبے سے کسی کی لاش بھی نہیں ملی"

پروفیسر طاؤس اور ان کے بیوی بچے بھی آخر وہیں ہوں گے جب یہ لوگ ان سے ملنے گئے.... پھر اس کے بعد وہاں کیا ہوا.... یہ ہمیں معلوم نہیں ؟

" اس کا مطلب ہے .... ہمیں بھی پروفیسر طاؤس کی تجربہ گاہ کا جائزہ لینا ہو گا : آفتاب نے جلدی سے کہا۔

" کیا بات کرتے ہو بھئی.... دونوں تجربہ گاہیں ملبے کا ڈھیر

ہیں ؟

" میرا مطلب ہے .... ہمیں بھی ملبے کے اس ڈھیر کا معائنہ کرنا ہو گا ؟

" بھلا ملبے کے ڈھیر کا معائنہ کر کے تم کیا کرو گے ؟

" یہ وہیں جا کر سوچیں گے ؟ آفتاب نے فوراً کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

" ارے ارے .... دوپہر کا کھانا تو کھا کر جاؤ نا.... تین منٹ بعد کھانا میز پر لگ چکا ہو گا ؟

" آپ کی اس کاری گری پر حیرت باقی ہے ؟

" حیران ہونا صحت کے لیے مفید ہوتا ہے...."

اور پھر کھانا کھا کر وہ پروفیسر طاؤس کی تیار شدہ تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے.... آئی جی صاحب نے انہیں ایک جیپ دے دی تھی .... شوکی خود جیپ چلا رہا تھا.... راستہ وہ پوچھ چکے تھے.... اب وہ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑ چکے تھے.... اور سڑک دور تک سنسان تھی.... دوسری طرف سے گاڑیوں کے آنے کا سلسلہ اب ختم ہو چکا تھا ، اس لیے کہ اس طرف کوئی آبادی نہیں تھی۔ لے دے کے ایک طاؤس جاری کی تجربہ گاہ تھی.... وہ بھی اب نہیں رہی تھی..... لہٰذا اس

طرف سے کون آتا.... لیکن اچانک ان کی سٹی گم ہو گئی۔ جب انھوں نے ایک سرخ کار کو اس طرف سے آتے دیکھا۔

"ارے باپ رے.... یہ.... یہ تو سرخ کار ہے" شوکی چلایا۔

"تو پھر کیا ہوا.... سرخ کار ہے تو ہوتی رہے.... کیوں سرخ ہوں" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اوہو! سمجھنے کی کوشش کرو.... اس سرخ کار نے پرو... صاحب کی تجربہ گاہ کو اور پھر پروفیسر طاؤس صاحب تجربہ گاہ کو تباہ کر ڈالا ہے.... اور کئی آدمیوں کو موت گھاٹ اتار دیا ہے...."

"ارے باپ رے.... تو یہ وہ سرخ کار ہے"

"اس کے علاوہ کون سی ہو سکتی ہے.... اس طرف ... رہتا ہے کہ اس طرف سے کوئی کار آئے گی"

"لیکن.... جب اس طرف کوئی نہیں رہتا تو اس سرخ کار کا اس طرف کیا کام" اشفاق نے کہا۔

"ہاں! یہ ہے کام کا سوال"

عین اس وقت سرخ کار ان کے بالکل نزدیک ... گئی.... شوکی نے جیپ فوراً سڑک سے نیچے اتار لی اور

درختوں کے درمیان لے گیا.... فوراً ہی انھوں نے مڑ کر دیکھا، تو سرخ کار بھی سڑک سے نیچے اتر چکی تھی....

"مارے گئے.... فوراً جیپ چھوڑ دو" شوکی نے کہا اور جیپ سے نیچے چھلانگ لگا دی.... باقی چاروں نے بھی فوراً نیچے چھلانگیں لگا دیں.... اور لڑھک کر جیپ سے دور ہو گئے.... سرخ کار سیدھی جیپ کی طرف آئی اور اس سے ٹکرائی.... جیپ اچھلی اور پوری قوت سے ایک درخت سے ٹکرائی اور چپک کر رہ گئی.... سرخ کار نے پھر ٹکر ماری.... اس بار جیپ میں آگ لگ گئی۔ آگ کا لگنا تھا کہ سرخ کار واپس جاتی نظر آئی.... انھوں نے دیکھا.... اس میں کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔

"ارے ہائیں! وہ جا رہی ہے" شوکی چلایا۔

"چلیے شکر ہے.... صرف جیپ کو تباہ کر کے جا رہی ہے.... ہمیں کچھ نہیں کہا اس نے.... آفتاب نے منہ بنا کر کہا"

"اوہو.... میں کہتا ہوں.... آؤ.... اس کو پکڑیں" یہ کہہ کر شوکی اس کے پیچھے بھاگ پڑا۔

"کیا کہا.... ہم اور اس کو پکڑیں گے.... آپ شاید بھول گئے.... ان کاروں کو تو تیز رفتار ترین گاڑیاں بھی نہیں

پکڑ سکیں۔"

آفتاب نے کہا اور خود بھی دوڑنے لگا۔

"آپ دوڑ کیوں رہے ہیں۔" اشفاق نے بُرا سا منہ

بنایا۔

"ساتھ دینے کے لیے.... ساتھ تو دینا پڑے گا نا۔"

"اگر یہ بات ہے تو ہم بھی آ رہے ہیں۔"

"ظاہر ہے.... اس تباہ شدہ جیپ کے پاس رہ کر

ہم کیا کریں گے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

وہ دوڑتے ہوئے سڑک پر پہنچے تو سُرخ کار

جس طرف سے آتی نظر آئی تھی.... اسی سمت میں چل

نظر آئی۔

"حیرت ہے.... یہ تو اس طرف جا رہی ہے۔"

"ادھر ہی کہیں رہتے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے.... مجرم کا ہیڈ کوارٹر پروفیسر طاؤس

جاری کی تجربہ گاہ کے آس پاس ہی کہیں ہے۔"

"آہا! اب تو ہم تجربہ گاہ اور اس کے آس پاس

جائزہ ضرور لیں گے۔"

لیکن اس طرح نہ جانے ہمیں کتنا فاصلہ پیدل طے

کرنا پڑے گا.... یہاں تو لفٹ بھی نہیں ملے گی۔"

"نہیں ملے گی.... نہ سہی۔"

اور پھر وہ پیدل چلنے لگے.... سُرخ کار تو کب کی

نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی.... تین گھنٹے تک پیدل چلنے

کے بعد آخر کار وہ ملبے کے ڈھیر تک پہنچ گئے۔

"تو یہ ہے.... بے چارے پروفیسر طاؤس جاری کی مرحوم

تجربہ گاہ۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"مرحوم تجربہ گاہ۔" شوکی نے کہا اور بے ساختہ ہنس پڑا۔

"ہاں! لیکن آس پاس کے ہیڈ کوارٹر کے نام و نشان

تک نظر نہیں آ رہے۔"

"پہلے ملبے کو تو دیکھ لیں۔"

وہ بغور ملبے کو دیکھنے لگے.... لاشوں کی تلاش کے

سلسلے میں بلڈوزر کے ذریعے سارے ملبے کو چھان کے رکھ

دیا گیا تھا.... وہ ہاتھوں کی مدد سے اس سارے ملبہ کو کرید

تو نہیں سکتے تھے۔ بس اوپر اوپر سے اس کو دیکھ رہے

تھے.... لیکن کہیں کوئی سراغ نہ ملا.... آخر تھک ہار کر

وہ ملبے کے پاس اکڑوں بیٹھ گئے۔

"اب کیا کریں؟"

"مجرم کے اڈے کو تلاش کرتے ہیں.... سُرخ کار کے

ٹائروں کے نشانات تو ضرور یہاں مل جائیں گے۔"

"اوہ ہاں .... اخلاق .... تم نے بہت کام کی بات
آخر۔"

وہ سڑک پر پہنچے .... اور سڑک کے ساتھ ساتھ
کے ٹماٹروں کے نشانات کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگے۔
ساتھ ساتھ وہ چل بھی رہے تھے .... ایک جگہ انھیں ٹائر
کے نشانات سڑک سے اترتے نظر آئے۔

"یہ رہے نشانات .... اور یہ بھی بالکل تازہ۔"

"بس پھر .... آگیا مزا۔" اشفاق بولا۔

"ابھی مزا نہیں آیا .... اور ہمیں مزے سے غرض بھی نہیں
رکھنی چاہیے۔" رفعت نے منہ بنایا۔

"بہت دیر بعد بولیں .... ہم تو محسوس کر رہے تھے ....
اس مہم میں ہمارے ساتھ ہو بھی نہیں۔" شوکی بولا۔

"میں بہت گہری سوچ میں غرق تھی .... ابھی ابھی ابھری
ہوں اس سوچ سے۔"

"بہت خوب ہے، شکر ہے اللہ کا تم ابھری تو .... اگر غرق ہی رہ جاتیں
تو ہمارا کیا بنتا۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"تب پھر .... کیا سوچا۔"

"یہ کہ سرخ کاروں کا گروہ .... کوئی عام مجرم نہیں ہے ....
بہت سوجھ بوجھ رکھتا ہے .... اور جو کچھ بھی کر رہا ہے .... سوچے

سمجھے منصوبے کے تحت کر رہا ہے۔"

"بس کچھ اور بھی سوچا ہے تم نے۔" شوکی نے منہ بنایا۔

"کیوں بھائی جان! کیا اتنی بات میں آپ کو کوئی کام کی
بات محسوس نہیں ہوئی۔"

"ہاں! یہی بات ہے .... ابھی تک محسوس نہیں ہوئی۔"

"تو پھر سنیں۔" رفعت نے جل کر کہا۔

"جی سنائیں۔" آفتاب مسکرایا .... رفعت نے اسے گھورا
اور بولی:

"مجرم کی تجربہ گاہ .... میرا مطلب ہے .... مجرم کا اڈا ہے
اسی جنگل میں .... سرخ کار کا اس طرف سے آنا اس
بات کا بہت بڑا ثبوت ہے۔"

"ہوں! بات معقول ہے .... لیکن ہم اس کی تلاش کس
طرح کریں۔"

"ٹائروں کے ان نشانات کے ذریعے۔" رفعت نے کہا۔

وہ ان نشانات کے ساتھ ساتھ چلنے لگے .... یہاں تک
کہ پروفیسر طارق جاوید کی تجربہ گاہ کے ملبے کے ڈھیر تک
آگئے ....

"ثابت ہو گیا .... زمین گول ہے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"یہ کیا بات ہوئی رفعت۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں .... بہرحال یہ بات ثابت ہے کہ سرخ کار آئی اس طرف سے۔"

"لیکن .... اس جگہ سے اس کی واپسی کے اور کسی سمت جانے کے نشانات نہیں ہیں۔"

"اور سرخ کار یہاں موجود بھی نہیں ہے .... تب پھر اس کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا .... شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"ممک .... کہیں .... کہیں۔" اخلاق نے کچھ کہنا چاہا .... لیکن کہہ نہ سکا ....

"کہو کیا بات ہے .... رکنے اور جھجکنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کہیں وہ کار اس ملبے میں تو نہیں گھس گئی اور ملبہ پھر اسی جگہ آگرا .... لہٰذا اب وہ کس طرح نظر نہیں آسکتی ہے۔"

"کیا فضول بات ہے۔" اشفاق نے منہ بنایا۔

"اخلاق .... بات کو سوچ سمجھ کر تو کیا کرو۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"بلکہ پہلے تولا کرو .... پھر بولا کرو۔" شوکی نے کہا۔

"پہلے تول رہا تھا .... آپ نے اچھی طرح تولنے کب دیا۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"خیر .... آئندہ خیال رکھنا .... اس قدر اوٹ پٹانگ بات

کرنا کچھ اچھی بات نہیں۔"

"لیکن میرا خیال آپ تینوں کے الٹ ہے۔" ایسے میں رفعت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں بھی یہی کہتی ہوں .... کار اس ملبے کے نیچے گھس گئی ہے۔"

"کیوں .... کیا وہ پاگل ہو گئی تھی؟"

"نہیں! سرخ کار پاگل نہیں ہو گئی تھی .... البتہ وہ ہمیں پاگل کرنے پر اتر آئی تھی۔" رفعت نے منہ بنایا۔

"یہ ایک اور کہی۔" آفتاب ہنسا۔

"ہنس لیں .... لیکن آپ کو بعد میں شرمندہ ہونا پڑے گا۔" رفعت نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں .... ہو لوں گا شرمندہ۔" اس نے کہا۔

"اتنا شوق ہے شرمندہ ہونے کا۔" اخلاق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں کہتی ہوں .... اس جگہ سے مٹی ہٹائیں۔"

"لیکن کس طرح .... ہاتھوں سے مٹی ہٹانا آسان نہیں اور پھر ہم ہاتھوں سے آخر کتنی مٹی ہٹا لیں گے۔"

" اور پھاوڑے یہاں ہیں نہیں ... لیکن درختوں کی شاخیں تو ہیں ... ان سے کسی قدر کام تو لیا ہی جا سکتا ہے " رفعت جلدی جلدی بولی۔

انھوں نے شاخیں توڑیں اور ان سے مٹی ہٹانے لگے ... لیکن اس طرح بھلا کتنی مٹی ہٹ سکتی تھی۔

" اس سے تو کہیں بہتر ہے ... ہم شہر جا کر کدالیں لے آئیں " اشفاق نے منہ بنایا۔

" اور شہر جانا اتنا ہی آسان ہے ... کتنے گھنٹے پیدل چلنا پڑے گا ... یہ سوچ لیں " رفعت بولی۔

" لیکن ان لکڑیوں سے تو مٹی ہٹنے کی نہیں " اشفاق نے کہا۔

" دیکھا جائے گا ... کچھ نہ کچھ کام تو ہو ہی رہا ہے " شوکی بولا۔

" اور یہیں پر اگر رات ہو گئی تو کیا کریں " اخلاق نے کہا۔

" کسی درخت پر چڑھ جائیں گے "

" اور کھائیں گے کیا ... اس کے پتے "

" ہاں ! پتے کھا کر بھی گزارا ہو سکتا ہے "

" تب پھر ٹھیک ہے ... کام جاری رکھیں "

وہ لکڑیوں سے مٹی ہٹاتے رہے ... ہٹاتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا ... اس وقت تک وہ صرف تین فٹ کے قریب سوراخ کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔

" کاش ہمارے پاس وائرلیس سیٹ ہوتا ... آئی جی صاحب کو ہمیں ایک سیٹ دے دینا چاہیے تھا "

" انھیں خیال نہیں رہا ... ورنہ سیٹ کی تو کوئی بات نہیں تھی " شوکی مسکرایا۔

" کیا ہم اب بھی اپنا کام جاری رکھیں گے ... سورج تو غروب ہو چکا ہے "

" بھئی ابھی کسی حد تک تو روشنی ہے ... جب تک دیکھ سکتے ہیں ... کام کرتے رہو " شوکی نے کہا اور تیزی سے ہاتھ چلانے لگا۔

اچانک اس کے منہ سے مارے حیرت کے ایک چیخ نکل گئی۔

خوف اور دہشت

"کک..... کیا ہوا بھائی جان" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"کچھ فاصلے پر خطرہ سا محسوس ہوا ہے..... میری لکڑی اندر دھنس گئی ہے..... اور ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے اس کے راستے میں آگے مٹی نہیں ہے" اس نے پرجوش انداز میں کہا۔

"تب تو ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہیے" رفعت بولی۔

"ہاں بالکل" شوکی نے کہا اور جلدی جلدی مٹی ہٹانے لگا۔ باقی بھی اس کی مدد کرنے لگے..... اچانک انھوں نے اپنے سامنے ایک سرنگ سی دیکھی..... وہ ترچھی تھی..... اور آگے اس کا رُخ نیچے کی طرف تھا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے..... کیا سُرخ کار اس سرنگ میں گئی ہے"

"ہاں شاید..... یہ سرنگ ان کاروں کا ٹھکانا ہے"

"اوہ اوہ" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور یہ سرنگ پروفیسر طاؤس جاری کی تجربہ گاہ کے نیچے ہے..... اس کا مطلب ہے..... ہمارے اس کیس کا مجرم پروفیسر طاؤس جاری ہے" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"اس قدر جلد فیصلہ نہ کرو..." شوکی نے منہ بنایا۔

"خیر..... بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ میرا اندازہ درست تھا یا غلط" آفتاب نے کہا۔

"کم از کم سُرخ کاریں پروفیسر طاؤس کی ایجاد نہیں ہو سکتیں۔"

"یہ بات آپ اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں"

"اس طرح کہ میں پروفیسر طاؤس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں" شوکی مسکرایا۔

"کیا مطلب..... کیا جانتے ہیں؟"

"پروفیسر طاؤس، پروفیسر داؤد کے بچپن کے دوست ہیں..... وہ بس چھوٹے موٹے سائنس دان ہیں، آج تک انھوں نے کوئی بڑی چیز ایجاد نہیں کی..... اخبارات میں ان کی ایجادات کی خبریں بس چھوٹی چھوٹی لگتی ہیں"

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی بڑی چیز اتفاق سے بھی نہیں کر سکتے" آفتاب نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے..... یہ کاریں اتفاق سے پروفیسر طاؤس

نے ایجاد کر ڈالیں ..... شوکی نے اسے گھورا ....

"کیوں ایسا نہیں ہو سکتا"

"کچھ نہیں کر سکتے .... بہرحال .... اس وقت اس بحث
کوئی فائدہ نہیں .... ہمیں اب اس سرنگ میں سفر کرنا ہے
ہم لوگ گھبرا تو نہیں رہے۔" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"ہمارے گھبرانے یا نہ گھبرانے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔
ہمیں بہرحال سرنگ میں داخل ہونا پڑے گا۔" اخلاق ب

"بات معقول ہے۔" رفعت مسکرائی۔

انھوں نے اب اور تیزی سے ہاتھ چلانا شروع
یہاں تک کہ سرنگ کا دہانہ صاف ہو گیا .... وہ واقعی اتنا
تھا کہ ایک چھوٹی کار آسانی سے اس میں جا سکتی تھی۔

"ایک منٹ .... آفتاب ٹارچ روشن کرو۔" شوکی نے
اٹھا کر کہا۔

آفتاب نے ٹارچ روشن کی .... اس کی روشنی میں
انھیں سرنگ میں کار کے ٹائروں کے نشانات صاف نظر آ

"اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ کار اسی سرنگ
میں داخل ہوئی ہے۔"

"تب ہم نے میدان مار لیا .... انکل جمشید بھی یہیں آئے
لیکن اس وقت تجربہ گاہ ملبے سے ڈھیر نہیں تھی .... پروفیسر دا

داؤد اور اکرام بھی تھے .... کام میں اس طرح مصروف تھے
کہ جیسے انھیں دنیا میں اور کوئی کام ہی نہ ہو۔

"ہیلو انسپکٹر جمشید .... یہ دیکھو .... یہ کون لوگ آئے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں ان کی طرف دیکھا ....
پھر قدرے حیران ہو کر بولے۔

"ارے! یہ .... یہ تو شوکی برادرز ہیں .... چلو اچھا ہوا۔
یہ بھی آ گئے .... خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے
دو۔"

"بہتر ہو گا کہ انھیں بھی آپ ہمارے ساتھ ہی لگا دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں .... لیکن پہلے انھیں پوری ورکشاپ
دکھائی جائے گی .... ایک ہفتہ یہ میرے مہمان رہیں گے ....
پھر یہ آپ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر شاہی۔"

"وہ ہمارے پروفیسر جاری صاحب کا کیا حال ہے ....
میرا مطلب ہے پروفیسر الیاس جاری .... اوہ سوری طالوت جاری۔"

"بے چارہ پنجرے میں بند سارا دن اونگھتا رہتا
ہے .... جیسے اُلّو دن میں اونگھتے رہتے ہیں" پروفیسر داؤد خوش
ہو کر بولے۔

"یہ .... یہ آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے .... کیا آپ مسٹر شاہی

کے لیے اپنی خوشی سے کام کر رہے ہیں۔"
"ہاں اور کیا .... یہاں کام کر کے بے پناہ خوشی ہوتی ہے
شام کو جب چھٹی ہوتی ہے تو اس قدر لذیذ کھانے ملتے
ہیں .... عیش و عشرت کی اس قدر چیزیں ملتی ہیں کہ کیا
بتائیں۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔
"حد ہو گئی .... آپ لوگوں سے ایسی امید ایک فیصد نہیں
تھی۔"
"اب اس ۹۹ فی صد ناامید کو سو فیصد امید سے بدل لو
شوکی۔" خان رحمان مسکرائے
"آپ بھی انکل!" شوکی نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔
"بلکہ میں بھی۔" پروفیسر داؤد بولے۔
"اور میں بھی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"گویا آپ سب ان کے خوشی سے کام کر رہے ہیں ....
اور آپ کے دل میں ان کے لیے کوئی نفرت نہیں ہے ....
ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔"
"ہرگز نہیں .... ہم تو خود کو اب ان کا غلام خیال کرتے
ہیں اور یہ غلامی ہمیں بہت پسند آئی ہے۔"
"افسوس .... اس سے زیادہ دکھ بھری بات شاید ہی کوئی
اور سن سکیں۔"

"آپ سن رہے ہو نا۔" خان رحمان نے اس کی طرف دیکھا۔
"کوئی پروا نہیں .... کل بات کرنا ان سے .... آؤ مسٹر شوکی
برادرز .... اب چلیں۔"
وہ ان کے سامنے چلنے لگے .... کئی بار خیال آیا کہ
ان پر ٹوٹ پڑیں اور پھر چاہے کچھ بھی ہو جائے .... لیکن
پھر خیال آتا کہ آخر کچھ تو بات ہے کہ یہ ٹولا بالکل بے فکری
سے چل رہا ہے .... ہو سکتا ہے ایسے اس نے خود ہی کیا ہو۔
"تم لوگ اس وقت یہ سوچ رہے ہو کہ مجھ پر حملہ کر کے
میرا کام کیوں نہ تمام کر دیں .... تو آؤ .... کرو کوشش ....
لیکن پہلے تم میں سے ایک میرے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھ لے
.... لیکن لگاتے ہی فوراً ہٹا لینا .... ورنہ بہت بری
مات کھاؤ گے۔"
"کیوں؟ کیا آپ کے جسم میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔"
"کرنٹ .... ارے یار! بالکل یہی بات ہے ....." وہ چہکا۔
"لیکن میں ہاتھ ضرور لگاؤں گا۔" آفتاب نے کہا۔
"روکا کس نے ہے۔" اس نے کہا۔
"نہیں مکھن .... ہاتھ نہ لگانا۔" شوکی چلایا۔
لیکن اس وقت تک مکھن آگے بڑھ چکا تھا .... اور
اس کے بازو کو تو چھو چکا تھا، اس کے منہ سے ایک دل دوز

چیخ نکل اور وہ اُچھل کر دُور جا گرا.... انھوں نے اس
رنگ سفید پڑتے دیکھا۔

"اس کا جسم زور زور سے ملو.... جلدی کرو...." شا
نے چیخ کر کہا۔

وہ بدحواس ہو کر اس کی طرف بڑھے اور اس کا جسم
تیزی سے ملنے لگے.... جوں جوں وہ ملتے گئے.... وہ اپ
حواس میں آتا گیا۔

"اُف مالک.... یہ تو پورا ۲۲۰ وولٹ کا کرنٹ ہے جو
ان حضرت کے جسم میں دوڑ رہا ہے...." وہ بولا۔

"لیکن یہ کس طرح ممکن ہے۔" شوکی بڑبڑایا۔

"میں ایک سائنس دان ہوں...."

"ارے ہاں! آپ کے والد [illegible] جیران شاہی نے بتایا
تھا۔"

"میرے والد بے خوف [illegible] ہیں.... مجھے کاروبار میں لگا
چاہتے تھے.... اور میں ایک بہت بڑا سائنس دان بننا چاہتا
تھا.... اور دیکھو.... بن گیا.... اس وقت اس دنیا کے تختے پر
مجھ سے بڑا سائنس دان کوئی نہیں.... اور بہت جلد یہ پوری
دنیا میری ہو گی۔"

پوری دنیا آپ کی ہو گی.... آپ کیا کریں گے اس پوری

دنیا کو لے کر.... آخر کو تو آپ کو مرنا پڑے گا.... کہاں تو
آپ کا اس وقت تھا جب آپ موت پر فتح حاصل کرتے....
آپ کیا کریں گے.... کیا خبر کس وقت موت آ جائے۔" اشفاق نے
جلدی جلدی کہا۔

"موت کی باتیں نہ کرو.... ویسے میں کوشش کر رہا ہوں....
کبھی نہ مروں۔"

"آج تک دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہے؟"

"ہوا تو نہیں.... لیکن کوشش تو کی جا سکتی ہے۔"

"ضرور کریں کوشش.... کامیاب نہیں ہوں گے.... آج تک
موت کو کوئی شکست نہیں دے سکا۔"

"میں اس وقت تم سے بحث نہیں کر سکتا.... تم میرے
ساتھ آؤ.... تم...." وہ غرایا۔

شوکی برادرز کانپ گئے.... اس کی غراہٹ کچھ اس
قدر خوفناک تھی.... وہ انھیں ساتھ لیے ایک کمرے میں
گیا.... سب لوگ غلاموں کی طرح کام کر رہے تھے.... اس
اس ورکشاپ کے ایک طرف بہت سے گھر بنے ہوئے تھے۔
ان سے دھواں اُٹھ رہا تھا....

اس وقت ورکشاپ میں کیا تیار ہو رہا ہے....
پوری ورکشاپ دیکھنے کے بعد بھی وہ یہ بات نہیں سمجھ سکے تھے....

کیونکہ پرزے تو بن رہے تھے.... ان پرزوں کے جوڑے جانے کے بعد کیا چیز تیار ہو رہی تھی.... اب تک یہ چیز انھیں دکھائی نہیں گئی تھی، آخر شوکی سے رہا نہ گیا... پوچھ بیٹھا۔

"آخر یہاں بن کیا رہا ہے"

"سرخ کاریں" شامی نے کہا۔

"کیا.... نہیں" وہ چلائے۔

"ہاں! یہاں سرخ کاریں تیار ہو رہی ہیں.... اعلیٰ طور پر ریموٹ کنٹرول.... اس وقت تک دنیا میں... صرف اور صرف ایک سرخ کار کے ذریعے ہل چل مچائی گئی۔ جیسا کہ دارالحکومت کے لوگ خیال کرتے رہے کہ کئی سرخ کاریں ہیں، لیکن سرخ کار تیار کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ اب ان لوگوں کی ایک سال کی مسلسل محنت سے ایک سرخ کار تیار ہوئی تھی.... لوگوں نے کام بھی بارہ گھنٹے کیا ہے.... یہاں بارہ گھنٹے کیا جاتا ہے.... بارہ گھنٹے آرام.... مجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا.... اس لیے کہ جو بھی ہاتھ لگائے گا وہ کرنٹ کھائے گا.... ربڑ اور لکڑی وغیرہ یعنی ایسی چیزیں جن پر بجلی اثر نہیں کرتی وہ اس زمین دوز دنیا میں ہیں ہی نہیں.... یعنی تم ان کا سہارا لے کر مجھے نہیں چھو سکتے.... اس وقت تک میں

سرخ کاریں تیار کرا چکا ہوں.... پانچویں کی تیاری ہو رہی ہے.... ان کی سابقہ تمام نقائص سے بھی پاک کر دیا گیا ہے، اب کسی جگہ کو تباہ کرنے کے لیے وہاں ایک ننھا سا انگلی کی پور جتنا آلہ پھینکنے کی ضرورت نہیں.... پہلے جو یہ کرنا پڑتا تھا.... اپنے ایک غلام کو بھیج کر وہ آلہ آئے دن عمارت میں پہنچایا جاتا جن کو تباہ کرنا تھا.... پھر جا کے ایسا ہوتا۔"

وہ بتاتا چلا گیا.... پھر انھیں ایک کمرے میں لایا گیا... یہاں بڑی بڑی مشینیں نصب تھیں.... انسانی قد کے برابر۔ ان کی جگہ بنی ہوئی تھیں۔

"تم ان مشینوں کے اندر کھڑے ہو جاؤ" اس نے حکم دیا۔

"کک.... کیوں"

"جب تم ان مشینوں سے باہر نکلو گے تو تم مکمل طور پر میرے غلام بن چکے ہو گے"

"نن.... نہیں"

"نہیں یا ہاں کہنے سے کچھ نہیں ہو گا.... مشینوں میں بیٹھو، ورنہ میں پکڑ کر اندر داخل کر دوں گا۔

پھر تمھیں اس تالاب میں پھینک دیا جائے گا... مردہ جسموں کے لیے یہاں ایک تالاب بنایا گیا

ہے .... کیوں کہ آخر انسان مرتے بھی رہتے ہیں۔"

"تالاب .... کیا تالاب؟" شوکی نے کانپ کر کہا۔

"آؤ .... لگے ہاتھوں تمھیں تالاب بھی دکھا دوں .... ورنہ پھر تو تم صرف اور صرف کام کرو گے .... باآرلم" اس نے ہنس کر کہا۔

"کیوں! کیا چھٹی کے وقت بھی لوگ اِدھر اُدھر نہیں گھوم پھر سکتے ...."

"بارہ گھنٹے کا مسلسل کام انھیں اس قدر تھکا دیتا ہے کہ ان میں سیر سپاٹا کرنے کی سکت نہیں رہ جاتی .... ویسے گھومنے پھرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے .... یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے کوئی غلام اس ورکشاپ سے باہر نکل کر دکھا دے تو میں اُسے ویسے ہی آزاد کر دوں گا۔"

"بہت خوب .... تو پھر تالاب دکھانے کے بعد اور شکنجوں میں ڈالنے سے پہلے ہمیں آزادی کے لیے ایک کوشش کر لینے دیں۔" شوکی نے کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں .... انسپکٹر جمشید یہ کوشش کر کے ناکام ہو چکے ہیں۔"

"آپ خطرناک ترین شخص ہیں۔"

"بس بس! میری تعریف نہ کرو .... تم مجھے مکھن نہیں لگا سکے۔"

"ہاں واقعی .... ہم آپ کو مکھن نہیں لگا سکتے .... بے چارے رنگ ٹنگ جائے گا۔"

"آؤ۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

اور پھر وہ انھیں ایک بہت بڑے تالاب کے کنارے لے آیا۔ اس میں بھورے رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔

"یہ تیزاب ہے .... بہت تیز تیزاب .... جب ہم اس میں جسم کو ڈالتے ہیں .... تو وہ اس میں حل ہو جاتا ہے بخارات بن کر اڑ جاتا ہے .... ہڈیاں تک اس میں گھل جاتی ہیں .... لہٰذا اس طرح ہم دفنانے کے چکر سے بچ جاتے ہیں۔"

اچانک ایک شور گونجا .... پھر بہت سے لوگ دوڑتے ہوئے اس طرف آتے نظر آئے۔ ان کے چہروں پر خوف اور دہشت تھی .... دوڑ کر آنے والوں میں انسپکٹر جمشید پارٹی بھی شامل تھی۔

کچّے غلام

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟"

"کسی کمرے میں کسی مشین میں اُلجھ کر کوئی مر گیا ہے"

اس نے اس طرح کہا جیسے یہ بات کوئی اہمیت نہ رکھتی

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر وہ لوگ نزدیک آ گئے.... ان میں سے ایک

اپنے کندھے پر ایک لہو لہان آدمی ڈال رکھا تھا۔

"آقا! یہ مر گیا ہے.... مشین کی لپیٹ میں آ گیا تھا"

"چلو اچھا ہوا.... بے چارہ نجات پا گیا.... پھینک دو

اسے تالاب میں"

انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی.... اور اسے

تالاب میں پھینک دیا.... ایک چھپاکا ہوا، بلبلے سے اٹھے

اور پھر انھوں نے دھواں سا اوپر اٹھتے دیکھا۔

ان کی تفریح اور دلچسپی.... وہ یہ دیکھ کر حیران

۔۔ے بغیر نہ رہ سکے کہ اوپر کھلا آسمان تھا.... لیکن جب

۔۔وں نے غور سے دیکھا تو وہ مصنوعی آسمان تھا۔

دھوپ کے بغیر.... یہاں لوگ کس طرح صحت مند رہتے

۔۔؟ شوکی نے کہا

یہاں کسی کو صحت مند رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... دو تین

۔۔ال اس ورکشاپ میں کام کرنے کے بعد لوگ مر جاتے ہیں

۔۔یں انھیں اس تالاب میں ڈال دیتا ہوں۔"

"اُف مالک!" ان کے منہ سے نکلا۔

بس جاؤ.... اپنے اپنے کام پر.... تم نے اس کے

۔۔انی ہونے کا حق ادا کر دیا۔"

وہ واپس لوٹ گئے.... ان کے چہروں پر اداسی

۔۔ور تھی.... لیکن اتنی نہیں کہ جیسے ان کا اپنا کوئی رشتے

۔۔ار مر گیا ہو۔

اب شاہی انھیں اس کمرے میں لے آیا.... اور وہاں

۔۔ود کارکنوں نے انھیں مشینوں میں داخل کر دیا.... دروازے

۔۔رنے سے پہلے شاہی نے ان سے کہا:

"اب تم پورے بارہ گھنٹوں کے بعد ان کو نکالو گے اور جب نکالو گے تو یہ میرے غلام بن چکے ہوں گے اس دنیا کے رہنے والے بن چکے ہوں گے..... پھر کام بتا دیا جائے گا..... تم کام کرو گے ہر روز..... گھنٹے کام..... اور بارہ گھنٹے آرام..... بس یہی تمھاری ... رہ جائے گی اور ایک دن جب تم مر جاؤ گے تو اس تالاب میں ڈال دیے جاؤ گے..... ویسے ایک ... طے ہے..... پانچ سال سے زیادہ تم یہاں زندہ نہیں رکھو گے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"مطلب یہ کہ اس زمین دوز دنیا میں کوئی آدمی صرف اور صرف پانچ سال زندہ رہ سکتا ہے۔"

"اور اگر پانچ سال بعد وہ نہ مرے۔" شوکی نے پوچھا۔

"اس صورت میں بھی اسے اس تالاب میں پھینک دیا ہے..... اس لیے کہ پانچ سال بعد یہاں کوئی بھی کام کے قابل نہیں رہ جاتا۔"

"گویا یہاں جتنے بھی لوگ ہیں..... پانچ سال سے زندہ نہیں چھوڑے جائیں گے۔"

... ہاں! ان کی جگہ نئے آدمی آتے رہتے ہیں..... آج کل ... روزگاری عام ہے۔ ملازمت کا اشتہار دیں تو انٹرویو ... نے والوں کی لائنیں لگ جاتی ہیں..... لہٰذا ایسے بہت سے ... ہم اس طرف لے آتے ہیں اور کسی کو کانوں کان پتا ... نہیں چلتا..... ان کے رشتے دار بس انھیں تلاش کرتے ... جاتے ہیں۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

اور پھر انھیں مشین میں داخل کیا جانے لگا.....

... عین اسی وقت ایک اور عجیب بات ہوئی..... کمرے ... ایک سرخ بلب بار بار جلنے بجھنے لگا۔

"ہائیں! یہ کیا۔" شاہی کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا مسٹر شاہی۔" شوکی بولا۔

"ان لوگوں کو ابھی مشینوں میں نہ ڈالو..... میں ابھی ... ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی.....

"کیا ہوا ہے..... کیا کہیں گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"ہاں! کمرہ نمبر ۱۵ میں کسی نے اپنا سر مشین میں دے ... ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلے۔

"کچھ لوگ اس زندگی سے تنگ آ کر ایسا ہی کر گزرتے ہیں.... لیکن بہت کم لوگوں میں ایسا کرنے کی ہمت ہے۔"

"جب تک مسٹر شامی نہیں آ جاتے.... ہم ذرا گھوم کر اس جگہ کو دیکھ لیں۔"

"ہاں ضرور.... کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"اور بہت بہت شکریہ۔"

وہ اس کمرے سے باہر آ گئے اور لگے ادھر اُدھر گھومنے یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید والے کمرے کی طرف نکل آئے

"وہ انہیں دیکھ کر چونک گئے۔"

"کیا واقعی آپ لوگ بھی مسٹر شامی کے غلام بن چکے ہیں"

"اور تمہیں کیا نظر آتا ہے" شوکی [illegible] پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"شاید آپ ڈراما کر رہے ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا تم ان مشینوں سے نکل آئے ہو.... ہم مگر نہیں ابھی ابھی تو مسٹر شامی تم لوگوں کو لے کر یہاں سے گئے"

"ان [illegible] ہے.... ابھی تک ہمیں ان مشینوں نہیں ڈالا گیا...."

"اس لیے ایسی باتیں کر رہے ہو.... جب مشینوں سے نکل آؤ گے.... تو تمہاری دنیا بدل جائے گی۔"

"یعنی ہم بھی غلام بن جائیں گے۔"

"ہاں بالکل! وہ مشینیں بھی اسی کی ہی ایجاد ہیں.... یہ اس دنیا کا خوفناک ترین سائنس دان ہے.... میں اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا.... مشینوں میں ڈالے جانے سے پہلے اس نے ہمیں یہاں کی سیر کرائی تھی.... میں ان مشینوں کو دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا.... سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی ہمارے ملک میں اتنا ذہین آدمی بھی ہو سکتا ہے۔"

"سرخ کار کی ایجاد کوئی معمولی ایجاد نہیں ہے.... ذرا سوچو، اگر ہمارا ملک بڑے پیمانے پر یہ کاریں تیار کرا کے دشمن کی سرحد کی طرف روانہ کر دی جائیں تو بغیر فوج کے دشمن کی فوج کو مزا چکھایا جا سکتا ہے.... مطلب یہ کہ ان کاروں کے ذریعے سے تعمیری کام لیا جا سکتا ہے۔"

"واقعی.... یہ بہت اچھا خیال ہے.... کاش مسٹر شامی کا ذہن تخریبی نہ ہوتا۔" .... "لیکن آپ لوگوں کے ان کو کیا ہو گیا ہے۔"

"ہاں! ہم نے یہ کوشش کی تھی.... لیکن بری طرح ناکام رہے تھے.... چکنے فرش والے سلیپری پر اس قدر اونچائی کسی صورت بھی نہیں چڑھا جا سکتا.... یہ کام صرف اور سرخ کار کے ذریعہ ممکن ہے.... لیکن سرخ کاریں صرف

مسٹر شامی کا حکم مانتے ہیں.... ہمارا نہیں.... یوں بھی یہاں
ہوتے ہوئے ہم اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتے
وہ ہر وقت ہر ایک پر نظر رکھتا ہے.... اور ذہنی طور پر
پہلے ہی غلام بنا لیتا ہے۔"

"یوں تو یہ ہمیں بھی پانچ سال بعد اس تالاب میں پھینک
دے گا۔"

"یہ تو اللہ کو پتا ہے کہ کیا ہو گا اور کیا نہیں۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔

"آپ ان حالات میں بھی مسکرا سکتے ہیں۔" شوکی نے
حیران ہو کر کہا۔

"بس یہ نام کی مسکراہٹ ہے۔"

عین اسی وقت اس کمرے میں سبز بلب جلنے بجھنے
لگا۔

"وہ تم لوگوں کو مشینوں والے کمرے میں لا رہا ہے۔
اگر تم فوراً روانہ نہ ہوگئے تو پھر اس کے آدمی آئیں
اور پکڑ کر لے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے انھیں بتایا۔

"مزا نہیں آ رہا.... ہمیں کم از کم آپ لوگوں سے
امید نہیں تھی۔" شوکی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"جاؤ.... دوڑ لگا جاؤ۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز

بولے۔

اور انھوں نے واقعی دوڑ لگا دی.... مشینوں والے
کمرے میں داخل ہوئے تو شامی انھیں کھا جانے والی نظروں
سے گھور رہا تھا۔

"تو تم انسپکٹر جمشید والے کمرے میں گئے تھے۔"

"آپ کے ان کارکنوں سے پوچھ کر گئے تھے۔"

"میں جانتا ہوں.... ان کا کوئی قصور نہیں.... تم مجھ
سے اجازت مانگتے تو میں بھی اجازت دے دیتا۔"

"تب پھر آپ ہمیں کیوں گھور رہے ہیں۔"

"تم لوگوں نے ابھی تک مجھ سے خوف کیوں نہیں کھایا۔"

"وہ دراصل ہمیں ابھی بھوک نہیں ہے۔"

"کیا کہا.... بھوک نہیں ہے۔"

"ہاں! خوف کی بھوک لگے گی تو خوف کھائیں گے نا۔"

"انھیں مشینوں میں ڈال دو.... تاکہ یہ بولنا بھول جائیں۔"

"ایک منٹ مسٹر ثاقب.... آپ سیٹھ جبران شامی کے
بیٹے ہیں نا۔"

"اچھا تو پھر.... اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"آپ کے والد نے ہمیں آپ کی تلاش کا کام سونپا تھا...."

لیکن اب وہ خود اس دنیا میں نہیں ہیں۔

"کیا کہا.... میرے والد اب اس دنیا میں نہیں ہیں"

"آپ بلاوجہ بن رہے ہیں۔

"حالانکہ ان کی موت میں آپ کا اپنا ہاتھ ہے۔"

"ہوگا.... میں کسی باپ داپ کو نہیں جانتا.... میرے راستے میں جو آئے گا، فنا ہو جائے گا۔"

"لیکن آخر.... وہ کس طرح آپ کے راستے میں آ رہے تھے۔"

"انھیں ایک بہت اہم بات معلوم تھی.... اور کی دنیا میں وہ بات کسی کو معلوم ہو جاتی.... یہ مجھے پسند نہیں تھا.... لہذا میں نے انھیں ختم کروا دیا۔"

"بجا کیا!.... جو شخص اپنے باپ کا لحاظ نہیں کرتا.... اس کا انجام اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی بہت بھیانک ہوتا ہے۔"

"فی الحال تم اپنے انجام پر غور کرو۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

وہ انھیں مشینوں کی طرف دھکیلنے لگے.... یہاں تک کہ انھیں ان کے اندر ڈال کر دروازے بند کر دیے گئے۔

"پورے چوبیس گھنٹے گزرنے پر انھیں باہر نکالا.....

اگر چوبیس گھنٹے سے ایک منٹ پہلے بھی نکال دیا تو یہ کچے غلام نہیں بنیں گے.... کچے نہیں.... اور تم جانتے ہو، میں صرف پکے غلام پسند کرتا ہوں.... کچے نہیں۔"

"یس سر.... آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی.... انھیں چوبیس گھنٹے سے بھی ایک منٹ بعد باہر نکالا جائے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے کہا اور پھر اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"سر! یہ مسکراہٹ کیسی؟"

"بہت عجیب.... یہ مسکراہٹ تیسری پارٹی کے لیے ہے۔ ہاں اسے بھی آنا ہے۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تیسری پارٹی کو بھی آنا ہے۔"

"جب دو پارٹیاں گم نظر آئیں گی تو تیسری کو بلایا جائے گا.... وہ ہماری تلاش میں اس جگہ تک ضرور آئیں گے.... ان تک یہ لوگ پہنچے تھے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور اس کے بعد.... تم جانتے ہو کیا ہوگا۔"

"جی.... کس کے بعد.... کیا ان لوگوں کے اوپر آنے کے بعد۔"

"نہیں.... یہاں آ جانے کے بعد.... جب ان کو بھی چوبیس گھنٹے کے بعد غلام بنا لیا جائے گا.... تو پھر میرے راستے کے

تمام روڑے ہٹ جائیں گے .... پھر کوئی رکاوٹ نہیں رہ جا
گی ....“

”اوہ .... لیکن سر .... ہمیں کیا ملا .... ہمیں تو بس یہا
سال کی زندگی ملی .... وہ بھی قید کی زندگی۔“

”نہیں .... میں تم لوگوں کو بھی اوپر لے جاؤں گا ا
ساتھ .... جب میں اس دنیا کا حکمران بن جاؤں گا۔“

”آخر یہ کیسے ہو گا۔“

”یہ بہت آسانی سے ہو گا .... بس تم دیکھتے جاؤ“
اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

کارکنوں نے مشینوں کے بٹن دبائے اور وہ کمرے
باہر آ گئے .... اب یہ کمرہ چوبیس گھنٹے بعد کھلنا تھا۔

گھیر لیے گئے

”سر! شوکی برادرز بھی غائب ہو گئے .... حوالدار محمد حسین
نے آئی جی صاحب کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد کہا۔

”امید بھی یہی تھی .... لیکن وہ کہاں تک گئے تھے۔“

”پروفیسر طاؤس جاری کی تجربہ گاہ تک جانے کا پتا چلا
ہے .... اس کے بعد وہ کہاں گئے .... ہم معلوم نہیں کر سکے۔“

”کیوں! کیا تم نے ان کا تعاقب نہیں کیا تھا۔“

”جی نہیں .... انھیں تعاقب کا پتا چل جاتا اور پھر وہ
کنے رہ کر اپنا کام نہیں کر سکتے تھے۔“ حوالدار محمد حسین
زاد نے کہا۔

”بالکل ٹھیک .... لیکن اب ہم اس کا سراغ کس طرح
ائیں۔“

”آپ اپنے سٹاف کو حکم دیں .... وہ سراغ لگائیں گے

اس نے کہا۔

"یہ تو خیر میں کروں گا .... لیکن میرا خیال ہے .... یہ لوگ سراغ نہیں لگا سکیں گے۔"

"تب پھر .... کیا کیا جائے۔"

"کرنا تو پہلے ہی ہو گا .... کم از کم تین دن تک ان کی خوب زور شور سے تلاش ہونی چاہیے۔"

یہ کہ کر وہ حکم لکھنے لگے .... پھر تین دن تک شوکی برادرز کو تلاش کیا گیا .... آخر سب کی میٹنگ ہوئی .... اجلاس میں ان لوگوں نے اپنی اپنی کارکردگی پیش کی .... جب کہ سب بری طرح ناکام رہے تھے۔

"اب جب تک ہمارے ملک کی دو پارٹیاں غائب ہیں .... ہم صرف اور صرف یہ کر سکتے ہیں کہ [illegible] کو آواز دیں۔"

"آپ کا مطلب ہے .... انسپکٹر کامران مرزا صاحب کو۔" ایک انسپکٹر نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں! بالکل۔"

"جیسے آپ کی مرضی سر۔"

"ہم تین دن سے تلاش کر رہے ہیں .... کوئی کامیابی نہیں ہوئی .... اس سے پہلے انسپکٹر جمشید کی تلاش میں سب لوگ سر توڑ کوشش کر چکے ہیں .... لہذا میں مجبور

ہوں۔"

یہ کہ کر انھوں نے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگے .... دفتر قائم تھا، لہذا انھوں نے ان کے دفتر کے نمبر ڈائل کیے تھے .... دوسری طرف سے سب انسپکٹر شاہد کی آواز سنائی دی:

"یس سر .... میں انسپکٹر شاہد بات کر رہا ہوں۔"

"دارالحکومت سے شیخ نثار احمد۔"

"اوہ سر .... آپ .... انسپکٹر صاحب سے بات کریں گے۔"

"ہاں۔" وہ بولے۔

"لیجیے سر .... آئی جی صاحب ہیں .... دارالحکومت سے۔" شاہد نے فون کا ریسیور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ....

ریسیور لیتے ہی وہ بولے:

"السلام علیکم سر .... معلوم ہوتا ہے .... شوکی برادرز بھی غائب ہو گئے۔"

"اس کا مطلب ہے کامران مرزا تم پوری طرح باخبر ہو۔"

"کیا کیا جائے .... مجبوری ہے .... باخبر رہنا پڑتا ہے، ان قوتیں اس وقت ہم پر نظریں جمائے بیٹھی ہیں .... جب

جب سرخ کاروں کا شوشہ دارالحکومت میں اٹھا تھا.... میرے
کان تو اس وقت کھڑے ہو گئے تھے.... اس کے بعد
شوکی برادرز کے دارالحکومت میں پہنچنے اور انسپکٹر جمشید پارٹی
کی تلاش میں نکلنے کی خبریں سننے میں آئیں.... آپ کے
فون کا میں نے فوراً یہ مطلب نکالا کہ شوکی برادرز بھی غائب
ہو گئے ہیں۔"

"بہت خوب کامران مرزا.... تو پھر انتظار کس بات کا ہے
تم خود ہی ادھر کیوں نہیں آ گئے۔"

"میں دیکھ رہا تھا.... مجرم کا ارادہ کیا ہے۔"

"بھلا ہم یہ اندازہ کس طرح لگا سکتے ہیں۔"

"لگا سکتے ہیں سر.... سنیے.... پہلے دارالحکومت میں ایک
سرخ کار نمودار ہوتی ہے.... جو ڈرائیور کے بغیر چلتی نظر
آتی ہے.... وہ ایک دو آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ
اتار چکی ہے.... اور کسی طرح قابو میں نہیں آتی.... یہاں تک
کہ پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ تک تباہ کر دیتی ہے.... اب
ظاہر ہے.... انسپکٹر جمشید پارٹی پروفیسر داؤد سے ہی کام
لے سکتے.... کہ آخر یہ سرخ کار ہے کیا بلا.... یہ جاننے
کے لیے پروفیسر داؤد کا ہونا ضروری ہے.... اور پروفیسر داؤد
کے لیے ان کی تجربہ گاہ کا.... لیکن تجربہ گاہ کو پہلے ہی تباہ کر

ایا ہے.... تاکہ وہ کچھ نہ کر سکیں.... وہ اس کا حل یہ
ل کرتے ہیں کہ اپنے بچپن کے دوست فاؤس جاری کی
گاہ میں پہنچ جاتے ہیں.... تاکہ کچھ تو کام کر سکیں،
ں وہ تجربہ گاہ بھی تباہ کر دی جاتی ہے.... ملبے سے ہمیں
ے ساتھیوں کی لاشیں نہیں ملتیں.... لہٰذا یہ خیال نہیں
یا تک کہ وہ ملبے کے نیچے دب گئے ہوں گے۔"

دارالحکومت والی یہ تو کی کہانی جہاں تک پہنچ کر رک
ال ہے.... ادھر شوکی برادرز کے شہر میں شوکی برادرز سے
ں دولت مند آدمی رابطہ کرتا ہے کہ اسے ایک شخص
ں کی تلاش ہے.... جو چیزیں اخبارات میں تفصیل سے
ئی ہیں، اس لیے مجھے بھی معلوم ہیں اور پھر میں نے
طور پر پھر اپنے کارکنوں سے معلومات حاصل کی ہیں....
وں میں یہ بات سامنے آئی کہ سیٹھ جبران شاہی دراصل اپنے
ائنس دان بیٹے ثاقب شاہی کی تلاش میں ہے جو پندرہ
ال پہلے سائنس کے شوق میں چلا گیا تھا.... اور لوٹ کر
یں آیا تھا.... شوکی برادرز جب ان کی تلاش میں نکلتے
یں تو ان تلاش کا سلسلہ دارالحکومت تک چلا جاتا ہے....
وں نے پروگرام بنایا تھا کہ ملک کے تمام بڑے سائنس دانوں
ل کر دیکھتے ہیں۔ ثاقب شاہی کہیں ان میں سے کسی کے

پاس اسسٹنٹ کے طور پر تو کام نہیں کر رہا..... اس طرح
وہ لوگ پروفیسر طاؤس جاری کے تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو
اور اس کے بعد انھیں نہیں دیکھا گیا..... حالات یہی ہیں
ناصر۔" یہاں تک کہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"بہت خوب انسپکٹر کامران مرزا..... بالکل یہی حالات ہیں
مجھے تو حیرت ہے..... تم اب تک اُدھر کیوں تھے، اِدھر
کیوں نہیں آئے۔"

"میں نے بتایا نا..... میں اس شخص کے ارادے کا
اندازہ کرتا رہا ہوں۔"

"پھر..... کیا اندازہ لگایا۔"

"وہ ہمیں کوئی اہمیت نہیں دیتا..... سرخ کاریں اب
کہیں نظر نہیں آ رہیں..... جس کا مطلب ہے..... وہ اب بے فکر
ہو کر کاریں تیار کرانے میں لگ گیا ہے..... میری طرف سے
بھی اسے کوئی خطرہ نہیں ہے..... وہ جانتا ہے..... میں جب بھی
اس کی تلاش میں نکلوں گا..... سیدھا اس کی قید میں چلا جاؤں
گا جیسا کہ پہلے دو پارٹیاں اس کی تلاش کے سلسلے میں اس
کی قید میں پہنچ گئیں۔"

"بہت خوب....." آئی جی صاحب خوش ہو کر بولے۔

"پھر سوال یہ ہے کہ ان حالات میں اب میں کیا کروں

کیا اس کی قید میں چلا جاؤں۔"

"نن نہیں کامران مرزا..... تم قید میں جانے کے بجائے.....
اس کا سراغ لگاؤ۔"

"ہاں! میں یہی کروں گا..... ارادہ میرا بھی ہے....."

"تو پھر حرکت میں آ جاؤ....."

"بات دراصل ایک اور ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرا
کر بولے۔

"اور وہ کیا۔"

"یہ کہ میں خوف زدہ ہوں۔"

"ہاں! میں ان کاروں سے خوف زدہ ہوں۔"

"لیکن اب تو وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہیں۔"

"یہ بات بھی کم خوف ناک نہیں ہے..... ذرا سوچیں.....
اگر اچانک ایسی بہت سی کاریں شہر میں تباہی مچانا شروع
کر دیں۔"

"نن نہیں..... نہیں۔" مارے خوف کے وہ پھر چلّائے۔

"میں اس پہلو پر غور کرتا رہا ہوں..... خیر آپ فکر نہ کریں۔
اب میں اپنا کام شروع کرتا ہوں..... سب سے پہلے میں
ٹوبی برادرز کے شہر جاؤں گا اور سیٹھ جبران شاہی کے گھر
والوں سے ملوں گا۔"

"بہت خوب! گویا بذریعہ سراغرسانی مجرم تک پہنچنے کا ارادہ ہے۔"

"دوسری طرف اگر پہنچا تو ہو سکتا ہے میں بھی قید میں چلا جاؤں اور اپنے ملک کے لیے کچھ تو کر سکوں...." وہ جذباتی آواز میں بولے۔

"ٹھیک ہے.... جس طرح تم پسند کرو.... اسی طرح کرو۔" وہ بولا۔

اور پھر ریسیور رکھ دیا گیا۔

"وہی ہوا جس کا مجھے اندازہ تھا۔"

"آپ کئی دنوں سے یہیں بیٹھے بیٹھے اندازے لگا رہے ہیں.... میں تو یہ خیال کر بیٹھا تھا کہ اس بار آپ دفتر سے نکلے بغیر ہی کیس حل کر لیں گے۔"

"نہیں خیر.... ایسا تو نہیں ہے.... اب شرلاک ہومز والے زمانے کہاں رہے.... اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے کیس حل کر لیا کرتا تھا.... ہمیں تو نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑتا ہے کن کن جہانوں کی سیر کرنا پڑتی ہے۔ کبھی برف کے اس پار تو کبھی دلدل کے سمندر کی.... کبھی یہاں کی تو کبھی وہاں کی اور پھر مجرموں سے ٹکرانا بھی پڑتا ہے.... شرلاک ہومز نے تو کبھی اس قسم کی ایک لڑائی بھی ساری زندگی میں نہیں لڑی

[illegible]رگی۔"

"ارے! آپ نے تو ابھی بھلی تقریر کر ڈالی.... میں نے تو [illegible] سرسری بات کہی تھی۔" شاہد ہنسا۔

"کوئی بات نہیں.... میں اب گھر جا رہا ہوں.... ان تینوں [illegible] لے کر مخولی کے شہر جاؤں گا اور وہاں ایک کام مکمل [illegible] کے دارالحکومت۔"

"شاید تم اس لیے ساتھ جانا چاہتے ہو کہ ادھر اکرام [illegible] ان کے ساتھ غائب ہے۔"

"یہی سمجھ لیں سر۔" اس نے شرما کر کہا۔

"اچھا تم بھی تیار ہو کر گھر آ جانا۔"

یہ کہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے.... لیکن گھر پہنچتے [illegible] انھیں الجھن نے آ لیا.... کب سے آفتاب، آصف اور [illegible]رحت غائب تھے.... اور مزے کی بات ہے کہ بیگم کامران [illegible] کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں....

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بغیر کچھ بتائے کہیں چلے [illegible] گئے ہوں جب کہ یہ ان کی عادت نہیں ہے۔" وہ بولے

"پہلے اپنے کمرے میں تھے.... نہ جانے کیوں پھر ان [illegible] کی آوازیں پائیں باغ سے سنائی دیں۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کی آوازیں سنائی نہ دیں تو میں نے ان کے کمرے میں جا

کر دیکھا.... وہ کمرے میں نہ تھے نہ ہی باغ میں۔"

"تب انھیں اغوا کیا گیا ہے۔"

"لیکن اس طرف کوئی نہیں آیا۔"

"کسی کے آئے بغیر بھی وہ اغوا ہو سکتے ہیں۔"

"یہ آپ کو پتا ہو گا.... مجھے نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"خیر.... اب پہلے ان کا سراغ لگانا ہو گا.... جب
میں پہلے ہی جلدی میں ہوں.... ادھر انسپکٹر جمشید کے
دارالحکومت میں شوکی برادرز بھی غائب ہو چکے ہیں۔"

"اوہ! آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"کوئی بہت چالاک مجرم اپنا کام نکالنا چاہتا ہے...
راستے میں آنے والے افسروں کو بہت ہوشیاری سے صاف
کرتا جا رہا ہے.... دراصل اسے کچھ وقت درکار ہے....
شاید زیادہ تعداد میں سرخ کاریں تیار کرنے کے لیے۔"

"اللہ اپنا رحم کرے.... ایک تو مجھے ان سرخ کاروں
ڈرا کر رکھ دیا ہے۔"

"بیگم.... تم کیا.... خود میں ڈرا ہوا ہوں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے.... کم از کم آپ نہ ڈریں....
آپ ڈر گئے تو ہمارا کیا بنے گا۔"

"مرضی تو اللہ کی چلتی ہے.... کسی کے ڈرنے نہ ڈرنے
کچھ کرنے نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہم انسان ہیں....
یں کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے.... وہ ہم کریں
گے.... اب ذرا میں ان کے کمرے کا جائزہ لے لوں۔"

پھر کر وہ ان کے کمرے میں آئے.... بستروں
جائزہ لیا.... فرحت کے بستر کی چادر نیچے لٹک آئی
تھی.... جوتوں کے نشانات بھی تھے.... انھوں نے
دیکھا تو بیگم بھی اندر چلی آئی تھیں۔

"دیکھو بیگم.... پرسکون حالات میں وہ چادر کو اس
نہیں چھوڑ سکتے۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے۔"

"اور جوتے اس طرح نہیں گھسیٹ سکتے.... اس کا
ب ہے.... انھیں باغ میں کسی خطرے کا احساس
تھا.... وہ فوراً باغ میں کود گئے.... تاکہ خطرے کو
یں ہی روک لیں۔ یہ تو ہے یہاں تک کا اندازہ...
یں باغ کا جائزہ لے کر بتاتا ہوں کہ میرا کیا ہوگا۔
یہ کہ وہ کھڑکی کے ذریعے باغ میں آ گئے.... اور
بیٹی سے جائزہ لینے لگے.... تینوں کے جوتوں کے
ات تو نظر آ نہیں سکتے.... کیوں کہ باغ میں گھاس نہیں تھی....

لیکن دوسری کسی چیز سے کوئی اشارہ مل سکتا تھا.... ا
ہی اشارہ انھیں مل گیا.... ایک پودے پر انھیں
کا رومال نظر آیا.... وہ اور آگے بڑھے... محمود کا
جوتا پڑا نظر آیا.... اب تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔
بیگم! اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں.... انھیں
کیا گیا ہے۔"
"اللہ اپنا رحم فرمائے.... اب آپ انھیں تلاش کریں
یا
مہم پر روانہ ہوں گے۔"
"مہم پر چونکہ انھیں بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں
لیے پہلے ان کی تلاش میں نکلنا ہوگا۔ اس کے بعد
جا سکوں گا.... اگر انھیں ساتھ نہ لے جانا ہوتا
بات تھی.... پھر وہ خود ہی آجاتے رہتے۔"
نے بُرا سا منہ بنایا۔

وہ اپنی گاڑی میں گھر سے نکلے اور راستے
دیکھتے ہوئے چلنے لگے.... ایک جگہ انھیں ایک جیب
پڑا نظر آیا.... وہ مسکرا دیے.... گویا وہ تینوں ان
لیے نشانیاں چھوڑتے ہوئے گئے تھے.... آگے چل
ایک چوراہا آگیا.... وہ یہاں پہنچ کر رک گئے.... لیکن
انھیں اشارہ ملا کہ کس طرف جانا ہے.... چوراہے

ایک طرف سگریٹ لائٹر پڑا تھا.... وہ اگرچہ کسی گاڑی
کے نیچے آکر کچلا گیا تھا، لیکن اس کے آثار دیکھ کر
انھوں نے اندازہ لگا لیا... تاہم وہ دائیں بائیں دیکھتے
جا رہے تھے.... آخر انھیں سڑک ختم ہوتی نظر آئی... آگے
گھنا جنگل تھا۔ وہ کار سے اتر کر سڑک کا جائزہ لینے
لگے.... پھر ٹائروں کے نشانات انھیں مل گئے کہ انھیں اس
طرف لایا گیا.... جنگل میں بھی اس گاڑی کے ٹائروں
کے نشانات تھے۔

انھوں نے گاڑی کچے میں اتار دی اور درختوں
کے درمیان چلنے لگے.... انھیں حیرت اس بات پر تھی کہ
اغوا کرنے والوں نے انھیں چیزیں گرانے کا موقع کیسے
دے دیا.... اور یہ چیز ان کے دماغ میں خطرے
کی گھنٹیاں بجا رہی تھی۔ اچانک ایک فائر ہوا.... گولی
ان کے سر کے بالوں کو چھوتی ہوئی گزر گئی.... انھوں
نے فوراً ایک درخت کی اوٹ لے لی۔ لیکن یہ اوٹ
لینا ان کے لیے بے کار تھا.... کیونکہ اس وقت کئی
طرف سے بھی ایک فائر ہوا تھا اور اگر انھوں نے
ایک لمحہ پہلے خود کو گرا نہ دیا ہوتا تو گولی ان کے
کے پار ہوتی.... یہ ان کی چھٹی حس تھی جس نے انھیں

خبردار کر دیا تھا اور وہ یک دم ٹھٹک گئے تھے....
انھوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ وہ چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہیں۔

زوردار پاس

"نہ جانے کیا بات ہے.... میرا دل دھڑک رہا ہے"
آصف نے پریشان آواز میں کہا۔
"کسی ڈاکٹر سے علاج کراؤ" آفتاب نے مشورہ دیا۔
"یار سمجھنے کی کوشش کرو.... میں خطرے کی بو محسوس کر رہا ہوں" آصف نے جل کر کہا۔
"یہ اور خطرناک علامت ہے.... اب تم کسی ماہر نفسیات کے پاس جاؤ"
"اور میں کہتا ہوں، تم بات کو نہیں سمجھ رہے.... میرا دل کہہ رہا ہے.... ہم پر حملہ ہونے والا ہے.... ہمارے گھر کو گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔"
"آخر اس میں کیا حرج ہے" فرحت مسکرائی۔
"کس میں کیا حرج ہے" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اس میں کہ آصف کے خوف کو چیک کر لیا جائے۔"

"لیجیے... اب خوف کو بھی چیک کیا جائے گا.... حد ہو گئی یعنی کہ۔"

"ہو گئی ہے تو میں کیا کروں۔" آصف نے پھر جھلا کر کہا۔

"کیا ہو گئی ہے۔" فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی حد اور کیا۔"

"اب تو میں بھی خوف محسوس کرنے لگی ہوں۔" فرحت نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے.... کیا ہو گیا ہے، آج تم دونوں کو۔" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"یہ تو اندازہ نہیں کہ کیا ہو گیا ہے.... یہ اندازہ ضرور ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"اچھا بابا.... تو ہم سب.... پائیں باغ میں چل کر چھپ جاتے ہیں.... جو بات ہے، سامنے آ جائے گی۔" آفتاب بولا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ افراتفری میں اٹھے اور پھر باغ میں کود گئے، لیکن کودتے ہی ایک سرد آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"خبردار.... تم اس وقت تین عدد کلاشن کوفوں کے سائے میں ہو۔"

"بہت خوب! ہمارے ایک قومی شاعر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" آفتاب بولا۔

"کیا کہا تھا اس نے کہا۔"

"یہ کہ تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں۔"

"پتا نہیں.... کیا کہہ رہے ہو.... ہماری اُردو اچھی نہیں۔ انگریز کے گھر پیدا ہوئے ہو کیا۔"

"ان باتوں کو چھوڑو.... اور سیدھی طرح چلو۔"

"اُلٹی طرح چلنا ہمیں آتا بھی نہیں۔"

وہ ان کے آگے چلنے لگے.... وہ کل چار تھے اور چاروں سیاہ لباس میں تھے، ان کے چہرے پوری طرح چھپے ہوئے تھے۔

وہ انھیں ایک کار تک لائے۔ کار بڑے سائز کی تھی.... اس کی پچھلی سیٹ پر ان تینوں کو بٹھایا گیا۔ ان کے دائیں بائیں دو کلاشنکوفوں والے بیٹھے، باقی دو آگے بیٹھے، ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ دوسرا اپنی کلاشنکوف کا منہ ان کی طرف کرکے بیٹھ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے.... ہماری طرف سے بہت ڈرے ہوئے ہو کہ کار میں بھی تین تین کلاشنکوفیں تان رہے ہو۔"

"ڈرے ہوئے نہیں ہیں.... بلکہ ہم محتاط بہت ہیں۔"

ایک نے ہنس کر کہا۔

"ارادے کیا ہیں؟"

"تم لوگوں کے ذریعے تمہارے والد کو پھانسنے کا پروگرام ہے۔"

"اچھا! اور تم سمجھتے ہو.... پھانس لو گے؟"

"ہاں بالکل! اس لیے کہ اس پروگرام کے پیچھے عقل ہماری نہیں، باس کی استعمال ہو رہی ہے۔"

"اوہو! تو تمہارا کوئی باس بھی ہے؟"

"ہاں! ہے اور بہت زور دار ہے۔"

"زور دار باس! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اس بات کا مطلب تم نہیں سمجھ سکیں گے۔"

"جس بات کا مطلب تک نہیں سمجھا سکتے.... وہ کہتے کیوں ہو؟" اس نے جل کر کہا۔

"آئندہ نہیں کہیں گے.... وعدہ رہا۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ایک گھنے جنگل میں داخل ہوئے.... جنگل کے بیچوں بیچ ایک گہرا

رہا تھا.... انہیں اس گڑھے میں دھکا دے دیا گیا۔

"ارے ارے! یہ کیا کر رہے ہو بھائی؟"

"تم لوگوں کو زندہ دفن کرنا ہے۔" ایک نے غرا کر کہا۔

"لیکن ہمارا قصور کیا ہے؟"

"یہ قصور کیا کم ہے کہ تم انسپکٹر کامران مرزا کے بچے ہو۔"

"تب قصور صرف آفتاب کا ہے.... ہم دونوں کا نہیں۔" آصف مسکرایا۔

"کیا بکواس ہے۔" دوسرا بولا۔

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔"

"کیا مطلب.... آخر کیسے؟"

"میں اور فرحت ان کے بچے نہیں.... وہ ہمارے (ما)موں ہیں۔"

"تب تم دونوں کا قصور یہ ہے کہ تم ان کے بھتیجے ہو۔" دوسرا مسکرایا۔

"اچھا بابا.... ہمیں اپنا قصور تسلیم ہے.... لیکن آخر کیا کر رہے ہیں؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔" ایک نے ہنس کر کہا۔

"کمال ہے .... اس گڑھے میں کیسے دیکھتے جائیں۔"

"آنکھوں سے۔" تیسرا بولا۔

"مشورہ نیک ہے۔" آصف بولا۔

عین اس وقت ان کی سروں پر کوئی چیز لگی اور وہ گرتے چلے گئے .... بے ہوش ہونے سے پہلے انھوں نے ان جادوں کے قہقہے سنے .... اور پھر ان کے ذہن تاریکیوں میں ڈوب گئے۔ ہوش میں آئے تو ایک کمرے میں تھے۔

"ہائیں .... جنگل کے گڑھے میں یہ کمرہ کہاں سے آ گیا۔" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی اس گڑھے سے نکال کر ہمیں اس کمرے میں لایا گیا ہوگا۔"

"اس کا مطلب ہے .... یہ عمارت بھی اس جنگل میں ہے۔"

"اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" فرحت بولی۔

عین اس وقت دروازہ کھلا .... اور ایک بالکل سیاہ رنگ کا آدمی اندر داخل ہوا۔

"تم توتے کی سیاہی مل کر آئے ہو کیا۔" آفتاب نے چونک کر کہا۔

"نہیں! میرا رنگ ہی ایسا ہے۔" وہ مسکرایا .... مسکراتے

[illegible]ت اس کے بالکل سفید دانت سیاہ چہرے پر اور بھی [illegible]ناک منظر پیش کر گئے۔

"ارے باپ رے .... آپ کی مسکراہٹ کس قدر ہولناک ہے .... مہربانی فرما کر اب نہ مسکرایئے گا۔"

"ہائیں .... آپ میری مسکراہٹ پر پہرہ بٹھا رہے ہیں۔" [illegible]تے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

"آپ ایم اے میں اردو میں کیا۔" آفتاب نے [illegible] کہا۔

"کیا کہا۔ ایم اے میں اردو .... وہ کیا ہوتا ہے۔"

"اردو میں ایم اے کو بھائی۔" آصف نے [illegible] آفتاب کی طرف جھلا کر مڑا۔

"یار آخر تم الٹ پلٹ کیوں بول جاتے ہو۔"

"اس لیے کہ مجھے پلٹ الٹ بولنا نہیں آتا۔"

"لو .... اب الٹ پلٹ کو بھی الٹ پلٹ کر [illegible]ت ہنسی۔"

"ہے نا کمال۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"پتا نہیں .... کمال ہے یا زوال .... فی الحال تو تم [illegible]ل کی آمد کا سبب پوچھو۔"

"کیسے آنا ہوا۔"

"آپ لوگوں کی آواز کی باتیں.... سُنیں تو یہ پوچھنے کے لیے آ گیا.... آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"

"کیا سُنیں.... آواز کی باتیں" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے آپ کی صحبت کا اثر مجھ پر بھی ہو گیا.... میں بھی الٹ پلٹ بول گیا.... میرا مطلب ہے آپ لوگوں کی باتوں کی آواز سنی...."

"اوہ اچھا شکریہ.... آپ بہت اچھے ہیں، ان حالات میں بھی ہماری ضرورت کا خیال ہے آپ کو.... مہربانی فرما کر ہمارے سروں پر ایک ایک ہاتھ اور رسید کر دیں۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے باپ رے! آپ کیا کر رہے ہیں.... میں کیا ایسا کر سکتا.... آپ تو ہمارے مہمان ہیں۔"

"ہم آپ کے مہمان ہیں؟" آصف نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں بالکل...." اس نے فوراً کہا۔

"اب پھر.... وہ کہاں گئے جو ہمیں جنگل تک لے کر آئے تھے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا.... مجھے تو آپ تینوں ایک سڑک

ے پڑے ملے تھے.... آپ لوگوں کے خون سے سر
رہے تھے۔"

کیا بہہ رہے تھے اور کہاں سے بہہ رہے تھے؟"

سروں سے خون.... کیا میں نے پھر غلط بول دیا۔

نہیں آپ اور غلط بول جائیں.... یہ تو بس ہمارا کام
.... ویسے آپ ہم سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔"

ن نہیں تو.... میں تو آپ کے سامنے ہوں۔"

ان گئے بھی آپ کو.... اچھا تو ہم آپ کو سڑک
ارے ملے تھے.... بے ہوش تھے، ہمارے سروں سے
بہہ رہا تھا.... پھر؟"

پھر کیا.... میں نے آپ کو اپنی کار میں ڈالا اور گھر
آیا.... بے ہوش ہونے سے پہلے.... میرا مطلب ہے،
لوگوں کے ہوش میں آنے سے پہلے بھلا میں کیا
سکتا تھا۔"

آپ ہمارے ہوش میں آنے کا انتظار ہی کر سکتے
اور کیا کر سکتے تھے۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

وہ تو خیر میں نے کیا ہے اور خوب کیا ہے.... آپ
کو معلوم نہیں کہ آپ کتنی دیر تک بے ہوش رہے
ہیں؟"

"لگ .... کتنی دیر تک بے ہوش رہے ہیں" آفتا
نے گھبرا کر کہا۔
"اتنی دیر تک کہ کیا بتاؤں" وہ مسکرایا۔
"نہیں نہیں .... بتا دیں .... شرمانے کی کیا ضرو
ہے"
"ضرورت ہے نا" اس نے شرما کر کہا۔
"اچھا تو پہلے آپ جی بھر کر شرما لیں"
"شکریہ بہت بہت" اس نے خوش ہو کر کہا۔
"اور شکریہ کس بات کا؟"
"اس بات کا کہ آپ مجھے شرمانے کا موقع دے
ہیں .... جب کہ یہ موقع آج تک مجھے کسی نے نہیں
آپ کی سخاوت کی تعریف کرنا چاہ رہی ہے مجھے"
"ارے تو کر دو نا بھئی کرو .... یہاں کس کو اعتر
ہے .... ویسے تعریف اس خدا کی جس نے جہان بنا
اس نے کہا۔
"ہم آپ کو مان گئے .... اب تو آگے بیان کر
پروگرام کیا ہے؟"
"کس بارے میں"
"ہمارے اغوا کے بارے میں" آفتاب نے جل کر

"اغوا .... کیا مطلب .... میں سمجھا نہیں .... کیا آپ کو
ی نے اغوا کیا تھا"
"یار آپ اتنے انجان نہ بنیں"
"اوہ! تو آپ کو کسی نے اغوا کیا تھا .... اور آپ
ال کر رہے ہیں کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں"
نے جلدی جلدی کہا۔
"اور ہم بالکل ٹھیک خیال کر رہے ہیں"
"جی نہیں .... آپ بالکل غلط سمجھ رہے ہیں .... میرے
کے دروازے کھلے ہیں .... آپ بے شک اس وقت
ں سے چلے جائیں"
"کیا کہا .... چلے جائیں"
"ہاں! اگر آپ لوگ اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا
اہتے تو آپ جا سکتے ہیں .... میں آپ کو اپنے گھر
رکھ کر کیا کروں گا"
"اوہ! ذرا تاریخ اور وقت تو بتائیں ...."
اس نے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا ....
پھر بولا۔
"اس وقت صبح کے نو بجے ہیں .... اور آج ۱۶ ستمبر

"کیا ہے.... ۱۶ ستمبر.... بھائی کیوں مذاق کرتے ہیں"

"یہ دیکھ لیں گھڑی۔" اس نے اپنی گھڑی ان کے ... کردی.... اس پر واقعی ۱۶ ستمبر کی تاریخ تھی.... دن ... کا تھا.... اور وقت ۹ بجے کا۔"

"یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں.... ہم تو ۱۶ اگست کو ... باغ میں کودے تھے.... اور وہاں سے چار عدد نقاب ... پوشوں والے ہمیں جنگل میں اس گڑھے تک لائے تھے ... پھر اس گڑھے میں کسی نے ہمارے سروں پر کوئی ... ماری تھی۔"

"یہ بات آپ لوگوں کی بالکل ٹھیک ہے.... آپ ... سروں پر زخم تھے.... جو اب ٹھیک ہو چکے ہیں.... آپ ہاتھوں سے چھو کر زخموں کی جگہ کو محسوس کر ... ہیں۔"

ان کے ہاتھ سروں کی طرف اٹھ گئے.... واقعی زخم موجود تھے....

"یار یہ کیسے ہو سکتا ہے.... اگر ہم ابھی تھوڑی ... پہلے زخمی ہوئے تھے تو یہ زخم اس قدر جلد کس طرح ... ٹھیک ہو گئے۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"تب پھر یہ حضرت ہی ٹھیک کہہ رہے ہوں گے ...

آصف بڑبڑایا۔

"مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا...." فرحت نے زور دار انداز ... میں انکار کیا۔

"کیا نہیں ہو سکتا؟"

"یہ کہ ایک ماہ گزر جائے اور انکل ہم تک نہ پہنچ ... سکیں"

"یہ بات بھی ہے.... لیکن جب یہ حضرت کہہ رہے ... ہیں کہ ہم یہاں سے نکل کر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں تو ... پھر ہم اب یہاں کیوں ٹھہریں.... باہر نکل کر اس بات ... کی تصدیق بھی ہو جائے گی کہ ہم کتنا عرصہ بے ہوش ... رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک.... اچھا جناب! اگر آپ کا بیان درست ہے.... تو ہم آپ کے احسان مند ہیں۔ ہمارے علاج پر ... آپ کا بہت خرچ ہوا ہوگا.... اگر آپ برا نہ مانیں تو ... ہم آپ کو تمام خرچ ادا کرنا چاہتے ہیں۔"

"کہاں سے ادا کریں گے.... آپ تینوں کے پاس کچھ ... بھی نہیں ہے۔"

"آپ اس بات کو چھوڑیں۔ ادائیگی کرنا ہمارا کام ہے، ... ہم کریں گے.... آپ یہ بتائیں.... خرچ کتنا ہوا ہے۔"

"نہیں! میں کچھ نہیں لوں گا...."

"اچھا تو پھر ہم جا رہے ہیں، آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں۔"

اور وہ تینوں باہر نکل آئے.... یہ دیکھ کر ان کی حیرت بڑھ گئی کہ وہ بالکل انجان سی جگہ تھی۔

"ہم نے یہ جگہ پہلے تو کبھی دیکھی نہیں.... کیا خیال ہے.... کیا ہم اپنے ملک میں ہی ہیں؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا.... ملک کا یہ حصہ تو ہمارا دیکھا بھالا ہے نہیں، ہو سکتا ہے.... ہم دارالحکومت میں نہ ہوں۔"

"ہم نے اپنے محسن کا نام تک نہیں پوچھا.... کتنی غلط بات ہے۔"

"تو اب چل کر پوچھ لیتے ہیں.... ہم کون سا بہت دور نکل آئے ہیں۔" آصف نے کہا۔

وہ واپس پلٹے.... یہ علاقہ جیسے آباد سا تھا.... چند گھر کافی فاصلے پر نظر آ رہے تھے۔ اس کے علاوہ چاروں طرف کھیت ضرور تھے.... وہ واپس اس گھر کے دروازے پر پہنچے.... آصف نے دروازے پر دستک دی.... ایک

منٹ گزر گیا۔ لیکن کسی نے دروازہ نہ کھولا.... اب اس نے دوبارہ دستک دی۔ تیسری دستک پر بھی جب دروازہ نہ کھلا تو وہ بہت حیران ہوئے۔

"کہیں ہمارے مہربان کو کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا...."

[illegible] نے گھبرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے.... ہمیں کسی پائپ وغیرہ کے ذریعے اندر داخل ہونا پڑے گا...."

وہ مکان کے عقب میں آئے.... ایک پائپ اوپر جا رہا تھا۔ آصف نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اوپر چڑھتا چلا گیا.... آج اس نے بڑے بڑے منہ نہیں بنائے تھے.... کام کا بھوت سوار تھا اس پر.... اوپر پہنچ کر اس نے زینے کا جائزہ لیا، زینہ دوسری طرف سے بند تھا۔ اب وہ منڈیر پر جھکا:

"زینہ بند ہے.... اب کیا کیا جائے؟" اس نے دبی آواز میں کہا۔

"کچھ نہیں.... ہم بھی اوپر پائپ کے راستے آ رہے ہیں...."

"اچھا ٹھیک ہے۔"

وہ دونوں بھی اوپر آ گئے.... اب انھوں نے نیچے

جاکر دیکھا، اونچائی زیادہ نہ تھی۔

"پہلے میں منڈیر پر چڑھ کے نیچے اتر جاتا ہوں.... پھر تم میرے کندھوں پر سے ہوتے ہوئے میرے پیر پکڑ کر نیچے لٹک جانا" آصف نے دبی آواز میں کہا۔

"پیر پکڑوانے کی یہ ترکیب اچھی ہے" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"اور اس کے بعد فرحت لٹک جائے گی تمہارے پیر پکڑ کر پھر وہ تمہارے پیر چھوڑ دے گی اور نیچے جا گرے گی اس طرح اونچائی کوئی خاص نہیں رہ جائے گی.... اور اسے چوٹ نہیں آئے گی، پھر وہ زینہ کھول دے گی۔ اور میں واپس چھت پر جا کے زینے کے راستے نیچے آ جاؤں گا" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"حد ہو گئی اور میں کہاں جاؤں گا"

"ہوا میں لٹکے رہو گے.... میرے اشاروں پر چلنا ہے تاکہ فرحت جسم سمٹائے رہے گی دیوار کے ساتھ.... ٹھیک جناب یا تو میں بھی فرحت کے بعد نیچے کود جاؤں گا یا پھر میں پیچھے پہ پہنچوں گا.... بعد میں تم"

"چلو یونہی سہی"

انھوں نے ویسے ہی کیا.... فرحت نے نیچے کود کر آفتاب سے کہا۔

"آفتاب! اونچائی زیادہ نہیں.... تم بھی اسی طرف سے آجاؤ"

"دیکھ لو.... کہیں کوئی ہڈی پسلی نہ ٹوٹ جائے"

"اوہو.... تمھاری ہڈیاں اور پسلیاں موم کی بنی ہوئی ہیں کیا"

"پتا نہیں ہڈی کس چیز کی بنتی ہے...."

"سنا ہے.... ہڈی میں فاسفورس ہوتا ہے.... تو بس یہ فاسفورس کی بنی ہوئی ہوتی ہیں" فرحت مسکرائی۔

"ہم باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں.... ادھر ہمارے اوربان پر نہ جانے کیا گزر رہی ہو گی" آصف نے جھلا کر کہا

آخر آفتاب نے بھی چھلانگ لگا دی

"خدا کا شکر ہے.... کوئی چوٹ نہیں لگی.... آصف تم بھی اسی طرف سے آ جاؤ"

"میں تمھاری نسبت زیادہ اونچائی پر ہوں" اس نے گھبرا کر کہا

"اچھا تو پھر میں زینہ کھول دیتا ہوں"

"ٹھیک ہے.... میں اوپر آتا ہوں" آصف نے کہا۔

آفتاب نے فرحت کو وہیں صحن میں چھوڑا اور خود زینے کی تلاش میں ادھر ادھر جانے آنے لگا۔ آخر اسے سیڑھیاں نظر آ گئیں۔ وہ اندھا دھند آگے بڑھا.... اور جا کر دروازہ کھول دیا....

"شکریہ آفتاب؟"

"شکریہ آفتاب تو تم نے بالکل ایسے انداز میں کہا جیسے کمنٹری کرنے والے کہتے ہیں۔"

"ہوگا، ہوگا۔" اس نے منہ بنایا۔

اب ان تینوں نے اپنے میزبان کے کمرے کا رُخ کیا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا.... پھر تو انھوں نے اسے سارے گھر میں تلاش کیا.... لیکن وہ انھیں پورے مکان میں کہیں بھی نظر نہ آیا....

اب تو ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

بہت خوب

انھوں نے لیٹے لیٹے چاروں طرف کا جائزہ لیا.... فائر کی سمت کا اندازہ انھوں نے فوراً ہی لگا لیا.... چنانچہ انھوں نے بھی اپنا پستول نکال لیا اور ایک فائر جھونک مارا.... جواب میں ایک دل دوز چیخ گونجی۔

اس کے ساتھ ہی بے تحاشہ قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں، یوں لگا جیسے سارا جنگل قدموں کی آوازوں سے گونج رہا ہو.... انھوں نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔

آنے والے ہر سمت سے آتے نظر آرہے تھے....

اور ان کے ہاتھوں میں جدید ترین اسلحہ تھا۔ ان کے پاس کل سات گولیاں تھیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ ان میں سے سات آدمیوں کو ڈھیر کر سکتے تھے.... لیکن وہ تو سو سے بھی زیادہ نظر آرہے تھے.... اس قدر تعداد میں حملہ آوروں

کو دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئے....

"اس کا مطلب ہے.... یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے، شاید یہ لوگ نہیں چاہتے کہ ہم اس مہم پر روانہ ہوں" وہ بڑبڑائے۔

ساتھ ہی ان پر چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی.... وہ گولیوں سے صرف ایک سمت کے حملہ آوروں سے تو خود کو بچا سکتے تھے.... چاروں طرف سے ہونے والی فائرنگ سے نہیں بچا سکتے تھے، لہٰذا کئی گولیاں ان کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور ان کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا.... ہوش آیا تو ان کا جسم پٹیوں سے بھرا پڑا تھا.... اور ایک بوڑھا آدمی اوپر جھکا ہوا تھا۔ انھیں آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس بوڑھے نے کہا:

"اب کیسی طبیعت ہے بیٹا؟"

"جی میں.... ٹھیک ہی ہوں.... میں ہوں کہاں؟"

"تم دوستوں کے گھر میں ہو۔"

"دوستوں کے گھر میں، میں سمجھا نہیں۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ ہمیں ایک سڑک کے کنارے زخمی حالت میں ملے تھے.... میں اور میرے بیٹے آپ کو اٹھا کر یہاں

لے آئے.... آپ کا علاج کرایا.... اب آپ ٹھیک ہیں۔"

"اوہ!" وہ چونک کر اٹھے اور انھیں سب کچھ یاد آ گیا۔

اچانک ان کے ذہن میں سوال گونجا:

"آفتاب، آصف اور فرحت کہاں ہیں.... میں تو ان کی تلاش میں نکلا تھا اور خود مصیبت میں پھنس گیا۔"

"یہ کون سا علاقہ ہے؟"

"یہ ریاست شاران ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"ریاست شاران!" وہ دھک سے رہ گئے....

ریاست شاران کے ملک کی سرحد کے ساتھ ایک چھوٹی سی ریاست تھی.... لیکن اس کا والی ان کے ملک اور ملک کے لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتا تھا.... ریاست میں زیادہ گھرانے ہندوؤں کے تھے.... بس چند ایک گھرانے مسلمانوں کے تھے.... البتہ ساتھ لگنے والا ہندو ملک اس ریاست کا ہمدرد تھا اور ہر طرح اس کی مدد کرتا تھا۔

"آپ مسلمان ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"ہاں! اگر مسلمان نہ ہوتا تو آپ کو کیوں اٹھا کر لاتا.... ہندو تو آپ کو کبھی اٹھا کر اپنے گھر نہ لے جاتے۔ آپ کے چہرے پر مسلمانوں والی علامات موجود ہیں نا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا! آپ کا بہت بہت شکریہ.... اب میں اپنے گھر جاؤں گا...."

"لیکن کیسے جائیں گے.... آپ کو یہاں کی پولیس روک لے گی۔"

"ہاں! میں جانتا ہوں.... لیکن آپ فکر نہ کریں.... میں نکل جاؤں گا.... یہ بتائیں.... میں کتنے دن بعد ہوش میں آیا ہوں۔"

"پورے ایک ماہ تک بے ہوش رہے ہیں.... کے ذریعہ آپ کو خوراک دی گئی ہے.... یا پھر گلوکوز کی بوتلیں لگوائی گئی ہیں۔"

"اوہ! اس طرح تو آپ کا بہت خرچ ہوا ہوگا.... میں آپ کو ایک چیز دیتا ہوں.... اسے بیچ کر آپ اخراجات وصول کر سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں.... ویسے بھی دشمنوں نے آپ کی جیب میں کچھ رہنے کب دیا ہے۔"

"انھوں نے بے شک نہ رہنے دیا ہوگا.... لیکن پھر بھی وہ سب کچھ نہیں نکال سکے ہوں گے.... ویسے آپ کا نام کیا ہے.... اور آپ کے بیٹے نظر نہیں

"وہ صبح سویرے کام پر نکل جاتے ہیں.... رات کے وقت آتے ہیں.... میرا نام الیاس بھائی ہے...."

"یہاں کے ہندو آپ لوگوں کو تنگ تو کرتے ہیں نا۔"

"ہاں! کبھی کبھی بہت تنگ کرتے ہیں.... لیکن ہم ان سے دب کر نہیں رہتے، میرے بیٹے بہت دلیر ہیں، جب وہ تنگ کرتے ہیں تو یہ مقابلے پر آجاتے ہیں۔"

"لیکن یہاں کا قانون تو ان کا ہی ساتھ دیتا ہوگا۔"

"ہاں! اس طرح ہمیں کئی بار جیل بھی ہوئی ہے.... لیکن ہم پھر بھی نہیں ڈرتے.... ہم نے سوچ لیا ہے۔ زندہ رہیں گے تو عزت سے ورنہ مر جائیں گے.... ہمارے اس جذبے نے ان کا ناک میں دم کر دیا ہے اور اب وہ ہمیں چھیڑنے سے ڈرتے ہیں۔"

"بہت خوب! یہ بات سن کر بہت خوشی ہوئی۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ایک خفیہ جیب سے ننھا سا [illegible] نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"الیاس بھائی! یہ میری طرف سے ضرور رکھ لیں۔"

"یہ.... یہ کیا ہے۔"

"بس! یہ نہ پوچھیں.... رکھ لیں۔"

اس نے بے خیالی میں رکھ لیا.... کوئی معمولی چیز خیال

کر کے .... انسپکٹر کامران مرزا تو وہاں سے رخصت ہو
رات کو جب الیاس بھائی کے بیٹے آئے تو اس نے
نگ انھیں دیا اور ساری بات بتائی .... بیٹوں نے اس
دیکھ کر جیب میں ڈال لیا، کوئی اہمیت نہ دی۔

"صبح اسے کسی سنار کو بیچ دینا .... چند سو تو مل
جائیں گے۔"

"مشکل ہے .... یہ کوئی پتھر ہی ہے .... لیکن زیادہ
قیمتی نہیں لگتا۔"

"خیر! تم بیچ آنا۔"

دوسری رات جب بیٹے گھر آئے تو بہت حیران
تھے .... بوڑھے نے حیرت ان کے چہروں پر صاف
لی تھی۔

"خیر تو ہے۔"

"ایک سنار کو وہ نگ دکھایا .... اس نے دس ہزار
روپے دینے کی بات کی تو میں حیران رہ گیا، ہم نے
دس ہزار میں تو نہیں بیچیں گے .... اس پر اس نے
ہی بیس ہزار کر دیا۔"

"کیا!!!" بوڑھا چلا اٹھا۔

"جی ہاں! لیکن ہم نے ۲۰ ہزار میں انکار کر دیا۔

اور سنار کے پاس پہنچے، نگ دکھایا تو اس کی آنکھیں
چکا چوند ہو گئیں .... کہنے لگا، میں پچاس ہزار دیتا ہوں۔

"کیا!!!" بوڑھا چلا اٹھا۔

"مطلب یہ کہ آخر کار ہم نے وہ نگ ایک لاکھ میں
فروخت کیا ہے .... لیکن میرا خیال ہے۔ ہمیں اب بھی لوٹا
گیا ہے .... وہ نگ اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا۔

"یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں بھیس بدل کر جاتا ہوں .... اس سے قیمتی نگ
دکھانے کی فرمائش کرتا ہوں .... پھر اس نگ کی قیمت معلوم
کروں گا۔"

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک ہے .... اور اگر اس نے ہمیں ٹھگا
ہوا تو ہم اسے دیکھ لیں گے۔"

بوڑھا دوسرے دن اس سنار کی دکان پر گیا ....
اس نے سیٹھوں جیسا حلیہ بنا رکھا تھا ....

"کوئی نگ دکھائیں .... بہت اچھا اور خاص چیز
ہو۔"

"ضرور ٹھاکر صاحب .... کیوں نہیں۔"

اس نے ایک ڈبا اس کے سامنے رکھ دیا .... اس

میں ٹنگ ہی ٹنگ تھے .... وہ ٹنگ بھی تھا .... مختلف
دیکھتے ہوئے اور ان کی قیمتیں پوچھتے ہوئے آخر کار اس
اس ٹنگ کی قیمت پوچھی۔
" اس کی قیمت نہ پوچھیں۔ ٹھاکر صاحب .... یہ
انمول چیز ہے "
" تم قیمت تو بتاؤ "
" یہ دس لاکھ کا ہے "
" کیا کہا ، دس لاکھ .... ؟ " اس نے بوکھلا کر کہا
" ہاں جی .... نو لاکھ پچھتر ہزار کا خرید ہے ....
پچیس ہزار منافع لے کر فروخت کر رہا ہوں "
بوڑھے نے بیٹوں کو اشارہ کیا .... وہ فوراً دکان
آ گئے۔
" یہ دس لاکھ مانگ رہا ہے اس ٹنگ کے "
بیٹوں نے ٹنگ فوراً اپنے قبضے میں کر لیا
لاکھ روپے اس کے سامنے پھینک دیے اور ایک
کر کہا۔
" تم نے دھوکا کیا .... مجھے دس لاکھ کے
صرف ایک لاکھ دیے "
" نن نہیں .... نہیں .... یہ غلط ہے "

بکواس مت .... تم نے مجھ سے اس کے دس لاکھ نہیں مانگے "
غرایا۔
" میں تو مذاق کر رہا تھا "
" تب پھر یہ کتنے کا ہے "
" پانچ لاکھ کا تو خیر ہے " اس نے کہا۔
" تو پھر ساڑھے تین اور نکال .... پچاس ہزار تک تم
لیا .... اور اگر تم نے اس ٹنگ کو پانچ سے زیادہ
فروخت کیا تو ہم پھر آ جائیں گے۔
دیتا ہوں "
اس سے ساڑھے چار لاکھ وصول کر کے وہ گھر
اور حیران تھے کہ زخمی اجنبی آخر کیا چیز تھا ....
ہی انھیں یہ فکر لاحق ہو گئی کہ کہیں پولیس نے اسے
نہ لیا ہو۔

○

انسپکٹر کامران مرزا گھر سے نکل کر سرسری انداز میں
لگے .... انھیں راستے معلوم نہیں تھے .... اور ان سے
ال بھی ہو گئی تھی کہ اپنے میزبان سے راستہ نہیں پوچھا
بہرحال وہ چلتے رہے .... پھر ایک مسلمان کو روک کر اپنا

مسلمانوں والا نام بتانے کے لیے تعارف کرایا اور بولے
"میں کسی طرح سرحد پر پہنچنا چاہتا ہوں... پاک لیب
کی۔"
"بہت مشکل ہے۔" اس نے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"ان دنوں سرحد میں بہت سختی ہے۔"
"خیر آپ راستا بتا دیں۔"
اس نے راستا بتا دیا.... اب وہ پیدل
طرف چل پڑے.... آگے چل کر ایک ٹیکسی روک لی
اور اس کے ذریعے سرحد کے پاس پہنچ گئے.... ا
آگے انھیں ملٹری ہی ملٹری نظر آئی.... انھوں نے دور
کر سرحد کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا.... لیکن ا
کہیں کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی کہ جہاں سے وہ
عبور کر سکتے.... وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ اب کیا
کریں۔
عین اس وقت ایک جیپ ان کے پاس آ کر
اور ایک تیز آواز کانوں میں گونجی۔
"خبردار! ہاتھ اُٹھا دو۔"
ان کے دماغ میں فوراً بجلی سی کوند گئی....

اندز کرنے کی ترکیب ان کے ذہن میں آ گئی تھی، لہٰذا انھوں
فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیے.... ان کے ہاتھوں میں فوراً
کڑی پہنا دی گئی۔ پھر انھیں ایک عمارت میں لایا گیا....
ی انھیں ایک کمرے میں لے جایا گیا.... دو فوجی ان
کے دائیں بائیں تھے اور دونوں کے ہاتھوں میں وہ زنجیریں
یں جن کے ساتھ ان کی ہتھکڑیاں بندھی ہوئی تھیں....
انھوں نے صرف ہاتھوں ہی میں نہیں.... کمر کے گرد بھی
رکھی تھیں اور ان میں نالے بھی گرے ہوئے تھے۔
کمرے کے اندر کوئی بڑا آفیسر تھا.... اس کی
پر تمغے ہی تمغے سجے ہوئے تھے.... انھیں اندر
نے والوں میں سے ایک نے چند کاغذات ان کے سامنے
دیے.... وہ پہلے ان کو پڑھتا رہا، پھر اس کی نظریں
ان پر جم گئیں۔
"آپ کون ہیں؟"
"انسپکٹر کامران مرزا۔" انھوں نے بتایا.... انھوں نے سوچا
تھا.... کچھ نہیں چھپائیں گے اور اگر اس پر بھی ان کے ساتھ
زیادتی کی گئی تو پھر وہ ان سے ٹکرا جائیں گے.... نتیجہ چاہے
ہو جائے....
"یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

اُنھوں نے تفصیل سنا دی۔

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ یہاں کس طرح پہنچے"

"ہاں! بالکل۔"

"لیکن بقول آپ کے.... اگر آپ گولیوں سے چھلنی ہو گئے تھے تو کسی نے تو آپ کے جسم سے گولیاں نکالی ہوں گی، آپ کا علاج کیا ہوگا۔"

"میں نے بتایا تو ہے.... کسی نے ایسا کیا ضرور تھا...."

"ہم اس کا نام جاننا چاہتے ہیں، کیوں کہ ہماری ریاست کے قانون کے مطابق اسے فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہیے تھی، پولیس خود آپ کا علاج کراتی۔"

"پتا نہیں اس نے ایسا کیوں نہیں کیا.... میں نے ہوش میں آنے کے بعد اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کیں اور پھر سرحد کا رُخ کیا۔"

"اس بیان میں جھول ہے.... کسی نے آپ کی مدد کی تھی.... لیکن آپ اس کے احسان کی وجہ سے اس کا نام نہیں بتانا چاہتے تاکہ ہم اسے پریشان نہ کریں.... لیکن ایک بات جان لیں.... اگر آپ نے اس کا نام پتا نہ بتایا تو بھی ہم معلوم کر لیں گے.... ابھی تک تو آپ ہمارے سامنے

ے تھے نا.... اب یہی کہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ ریاست ں کوئی اجنبی گھوم رہا ہے.... تو ہم یہ بھی معلوم کر لیں ے کہ کہاں رہتا رہا ہے۔"

"ضرور معلوم کریں۔" انھوں نے بے فکری کے انداز ں کہا۔

"آپ ہماری کارکردگی دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں، آپ مجھے جانے دیں.... میں یہاں نہ تو تخریب اری کی نیت سے آیا ہوں، نہ جاسوسی کی نیت سے اتی طور پر آیا ہوں، اور اسی طرح نکل جانا چاہتا وں۔"

"ہم جب تک اپنا اطمینان نہیں کر لیتے.... آپ کو جانے ی اجازت نہیں مل سکے گی، یہ بات نوٹ کر لیں۔"

"او کے.... آپ اپنا اطمینان کر لیں۔"

"انھیں ساتھ والے کمرے میں بند کر دو۔" اس نے اپنے اتحتوں کو حکم دیا۔

اور پھر انھیں اس کمرے میں بند کر دیا گیا.... ایک گھنٹہ بعد کمرے کا دروازہ کھلا.... چار مسلح آدمی اندر اخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"آپ کو کرنل صاحب یاد فرما رہے ہیں۔"

"تو یہ کرنل ہیں۔"

"ہاں! ہمارے بہت مشہور و معروف کرنل .... انھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔"

"بہت خوب!" وہ مسکرا دیے۔

جونہی وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے، زور سے اُچھلے۔

کالا پانی

"یہ حضرت اندر ہی اندر کہاں غائب ہو گئے؟"
ف نے کہا۔

"جواب ظاہر ہے .... اس مکان کے نیچے کوئی خانہ ہے۔"

"تب ہم کسی گہرے چکر میں ہیں .... اور اس نے خانے میں جاکر اپنے باس کو بتا دیا ہوگا کہ اس ے ہمیں یہاں سے رخصت کر دیا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں .... آخر ہم کہاں یں۔"

"اب اسے اوپر آنے دو ..... ہم اسی سے معلوم ریں گے۔"

"تب ہمیں یہیں کہیں چھپ جانا چاہیے۔"

وہ ایک تاریک گوشے میں دبک گئے..... چند منٹ
بعد ہلکی سی آواز گڑگڑاہٹ کی پیدا ہوئی..... پھر اس
نے انھوں نے ایاس بھائی کو آتے دیکھا جس کمرے میں
نے انھیں رکھا تھا:

وہ یک دم اس کے سامنے آ گئے۔ وہ زور سے
اچھلا۔

"ارے باپ رے..... تت..... تم"

"ہاں! پھر..... اب بتائیے، یہ سب چکر کیا ہے"

"کیا چکر؟" وہ بولا۔

"آپ کہاں غائب تھے"

"کہیں بھی نہیں..... یہیں تھا..... تم لوگ کیوں
کر آ گئے"

"یہی دیکھنے کے لیے آئے کہ آپ ہمارے خلاف کوئی
چکر تو نہیں چلا رہے..... اندر آئے تو آپ اندر کہیں
نہیں تھے"

"اوہ..... اوہ"

"اب اس بار بھی اوہ کہیں، ہمیں کوئی فرق
پڑے گا..... ہمیں تو صرف یہ بتائیں..... آپ غائب
ہو گئے تھے"

تھوڑی دیر پہلے باہر چلا گیا تھا" اس نے کہا۔

"اچھا کہاں ہے..... دروازہ اندر سے بند کر کے کمرے
سے نکلنے کا طریقہ آپ ہمیں بھی بتا دیں..... ذرا ہم بھی
دیکھیں" آفتاب نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں..... میں" وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

"میں..... میں کرنے سے بھی کام نہیں چلے گا"

"تم ہوتے کون ہو مجھ سے سوالات کرنے والے..... میں
پولیس کو فون کرتا ہوں..... پولیس جانے، تم جانو"

"ضرور..... شوق سے..... کریں فون! ہم بھی پولیس کو بتا دیں گے"

اس نے برا سا منہ بنایا۔

"تم کیا بتا دو گے"

"یہ کہ اس مکان کے نیچے ایک عدد تہ خانہ ہے..... اور
اس میں ایک عدد وائرلیس سیٹ بھی موجود ہے یا..... باقی
پولیس خود آپ سے اگلوائے گی"

"اوہ! تو یہ بات بھی ہے" اس نے فکر مندانہ انداز
میں کہا۔

"کوئی بات نہیں..... میں پولیس سے بات کر لوں گا"

"اچھی بات ہے..... ضرور کر لیں..... بات میں کوئی
حرج نہیں"

وہ فون کی طرف بڑھ گئے ..... اور پھر اس

نے فون پر نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیے ..... جونہی سل

اس نے کہا

" ہیلو ..... پولیس ہیڈ کوارٹر ..... آپ کو جن لوگوں

تلاش ہے ..... وہ میرے پاس ہے "

یہ کہہ کر اس نے اپنا نام اور پتا بتا دیا

ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا :

" پولیس کے آنے میں صرف چند منٹ لگیں گے ..."

" کوئی بات نہیں ..... ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں

تہ خانے میں کیا ہے ..... "

" اور اتنی سی بات معلوم کرنے کے لیے آپ خود کو

کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں "

" پولیس کے قبضے سے بھاگ نکلنا کچھ مشکل نہیں

آصف مسکرایا۔

اور پھر واقعی پولیس وہاں پہنچ گئی ..... پولیس

الیاس بھائی کی کہانی سنتے ہی فوراً ان لوگوں کے ہاتھ

میں ہتھکڑیاں ڈال دیں ...

" ہمیں شوق سے گرفتار کریں ..... لیکن جس شخص نے

کو فون کیا ہے ..... وہ بھی تو یہاں آپ کی ریاست کو

یا رہا ہے "

" کیا کہا ..... غلط ..... بالکل غلط ..... یہ ہماری ریاست کو

ن اور صرف فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں "

" کیا اس صورت میں بھی کہ اس عمارت کے نیچے ایک

تہ خانہ ہے "

" اوہو اچھا ..... یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا " اس نے

ک کر کہا۔

" بس ہو گیا معلوم ..... آپ چیک کر لیں " فرحت نے

انداز میں کہا۔

" خیر کوئی بات نہیں ..... چیک کر کے بھی کیا کریں گے ،

ب کہ ہمیں معلوم ہی ہے کہ یہ کیا کام کرتے ہیں اور

خانے میں کیا کام کرنے کے لیے جاتے ہیں "

" اب بات سمجھ میں آئی ..... الیاس بھائی پولیس کے

ی ہیں "

" ہاں ! گرفتار تو آپ ویسے بھی ہو جاتے ، کیوں کہ اس

ریاست سے باہر نکل جانا آپ لوگوں کے بس کی بات

نہیں تھی ..... لیکن آپ نے زیادہ ہوشیاری دکھائی اور واپس

ادھر آ گئے ..... لہٰذا الیاس بھائی کو خود ہی ہمیں فون

کرنا پڑا۔

"چلیے جناب! اگر ہمیں گرفتار ہی کرنا ہے تو ہو گئے ہم گرفتار.... لیکن یہ چکر کیا ہے؟"

"زخمی حالت میں ہمارے ایک دوست نے آپ لوگوں کو ہمارے حوالے کیا تھا.... یعنی یہاں رکھنے کے لیے.... جب وہ کہے گا۔ ہم آپ کو چھوڑ دیں گے۔"

"بہت خوب! آپ کا شکریہ.... آپ نے یہ بات واضح کر دی کہ آپ کی اس ریاست میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"قانون ہے.... لیکن ریاست کے لوگوں کے لیے، ریاست کے باہر کے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔"

"لیکن اگر کبھی آپ ہمارے ملک میں آئے تو ہم دکھائیں گے کہ وہاں غیر ملکیوں کے لیے بھی قانون ہے.... ان کے ساتھ کوئی ظلم اور زیادتی نہیں ہوتی۔"

"ہو گا! اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔" وہ مسکرایا۔

اور پھر انھیں وہاں سے پولیس اسٹیشن لایا گیا.... اس وقت فون کی گھنٹی بجی، انچارج نے ریسیور اٹھایا اور پھر چونک اٹھا، ریسیور رکھ کر اس نے کہا۔

"ان لوگوں کو تو کالے پانی بھیجنا ہے۔"

"کیا کہا.... کالے پانی؟" آصف نے چونک کر کہا۔

"ہاں کالا پانی۔"

"کیا یہ کسی جگہ کا نام ہے؟" فرحت بولی۔

"ہاں! تم لوگ کس بات پر حیران ہو رہے ہو؟"

"کالا پانی ایک تاریخی نام ہے.... ہم مسلمانوں کے لیے.... ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے انگریزوں کو اپنے ملک سے نکالنے کی جدوجہد شروع کی تھی.... پھر اس تحریک آزادی میں خاص طور پر علمائے کرام شامل ہو گئے.... ان کی تحریک نے بہت زور پکڑا اور انگریز پریشان ہو کر رہ گیا.... پھر اس کے بعد جو علما پکڑے گئے.... وہ انھیں کالا پانی بھیجتا تھا.... یہ سمندر پار ایک بہت خوفناک جیل تھی.... اس میں تہ خانے بھی تھے۔ ان تہ خانوں میں ان عالموں کو قید کر کے ان پر کوڑے برسائے جاتے تھے.... مطلب یہ کہ وہاں ظلم کی انتہا کی جاتی تھی.... بس یہی وجہ ہے کہ ہم کالا پانی کا نام سن کر چونک اٹھے تھے۔"

"یہ کالا پانی خیر وہ کالا پانی تو نہیں ہے.... لیکن لوگوں کے لیے اس کالے پانی سے زیادہ سخت جیل ہو گی، اس کا نام کالا پانی رکھا گیا ہو۔" انچارج نے

"ٹھیک ہے.... آپ شوق سے ہمیں کالے پانی بھیج دیں۔"

ہمارا اللہ مالک ہے۔"

اور انھیں ایک بند گاڑی میں وہاں سے روانہ کر
دیا گیا.... تین گھنٹے کے سفر کے بعد پہاڑوں کے درمیان
گھری ایک وادی میں گاڑی دوڑ رہی تھی - اس وادی کے
درمیان.... یعنی جہاں چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہی پہاڑ تھے
ایک پتھروں سے بنی ہوئی جیل تھی.... اس جیل کو دیکھ کر
ہی ان کے کلیجے منہ کو آنے لگے.... تاہم آصف نے پرسکون
آواز میں کہا۔

"بھئی واہ! یہ تو انکل بہت خوفناک ہے.... ہم سوچ
بھی نہیں سکتے تھے۔"

"اگر سوچ لیتے تو وہیں سے فرار ہونے کی کوشش کر
لیتے۔" آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"خیر کوئی بات نہیں.... یہاں کر لیں گے.... کوشش
ہی کرنا ہے نا۔" فرحت بولی۔

"ہا ہا ہا۔" انھیں لانے والوں نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔

"یہ قہقہہ کس خوشی میں لگایا ہے بھائیو آپ نے۔"
آفتاب مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

"تمھاری بات سن کر.... اس جیل سے نکل کر اگر تم دکھا
دو گے تو نہ صرف یہ کہ تمھیں رہائی عطا کر دی جائے گی...

اپنے ملک جا سکو گے بلکہ انعام کے بھی حق دار ہو گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔ اب انعام تیار رکھیں....
بلکہ بہتر رہے گا.... آپ انعام کا بھی اعلان کر دیں کہ کیا
انعام دیں گے۔"

"دس ہزار ڈالر۔"

"شکریہ بہت بہت.... تیار رکھیں.... آپ کا نام؟"

"مجھے میجر قارانی کہتے ہیں۔"

"شکریہ مسٹر میجر قارانی...."

جیل کا دروازہ کھلوایا گیا.... دروازہ بھی پتھر کا
تھا.... جیل کی دیواریں اس قدر بلند تھیں کہ ان کی بلندی کو
دیکھ کر ہول آتا تھا۔ پھر دیوار پر پندرہ منٹ کے فاصلے
پر ایک کلاشن کوف بردار موجود تھا.... جیل کے چاروں کونوں
پر مشین گنیں نصب تھیں.... جیل کے بیچوں بیچ ایک
مینار تھا.... بہت اونچا.... اس سے نہ صرف یہ کہ رات کے
وقت چاروں طرف سرچ لائٹ ماری جاتی تھی بلکہ اس پر
طیارہ شکن توپ بھی نصب تھی.... کہ اگر ہوائی حملہ ہو
جائے تو پھر جیل کی حفاظت کی جائے.... جیل کی دیواریں
اس قدر موٹے پتھر کی تھیں کہ اس کو توڑنا پھوڑنا ناممکن
نظر آتا تھا جوں جوں وہ اندر بڑھتے گئے.... جیل کا ہول

ان کے دل پر چھا آ چلا گیا.... اور یہ سوال ذہن میں ابھرتا چلا گیا.... کیا ہم اس جیل سے نکل سکیں گے؟

اندر داخل ہونے کے فوراً بعد ان کے نام ایک رجسٹر میں درج کیے گئے.... اس میں ان کی کوٹھڑی کا نمبر لکھا گیا.... اور جیل کے ملازمین کو ان کے بارے میں ہدایات دی گئیں.... اب وہ انھیں اندر لے کر چلے۔ بیرونی آدمی یہاں سے واپس لوٹ گئے۔

"مگر.... کاش" آفتاب نے سرد آہ بھری۔

"خالی کاش کس کام کا۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"اب جیل میں بھرا ہوا کاش کہاں سے لاؤں۔" آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

"کیا لڑ جھگڑ کر یہاں سے بھی نکلواؤ گے۔" آصف نے آنکھیں نکالیں۔

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہوگی۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"اچھا یار کان نہ کھاؤ.... نہ کوئی بات سننے کو جی چاہ رہا ہے.... نہ کچھ بولنے کو۔"

"تم خاموش رہو.... کیوں بول رہے ہو۔" فرحت ہنسی۔

"فرحت تم ان حالات میں ہنس سکتی ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں.... ہنسنا زندگی کی علامت ہے.... مطلب یہ کہ میں ابھی زندہ ہوں۔"

"خیر مرے تو ابھی ہم بھی نہیں۔"

"مایوسی بھی تو ایک قسم کی موت ہے۔"

"ہاں یہ بات بھی ٹھیک ہے.... لو دیکھ لو.... میں نے اس مایوسی کو دور پھینک دیا۔" آفتاب نے کہا اور ہشاش بشاش نظر آنے لگا۔

پھر انھیں کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا.... کوٹھڑی کیا تھی.... میروں کی چار دیواری.... جس میں چھت کے پاس ایک ننھا سا سوراخ تھا.... جس کو روشن دان کی صورت نہیں کہا جا سکتا تھا.... لیکن وہ سوراخ بہرحال ہوا کے نکلنے کے لیے رکھا گیا تھا.... کوئی انسان اس میں سے کیا بچہ تک داخل نہیں کر سکتا تھا.... وہ گیا دروازہ، وہ بھی پتھر کا تھا.... لوہے کا ایک موٹا راڈ باہر کی طرف سوراخوں میں لگا دیا جاتا تھا.... جس سے دروازہ بند ہو جاتا تھا اور جب تک راڈ نہ نکالا جائے.... دروازہ کھل نہیں سکتا تھا.... کوٹھڑی کے اندر آ کر ان کے دل ایک بار پھر بیٹھنے لگے۔

"لو.... میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔" فرحت نے ڈوبتی آواز

میں کہا۔

"خدا کے لیے اس کو اٹھاؤ۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"کک.... کس کو؟"

"دل کو.... اور کس کو، بیٹھا جا رہا ہے نا۔"

"مطلب یہ کہ حوصلہ جوان رکھو.... ہم اس جیل سے بالکل اس طرح نکل جائیں گے جس طرح مکھن میں سے بال نکل جاتا ہے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"مکھن.... ارے باپ رے۔" آفتاب گھبرا گیا۔

"کیوں! مکھن سے اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"مکھن نے بھوک چمکا دی ہے اور پھر مجھے اپنا ہم یاد آ گیا ہے.... اللہ جانے آج کل شوکی برادرز کہاں ہوں گے۔"

"حد ہو گئی.... مکھن سے شوکی برادرز تک جا پہنچے حضرت۔" فرحت نے جھلا کر کہا۔

"یہ لوگ پتا نہیں کھانا اندر ہی دیتے ہیں یا باہر نکال کر کھلاتے ہیں۔" ایسے میں آصف نے کہا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔" آفتاب نے پوچھا۔

"اس کوٹھڑی سے باہر نکل کر کھانا چاہتا ہوں۔" آصف ذرا بولا۔

"تمھاری یہ خواہش ان لوگوں تک پہنچا دی جائے گی۔" فرحت نے مسکرا کر کہا۔

"نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔" فرحت نے کہا۔

"ہم اپنی آواز خود سن لیں گے کہ، تم فکر نہ کرو۔" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"بہت خوب.... باتیں کرنے سے مایوسی کسی حد تک کم ہوتی ہے۔" آصف بولا۔

"فکر نہ کرو.... یہ بالکل ختم ہو جائے گی اور امید کے ستارے چمکنے لگیں گے۔"

"اللہ کرے جلد چمکنے لگ جائیں۔" فرحت نے دعا مانگی۔

وہ سوچ میں ڈوب گئے.... پہلا مرحلہ کوٹھڑی سے نکلنے کا تھا، کوٹھڑی سے نکل جاتے تو بھی جیل کی بہت اونچی دیواریں ان کے لیے ایک خوفناک مسئلہ تھا.... اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی جس کی مدد سے کوٹھڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر سکتے.... فی الحال انھیں یہ

دیکھنا تھا کہ ان لوگوں کا طریقہ کار کیا ہے.... وہ کس
کس طرح دیتے ہیں.... رفع حاجت کے لیے کیا کرتے ہیں
کوٹھڑی میں تو کوئی لیٹرین وغیرہ تھی نہیں...

[illegible]، دو گھنٹے بعد کوٹھڑی کا دروازہ کھلا.... کلاشن
کوفوں والے نظر آئے.... کلاشن کوفیں ان کی طرف تانی
ہوئی تھیں۔

"تمہارا کھانا" ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک ٹرے
اندر داخل کر دی گئی.... اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

"مجھے لیٹرین جانا ہے" آفتاب چلایا۔

"لیٹرین وغیرہ کے لیے یہاں اوقات مقرر ہیں۔ صبح سے
پہلے تم اس کوٹھڑی سے نہیں نکل سکتے.... صبح جب نکالے
جاؤ گے تو لیٹرین بھی جا سکو گے۔ غسل بھی کر سکو گے اور
دو گھنٹے کے لیے جیل کے اندر ادھر ادھر گھوم پھر بھی سکو
گے.... دو گھنٹے بعد جب تمہیں پھر کوٹھڑی میں بند کر دیا
جائے گا تو پھر اگلے دن صبح سے پہلے نہیں نکل سکو گے....
صبح کا ناشتہ، دوپہر اور رات کا کھانا تمہیں اندر ہی کھانا
ہوگا.... سن لیا۔"

"جی ہاں.... لیکن اس وقت تک میں کیا کروں؟"

"صبر.... اپنے اوپر کنٹرول۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"نہیں ہو سکتا تو پھر ہم کیا کریں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازے میں لوہے
کا راڈ لگا دیا گیا۔

"تو یہ ہے یہاں کا طریقہ.... خیر صبح دیکھیں گے۔"
انھوں نے کھانا زہر مار کیا.... بہت بدمزہ تھا....
لیکن انھیں کھانا پڑا.... رات جیسے تیسے گزری.... صبح
دیر سے انھیں ناشتا دیا گیا.... ناشتا بھی کھانے کی طرح
بہت خراب تھا.... لیکن انھوں نے وہ بھی پیٹ میں اتار
لیا۔ اب ان کے پاس دو گھنٹے تھے.... دو گھنٹے تک وہ
گھوم پھر سکتے تھے.... انھوں نے بغور اس جیل کا جائزہ لیا
وہاں سے نکلنا واقعی قریب قریب ناممکن نظر آیا۔

"کوئی راستا نظر نہیں آ رہا.... کوئی صورت نظر نہیں آتی....
اور میرا دل ایک بار پھر بیٹھنے لگا ہے۔" فرحت نے دبی
آواز میں کہا۔

"اپنے دل کو سنبھالو.... اور حالات کا جائزہ لیتے رہو....
ضرور کوئی نہ کوئی بات سمجھ میں آ جائے گی۔"

وہ گھومتے رہے.... جائزہ لیتے رہے.... آخر دو
گھنٹے بعد سپیکر کے ذریعے کوٹھڑیوں میں جانے کا اعلان ہوا۔

پھر جیل کے نگران کوٹھڑیوں کے دروازے بند کرنے لگے...
ان کی کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا.... اب وہ صبح تک
کے لیے پھر کوٹھڑی میں تھے....

جیل کی دیوار پر چڑھنے کے لیے بھی ان لوگوں نے
سیڑھیاں دیوار کے باہر کی طرف بنائی ہیں.... نگرانی کرنے
والے باہر سے چڑھتے ہیں اور اسی طرف سے واپس چلے
جاتے ہیں.... کسی طرح اگر ہم دیوار پر چڑھ جائیں تو پھر
فرار ہونا آسان ہے۔" فرحت نے جلدی جلدی کہا۔

"سوال تو یہی ہے نا.... چڑھ کیسے جائیں۔"

"بس! کسی نہ کسی طرح.... کاش ہمارے پاس انکل محمود
خان کی رسی ہوتی.... جس کے ایک سرے پر آنکڑا بندھا
ہوتا.... پھر ہم آسانی سے اس دیوار پر چڑھ سکتے تھے"

"خیالی پلاؤ پکانے سے کچھ نہیں ہو گا.... یہ سوچو.... ہم رسی
کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔"

"کل جب دو گھنٹے کی سیر کریں گے.... اس وقت صرف
اور صرف یہ بات سوچیں گے۔"

"اوہ ہاں! تینوں مل کر سوچیں گے۔" آفتاب نے اداس لہجے میں
کہا۔

دوسرے دن وہ گھومتے رہتے اور رسی کو ذہن میں

رکھ کر سوچتے رہے.... آخر ایک جگہ ان کی نظریں اٹک
گئیں.... ان کے قدم رک گئے۔ بے شمار قیدی رسیاں بٹ
رہے تھے.... گویا جیل میں لوگوں سے مزدوری بھی لی جاتی
تھی.... وہ شاید نئے تھے، اس لیے ابھی انھیں کسی کام
پر نہیں لگایا گیا تھا۔

شاید ان میں سے کبھی کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں
آئی ہو گی، جو کہ ان کے ذہن میں۔"

"پھر.... اب کیا پروگرام ہے؟"

"اس کا ایک گولا کسی طرح پار کرنا ہو گا۔" آصف
بولا۔

"اور پکڑے جانے کی صورت میں ہماری جو مرمت ہو گی....
وہ بھی دیکھنے کے قابل ہو گی۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"ویسے بھی یہاں کون سا سکھ مل رہا ہے.... اگر مرمت ہو
گئی تو بھی کیا ہے۔"

"اچھی بات ہے.... اب تم میری ترکیب سنو۔"

یہ کہہ کر اس نے دبی آواز میں ترکیب بتائی.... ان
کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی....

"ٹھیک ہے.... عمل شروع کر دو، اس جگہ کوئی نگران
نہیں ہے۔"

فرحت رسی بنانے والوں کی طرف بڑھی اور
بری طرح پھسل گئی .... اور بری طرح لڑھکتی ہوئی
کے گولوں کی ڈھیر پر جا کر گری .... اس کے منہ سے
بھی نکل گئی

رسی بنانے والے تو اس کے گرد جمع ہوئے ہی
آس پاس موجود قیدی بھی اس طرف جھپٹ پڑے....

"کیا ہوا بے بی .... کیا ہے بیٹی .... خیر تو ہے....
جلی آوازیں ابھرنے لگیں۔

لیکن بے بی بے حس پڑی رہی .... آخر دو منٹ
اس نے آنکھیں کھولیں .... اور بولی۔

"مم .... مجھے شاید چکر آ گیا تھا .... یا میرا پاؤں پھس
گیا تھا...."

"اوہ اچھا اچھا۔"

قیدی ادھر ادھر ہونے لگے .... وہ بھی اٹھ بیٹھی
آصف اور آفتاب نے اسے سہارا دیا اور اپنی کوٹھڑی
کی طرف چل پڑے

"میری بے ہوشی کے دوران کچھ کیا یا نہیں۔"

"دو گولے ہمارے لباس کے نیچے موجود ہیں .... فکر
کرو" آصف مسکرایا۔

"یہ ہوئی نا بات ! بہت خوب ! لیکن بھئی .... اس کے
...ے پر باندھنے کے لیے انگوٹھا کہاں سے لائیں"
...ت نے کہا۔

"دعا کرو ! انکل منور علی خان بھی قیدی بن کر یہاں آ
...اں .... اس طرح انگوٹھے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"
...اب بولا۔

"...حد ہو گئی .... اگر وہ کسی طرح قیدی بن کر آ بھی
...اتے ہیں .... تو کیا جیل کے حکام انھیں ان کے تھیلے سمیت
اندر آ جانے دیں گے" فرحت نے جل بھن کر کہا۔

"اوہ ہاں ! یہ بھی ٹھیک ہے .... خیر کل ہم انگوٹھے کی
...م کی کوئی چیز تلاش کرنے کی کوشش کریں گے" آصف
...نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ! یہی میں کہنے والی تھی .... اب سوال یہ
...ہے کہ یہ گولے رکھیں کہاں" فرحت نے چاروں طرف ایک
نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اپنی کوٹھڑی میں رکھیں گے اور کہاں رکھیں گے"

"ہرگز نہیں .... ان دو گولوں کی چوری کا پتا بہت جلد
جیل کے حکام کو چل جائے گا .... یہ بات چھپی نہیں رہے گی
تم دیکھ لینا" فرحت نے دبی آواز میں جلدی جلدی کہا۔

"اچھا دیکھ لیں گے.... اللہ نے آنکھیں دی ہیں دیکھنے کے لیے.... دیکھیں گے کیوں نہیں" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا.... کیا یہاں بھی لڑو جھگڑو گے ہم سے"

"نہیں! یہاں تم لڑو جھگڑو گے مجھ سے" آفتاب نے اسے گھورا۔

عین اس وقت خوفناک آواز والا الارم بجنے لگا۔

کالا پانی

انھوں نے دیکھا میجر درانی کے سامنے الیاس بھائی ایک کرسی پر بھیگی بلّی بنا بیٹھا تھا.... انھیں اندر آتے دیکھ کر اس کا رنگ اور بھی زرد پڑ گیا:

"انسپکٹر کامران مرزا اسے پہچانتے ہو"

"ہاں! میری آنکھ ان کے گھر میں کھلی تھی" وہ پُرسکون آواز میں بولے کیونکہ اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"کیوں حرام خور.... تو نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی.... انھیں اٹھا کر لانا تمھارا کام تھا یا پولیس کا"

"جی.... پولیس کا.... لیکن ان کی حالت بہت خراب تھی.... جسم میں گولیاں ہی گولیاں لگی تھیں.... اگر میں دیر کرتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"خیر مان لیا.... لیکن گھر میں اٹھا لانے کے بعد تو
فون کر سکتے تھے"

"اس وقت میں ڈرا ہوا تھا کہ پولیس مجھ پر سختی نہ کرے۔"

"وہ تو تم پر اب بھی ہوگی"

"نن نہیں سر.... مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔"

"غلطی نہیں الیاس بھائی.... جرم.... تم نے جرم کیا
ہے.... ہماری ریاست کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے
اس کی سزا تو تمھیں ملے گی"

"مجھے معاف کر دیں.... آیندہ ایسا نہیں کروں گا"

"آیندہ کے لیے تم زندہ رہو گے تو ایسا کر سکو گے نا"

"نن نہیں.... اتنا خوفناک فیصلہ نہ کریں.... اچھا چلیے
مجھے ایک دو سال کی سزا سنا دیں"

"وہ بھی سنائی جائے گی.... پہلے تم پانچ سال تک جیل
میں رہو گے.... پھر تمھیں پھانسی دی جائے گی"

"نن نہیں.... نہیں.... نہیں" وہ چلا اٹھا۔

"جتنا جی چاہے چلاؤ" میجر درانی نے کہا

"آپ فکر نہ کریں.... آپ میری وجہ سے اس مصیبت
میں مبتلا ہوئے ہیں.... میں ہی آپ کو اس سے نجات
دلاؤں گا" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا کہا.... آپ اور اس شخص کو اس مصیبت سے
نکالیں گے"

"ہاں! اس لیے کہ انھوں نے مجھ پر احسان کیا ہے۔"

"مسٹر انسپکٹر کامران مرزا.... آپ شاید بھول رہے ہیں
کہ آپ بھی قیدی ہیں اور اسی طرح ہمارے شکنجے میں
ہیں"

"کوئی پروا نہیں! اب زندگی رہے یا جائے... الیاس
بھائی کی مدد ضرور کی جائے گی۔"

"خبردار!" میجر درانی غرایا۔

"کس بات پر خبردار کر رہے ہیں" انھوں نے منہ
بنایا

"اس بات پر کہ آپ بہت بڑھ چڑھ کر وعدے کر رہے
ہیں.... ان دعووں کو پورا کرنا آپ کے لیے بہت مشکل ہو
گا.... آپ نہیں جانتے.... کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں"

"آپ اپنا پورا زور لگا لیں.... میں الیاس بھائی کو ساتھ
لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا"

"مجھے آپ کا یہ چیلنج منظور ہے...."

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے گھنٹی بجا دی....
اور مسلح آدمیوں کے جوتوں کی آوازوں سے عمارت گونجنے

لگی .... پھر ایک آفیسر اندر آیا۔

" یس سر "

" اس کا نام ہے انسپکٹر کامران مرزا .... سنا ہے کبھی

" جی بہت اچھی طرح "

" یہ اس وقت ہمارے قیدی ہیں .... غیر قانونی طور

ہماری ریاست میں داخل ہوتے ہیں۔

" اوہ ! ان کے لیے کیا حکم ہے "

" حکم بعد میں .... پہلے ان کا دعویٰ سن لیں .... ان

کہنا ہے یہ ہماری قید سے نکل جائیں گے .... اور سا

ہی اپنے مددگار کو بھی لے جائیں گے "

" مددگار .... کیا مطلب ؟ اس نے چونک کر کہا۔

میجر نے الیاس بھائی کے بارے میں اسے بتا

" تب پھر میرے لیے کیا حکم ہے سر "

" انھیں جیل پہنچا دو .... اور یہ جیل سے نکل نہ سکیں "

" جیل سے آخر یہ کیسے نکل سکیں گے .... یہ بات

حلق سے ہی نہیں اترتی "

" بس ! یہ ان کا دعویٰ ہے .... تمھیں اس دعوے کو

ناکام بنانا ہے "

" آپ فکر نہ کریں سر .... یہ کیا ان سے بڑے بھی

سے نہیں نکل سکیں گے "

" بہت خوب ! لیکن اگر میرے سننے میں یہ بات آئی کہ

فرار ہو گئے ہیں تو ان کی بجائے خود تمھیں جیل

میں رہنا پڑے گا "

" نہیں سر .... آپ فکر نہ کریں .... ایسا نہیں ہو گا "

" تو پھر تم ابھی اور اسی وقت انھیں جیل لے جانے

کا انتظام کرو .... اور ہاں .... انھیں اندر ان کی کوٹھڑی

تک پہنچا کر آنا "

" لیکن سر .... انھیں ان کی کوٹھڑی تک پہنچا کر واپس

میں کس طرح آسکتا ہوں .... ! اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

" کیوں .... کیوں نہیں آ سکتے ؟ "

" مجھے تو ان کی حفاظت کی خاطر جیل کے اندر ہی

رہنا پڑے گا "

" اوہ اچھا ! یہ اور اچھی بات ہے کیپٹن تارا " میجر نے

خوش ہو کر کہا۔

" چلیے صاحب ! آپ کو بڑے گھر کی سیر کرا دیں "

" ہیں اگر چاہوں تو آپ مجھے بڑے گھر بھی نہیں لے

جا سکیں گے .... لیکن میں ذرا آپ کی جیل کو دیکھنا

چاہتا ہوں "

"اگر یہ بات ہے تو اپنی کوشش کر کے دکھا دیں۔
پھر کوشش ترک کر کے جیل چلے جائیں۔" میجر ہنسا۔

"بہت خوب!"

ان الفاظ کے ساتھ ہی بجلی سی کوند گئی۔"
اور پھر سب لوگوں نے دیکھا ..... میجر قارانی کی گردن ان
کے بازو کی گرفت میں تھی ..... پتا نہیں یہ کیسے ہوا
تھا ..... کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

"مسٹر میجر ..... اب ان لوگوں کو آرڈر دو .....
یہاں سے نکل جائیں۔"

"نک ..... نکل ..... جاؤ۔"

وہ دھک سے رہ گئے کہ یہ کیا ہوا اور ...
وہ جانے لگے تو انسپکٹر کامران مرزا نے پکار کر ...

"کیپٹن تارا صاحب ..... اب آپ کیا کہتے ہیں .....
کوئی کام دکھاؤں ..... یا تم اپنی ہار مانتے ہو۔"

کیپٹن نے مڑ کر اپنے میجر کی طرف دیکھا ...
گر رہا ہو ...

"اب میں کیا کروں سر؟"

"جاؤ ..... نکل جاؤ ..... ورنہ میری گردن کی ہڈی ٹو...
اس نے بمشکل کہا۔

کیپٹن تارا مایوسانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑ گیا۔
اس وقت انھوں نے گردن چھوڑ دی اور پرسکون آواز
میں بولے:

"آ جائیں مسٹر تارا اور مجھے جیل لے چلیں ..... میں نے
میجر کی گردن چھوڑ دی ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ سب مڑے ..... اور
میجر کو آزاد دیکھ کر رک گئے۔

"کیا حکم ہے سر؟"

"پکڑ لو اسے ..... اب یہ میرے نزدیک نہیں پھٹک سکتا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔
لیکن پھر ایک اور عجیب بات ہوئی ..... چشم زدن میں
انسپکٹر کامران مرزا پھر حرکت میں آئے اور پستول ان کے
ہاتھ میں تھا ..... اور پھر ..... پستول کی نال بھی میجر کی
کنپٹی پر نظر آئی۔

"اب انھیں حکم دو ..... آگے بڑھیں اور مجھے گرفتار
کر لیں ..... اور میں انھیں حکم دیتا ہوں ..... جونہی یہ آگے
بڑھیں گے ..... میں فائرنگ کر دوں گا۔"

ان کے ہاتھ پیر پھر پھول گئے ..... کیپٹن اور اس
کے ماتحت ساکت رہ گئے .....

"اب آپ کیا کہتے ہیں مسٹر قارانی؟"

"مم.... میں.... میں معافی چاہتا ہوں.... آپ کو کچھ
میں ہم نے غلطی کی ہے.... ہم آپ سے مذاکرات کرنے
کے لیے تیار ہیں۔"

"نہیں میجر.... تم لومڑی کی طرح چالاک ہو.... دھوکا دو
گے.... لہٰذا میں کیپٹن تارا کے ساتھ جیل جا رہا ہوں
اب جیل سے فرار ہو کر دکھاؤں گا.... تو آئیں مسٹر تارا"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ کمرے سے باہر نکل آئے
میجر ساکت بیٹھا رہ گیا.... شاید آج سے زیادہ بے عزتی
کی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ کیپٹن کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا
اس کے آدمی پہلے ہی انسپکٹر کامران مرزا کو گھیرے میں
لیے تھے.... لیکن ساتھ ہی وہ محسوس کر رہے تھے کہ
کا یہ گھیرا بالکل فضول ہے اور یہ شخص اس گھیرے کو جب
جی چاہے توڑ کر فرار ہو سکتا ہے.... انھیں حیرت
بھی تھی کہ پھر آخر وہ جیل کیوں جا رہا ہے.... اور یہ سوال
کیپٹن نے کر ہی ڈالا۔

"انسپکٹر کامران مرزا.... ہم یہ بات جان گئے ہیں کہ آ
کو قید میں نہیں رکھ سکیں گے.... آپ اس وقت بھی
ہو سکتے ہیں.... سرحد پار کر جائیں گے.... پھر بھی آخر آ

یں کیوں جانا چاہتے ہیں.... کم از کم وجہ تو بتا دیں۔"

"اس کی ایک وجہ ہے.... فی الحال میں وہ وجہ نہیں
بتا سکتا.... ہاں جیل میں جا کر شاید بتا سکوں۔"

"میں اب جیل میں رہوں گا.... آپ مجھے وجہ بتا دیجیے
گا.... پھر میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا۔" کیپٹن نے
ی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ خود بھی دبی آواز میں بولے۔

"آج آپ نے جو سلوک میجر کے ساتھ کیا.... اس سے
ا خون سیروں بڑھ گیا.... یہ شخص ہمیشہ دوسروں کی بے عزتی
تا رہتا ہے.... لیکن آج اس کے ساتھ جو ہوئی ہے۔ و
اب پوری ریاست میں پھیل کر رہے گی.... اور یہ آپ
مہربانی سے ہوا ہے.... اب میجر کو ملازمت سے ہاتھ
نا پڑیں گے اور مجھے ترقی ملے گی۔"

"بہت خوب! لیکن اگر ہم سے بھی جیل سے بھاگ نکلا
یا پھر بھی آپ کو ترقی ملے گی؟"

"اس صورت میں شاید نہ ملے.... لیکن افسوس نہیں
ے گا۔"

انسپکٹر کامران مرزا مسکرا دیا.... اور پھر انھیں جیل
لایا گیا۔ ابھی ان کے نام وغیرہ کا اندراج ہو رہا

تھا کہ اچانک الارم بجنے لگا.... وہ چونک اٹھے.... کیپٹن
تارا نے جیل سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا ہے جناب"

"خطرے کا الارم .... جیل میں کوئی گڑبڑ لگتی ہے....
میں ابھی پتا کرتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی۔
فوراً ہی ایک پولیس مین اندر آیا۔

"پتا کرو .... جلدی سے.... الارم کیوں بجایا ہے"

"یس سر" اس نے کہا اور باہر نکل گیا.... ایک منٹ
بعد وہ واپس آیا اور عجیب سے انداز میں بولا:

"جیل کی تاریخ کی عجیب ترین واردات ہوئی ہے
سر"

"رسی کے دو گولے چرائے گئے ہیں سر"

"یہ کیا بات ہوئی .... کسی کو رسی کے گولے چرانے
کی کیا ضرورت ہے بھلا!"

"میں اس سوال کا جواب کس طرح دے سکتا ہوں
سر.... ہاں چرانے والا ضرور دے سکتا ہے"

"پتا کرو جا کے.... اور پوری بات بتاؤ آ کر" اس نے
جھلا کر کہا۔

اور وہ بدحواس ہو کر باہر نکل گیا....

"اور یہ انسپکٹر کامران مرزا ہیں...

"ہاں! لیکن آپ ان کے ساتھ ذرا بھی سختی
نہیں کریں گے" کیپٹن تارا مسکرایا۔

"کیا یہ میجر قادانی کا حکم ہے" اس کے لہجے میں
حیرت تھی

"نہیں! یہ میرا حکم ہے" کیپٹن تارا نے کہا۔

"آپ کا حکم مجھ پر نہیں چل سکتا"

"تب پھر ان کی حفاظت کا حکم براہ راست مجھے
دیا گیا ہے.... آپ چاہیں تو وہ حکم دیکھ سکتے ہیں"

"ہاں! ذرا دکھا دیں"

اس نے آرڈر نکال کر دکھایا....

"تو آپ جیل میں ہی رہیں گے.... ان کی حفاظت
کے لیے"

"یہی سمجھ لیں" اس نے کہا۔

"تب مجھے کوئی اعتراض نہیں" ہم تو حکم کی تعمیل
کریں گے" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

اسی وقت وہی پولیس والا پھر اندر آیا:

"رسی کے گولے پراسرار انداز میں چرائے گئے ہیں سر....
گڑبڑ ہو سکتی ہے.... سب لوگ اب آپ کے حکم کا انتظار

کر رہے ہیں۔

"اچھی بات ہے.... ان سے کہہ دیں.... سب قیدیوں کی تلاشی لی جائے گی۔ اور جس کے پاس سے رسی کے ٹکڑے ملیں.... انھیں میرے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

"او کے سر" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"انسپکٹر کامران مرزا کو ان کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا جائے کیپٹن صاحب کو ان کے آس پاس کوئی کمرہ دیا جائے" اس نے نیا حکم دیا۔

پھر انھیں اندر لایا گیا.... اندر ہر طرف ہل چل سی مچی ہوئی تھی.... پھر پولیس والے بھاگ کر قیدیوں کو کوٹھڑیوں کی طرف ہانک رہے تھے.... آخر انھیں ان کی کوٹھڑیوں میں پہنچا دیا گیا....

"اب آپ کو دوسری صبح اس کوٹھڑی سے نکالا جائے گا.... آپ دو گھنٹے تک ادھر ادھر جیل کے اندر گھوم پھر سکیں گے۔"

"شکریہ کیپٹن" وہ مسکرا دیے اور کیپٹن ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا....

انھوں نے کوٹھڑی کا جائزہ لیا.... اور اندازہ لگا لیا کہ اس کا دروازہ یا کوئی اور حصہ توڑا پھوڑا نہیں

جا سکے گا.... گویا وہ باہر نکلنے پر ہی کچھ کر سکتے تھے.... باہر ابھی تک بھاگ دوڑ جاری تھی.... اور پھر ایک ایک کوٹھڑی کی تلاشی لی جانے لگی.... ان کی کوٹھڑی کی باری آئی تو کسی نے کہا....

"یہ اس واقعہ کے بعد آیا ہے...."

لہذا تلاشی لینے والے آگے بڑھ گئے.... دوسرے دن انھیں ناشتے کے بعد کوٹھڑی سے باہر نکال دیا گیا.... انھوں نے ایک طویل سانس لیا اور ایک جگہ کھڑے ہو کر قیدیوں کو دیکھنے لگے.... پھر ایک قیدی کو روک کر انھوں نے پوچھا۔

"کل جو دو رسی کے ٹکڑے گم ہو گئے تھے.... ان کا کہیں پتا چلا یا نہیں؟"

"جی نہیں.... جیل کی تلاشی ابھی تک جاری ہے۔"

"اوہ اچھا" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

قیدی آگے بڑھ گیا.... ایسے میں ان کی نظریں ایک سمت میں جم کر رہ گئیں پھر خود بخود ان کے قدم رکنے لگے.... ان کا دل اب زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اور وہ اس بات پر حیران سے تھے کہ دل کیوں دھڑک رہا ہے۔

چور

"یہ الارم کہیں ہمارے لیے خطرے کا گھنٹا تو نہیں؟"
آصف نے گھبرا کر کہا۔

"ہوسکتا ہے، ان لوگوں کو رسی کے دو ٹکڑوں کی گمشدگی کا پتا چل گیا ہو۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"تب پھر کیا کریں.... گولے تو ہمارے پاس موجود ہیں۔" آفتاب بولا۔

"ان کو فوراً ادھر ادھر چھپا دیتے ہیں۔" فرحت نے جلدی سے کہا۔

"لیکن کہاں.... سوال تو یہ ہے۔"

"یہیں کہیں.... پودوں کے درمیان.... ورنہ کوٹھڑیوں کی تو زبردست پیمانے پر تلاشی لی جائے گی۔" فرحت نے کہا۔

"ہوں....." وہ دونوں ایک ساتھ بولے۔

اور انھوں نے دوسروں کی نظریں بچا کر ایک پودے کے پاس چھوٹا سا گڑھا بنایا۔ زمین نرم تھی۔ لہٰذا گڑھا فوراً بن گیا.... دونوں گولے انھوں نے گڑھے میں رکھے اور اوپر مٹی ڈال دی.... زائد مٹی انھوں نے پودے کی جڑوں کے پاس ڈال دی.... اور وہاں سے سرک کر اپنی کوٹھڑی میں آ گئے.... اب ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے.... جلد ہی تمام قیدی کوٹھڑیوں میں داخل ہو گئے.... اور ان کے دروازے بند کر دیے گئے تھے.... پھر باری باری تمام کوٹھڑیوں کی تلاشی لی جانے لگی.... تلاشی لینے والوں کے ساتھ رسی بنانے والے بھی تھے.... وہ ہر کوٹھڑی والے کو غور سے دیکھتا.... اس دوران تلاشی لینے والے کوٹھڑی کی تلاشی لیتے اور پھر سب آگے بڑھ جاتے۔ اس طرح ایک ایک کر کے کوٹھڑیوں کی تلاشی جاری رہی.... آخر ان کی بھی باری آ گئی.... جونہی رسی بنانے والوں کی نظریں ان پر پڑیں.... وہ چلا اٹھے:

"وہ.... وہ یہی تھے۔"

"بہت خوب!" تلاشی لینے والے مسکرائے۔

"جج.... جی.... کیا مطلب؟"

"مطلب تو تمھیں سپرنٹنڈنٹ صاحب بتائیں گے... پہلے ذرا ان کی کوٹھڑی کی تلاشی لے لو۔" اس کے انچارج نے کہا۔

کوٹھڑی کی تلاشی لی گئی... لیکن گولے وہاں کہاں تھے کہ ملتے...

"جلدی بتاؤ... گولے کہاں ہیں؟"

"افسوس!" آصف بولا۔

"افسوس کیا؟"

"بس افسوس!" آفتاب بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" انچارج نے چونک کر کہا۔

"جی پتا نہیں... کوئی بات ہوئی ہے یا نہیں۔"

"یہ تو عجیب سے بچے نظر آتے ہیں... انھیں سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس لے جانا ہی ہوگا اور پھر گولے بنانے والوں نے بھی صرف انھی کی طرف اشارہ کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے سر... لے چلتے ہیں... ہمارے چور اگر ہیں تو یہی"

اور پھر انھیں سپرنٹنڈنٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ چند لمحے تک تو انھیں گھورتا رہا پھر بولا۔

"جلدی سے بتا دو... گولے کہاں ہیں... تم لوگوں کے

بچنے کی بس یہی ترکیب ہے... ورنہ کھال اتروا دی جائے گی۔"

"کھال اُترا دی جائے... یا اُتھا دی جائے... ہمیں کوئی پروا نہیں..."

"گویا تم نہیں بتاؤ گے کہ رسیاں کہاں ہیں۔"

"کمال ہے... پہلے آپ ہمیں چور تو ثابت کریں۔"

"رسیاں بنانے والے بھی تمھاری طرف ہی کیوں اشارہ کرتے ہیں؟"

"ہماری بہن وہاں پھسل گئی تھی... بس اس بنیاد پر یہ شک کر رہے ہیں... حالانکہ پیر تو پھسل ہی جاتے ہیں۔ کیا یہ کوئی انوکھی بات ہے؟"

"پتا نہیں انوکھی ہے یا نہیں... مجھے بھی تم لوگوں پر ہی شک ہے۔"

"آخر ہم اس رسی سے کیا فائدہ اٹھا لیں گے، کیا کوئی فائدہ اُٹھایا جانے کا امکان ہے اس جیل میں۔ ذرا پہلے اس بات پر غور کریں۔"

"فرض کرو... کوئی امکان نہیں ہے... تب پھر کسی کو یہ گولے چرانے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"آخر یہ بات کس طرح کہہ دی گئی کہ گولے چرائے گئے

ہیں۔"

"گولوں کو ساتھ ساتھ گنتی ہوتی رہتی ہے.... پھر تمام دن میں جتنے گولے بنتے ہیں.... وہ نوٹ کر لیے جاتے ہیں.... آج انھوں نے جتنے نوٹ کروائے.... اس سے دو کم نکلے.... اور ان کے حساب میں فرق نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ ان کا روز کا کام ہے۔"

"آپ یہاں تلاشی لے لیں.... اگر گولے ہمارے پاس سے مل جائیں تو جو چور کی سزا وہ ہماری۔"

"تم لوگوں نے گولے کہیں چھپا دیے ہوں گے"

"تو آپ پوری جیل میں تلاش کر لیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے...."

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔"

"ہمارے پاس اس سے آسان طریقہ موجود ہے۔" وہ ہنسا۔

"اور وہ کیا۔"

"تم لوگوں کو اُلٹا لٹکا دیا جائے تو کیا خیال ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے.... اُلٹے لٹک کر ہم آپ کو کیسے لگتے ہیں.... یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں.... اُلٹے لٹک کر تم سچ بولتے ہو یا نہیں۔"

"کوشش کر لیں.... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" آصف نے منہ بنایا۔

اور پھر انھیں اُلٹا لٹکا دیا گیا....

"آپ ہمیں اُلٹا لٹکا تو رہے ہیں.... لیکن ایک بات سوچ لیں۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

"کیا سوچ لیں...." جیلر نے اسے گھورا

"یہ کہ جو لوگ دوسروں کو اُلٹا لٹکاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انھیں اُلٹا لٹکائیں گے۔"

"پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔"

"اگر اتنی آسان بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو مشکل بات کیا سمجھ میں آئے گی۔"

"حیرت ہے، تم اُلٹے لٹک کر بھی سیدھے نہیں ہوتے۔" جیلر بولا۔

"اس طرح بھی کوئی سیدھا ہوا ہے کبھی۔"

"تم تو کر دو گے میرا دماغ خالی۔" وہ چلایا۔

"اس میں پہلے ہی کچھ نہیں ہے.... ہم بے چارے کیا خالی کریں گے۔"

"اب میں تم پر کوڑے بھی برسواؤں گا۔"

"یہ حسرت بھی پوری کر کے دیکھ لو۔ ان شاء اللہ
کی کھاؤ گے۔"

"یہ لوگ تو اس قابل ہیں کہ ان کی گردنیں مار دی
جائیں۔" اس نے گرج دار آواز میں کہا۔

"اور آپ کس قابل ہیں .... یہ بھی سوچا ہے کبھی
فرحت ہنسی۔

"یہ اب سوچوں گا .... ان پر کوڑے برساؤ۔" وہ
آواز میں بولا۔

اس وقت تینوں نے محسوس کیا .... کہ بلاوجہ
پٹانگ باتیں کر کے انھوں نے اسے غصہ دلا دیا۔ لیکن
کیا ہو سکتا تھا۔ غصہ اب تو وہ دلا چکے تھے۔

اور پھر ان کے جسم پر کوڑے لگائے جانے
لگے .... اس پر بھی وہ چیختے رہے .... یہاں تک کہ
ہو گئے .... ہوش میں آنے تو ایک بار پھر کوڑے
لگے .... لیکن انھوں نے بھی رسی کے گولوں کے بارے میں
نہ کہا .... اور تنگ آکر جیلر نے کہہ دیا کہ رسی
گولے ان لوگوں نے نہیں چرائے۔ لہٰذا انھیں اتار کر
کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا .... دو دن تک وہ اپنی
سے نہ نکل سکے .... نہ کچھ کھا سکے .... تیسرے دن کچھ

کے قابل ہوئے .... پھر باہر بھی نکلے .... وہ آہستہ آہستہ چلے
جا رہے تھے کہ اچانک کوئی ان کے راستے میں آ گیا ....

ان کی نظریں اٹھیں اور پھر ان کے دل زور سے
دھڑکے .... وہ انسپکٹر کامران مرزا تھے۔

"آپ ابا!"

"اور یہ تم تینوں کی کیا حالت ہے۔"

"بس دیکھ لیں۔"

"تو وہ گولے تم نے چرائے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ! آپ نے اندازہ لگا لیا۔"

"اپنی کوٹھڑی کی طرف چلو ...." انھوں نے دبی آواز
میں کہا۔

وہ کوٹھڑی کی طرف چلے .... کچھ فاصلے سے وہ بھی
ان کے پیچھے چلنے لگے .... ان کی کوٹھڑی دیکھ کر انھوں نے
انھیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا .... یہاں تک کہ انھیں
اپنی کوٹھڑی تک لائے .... پھر نزدیک آکر بولے:

"اب یہ بتاؤ .... گولے کہاں ہیں۔"

"ہماری کوٹھڑی کے سامنے ایک پودے کے پتوں
میں۔ لیکن ہم ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جب
تک کہ کوئی آنکڑا نما چیز نہ مل جائے۔"

"ہو گا۔۔۔ اس کا انتظام میں کر لوں گا۔۔۔۔ تم پر گ
کہاں برسائے گئے تھے!"

"آئیے۔۔۔۔ وہ جگہ بھی دکھا دیتے ہیں۔"

اب وہ اس کمرے کی طرف آئے جس میں ا
اُلٹا لٹکایا گیا تھا۔۔۔۔ پاس سے گزرتے ہوئے انھوں
اس کمرے کا جائزہ لیا۔۔۔۔ پھر لوٹ آئے۔۔۔۔

"لیکن ابا جان۔۔۔۔ سوال تو یہ ہے کہ ہم رات کو
سے کیسے نکلیں گے؟"

"میں اس پر آج رات غور کروں گا۔۔۔۔ تم لوگ
اگر تم کوئی دھماکا سنو تو ہوشیار ہو جانا۔"

"دھماکا۔۔۔۔ آخر آپ دھماکا کس طرح کریں گے؟"

"میں نے سگریٹ پینے والے دو تین مزدوروں کی
سے ماچس کے پیکٹ پار کیے ہیں۔۔۔۔ بس کسی نہ کسی طرح
کر گزروں گا۔"

"اوہ بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔ آپ کے آنے
کام کی رفتار تیز ہو گئی۔"

"لیکن ان کے ٹولے بھی کم اہم نہیں ہیں۔" وہ مسکرا
وقت ہوتے ہی انھوں نے اپنی اپنی کوٹھڑیاں
کیا۔۔۔۔ وہ دھماکے کا انتظار کرنے لگے۔۔۔۔ ادھر انسپکٹر کامرا

اپنا کام شروع کر دیا۔۔۔۔ انھوں نے ماچس کی دیا سلائیوں کا
اتار کر اپنی گھڑی کے خول میں بھرا گھڑی کی مشینری انھوں
نکال لی تھی۔۔۔۔ پھر اپنے فالتو کپڑے اتار کر آگ لگا
۔۔۔ جب انھوں نے کسی حد تک آگ پکڑ لی تو آگ
حد تک بجھا دی کہ کپڑے صرف سلگتے رہے اور دھواں دیتے
جب کوٹھڑی اچھی بھلی دھوئیں سے بھر گئی تو پھر انھوں
ایک دیا سلائی کو ماچس پر رگڑا اور گھڑی کے خول میں
ہوئے بارود کو آگ لگا دی۔

ایک دھماکا ہوا۔۔۔۔ اگرچہ دھماکا ہلکا سا تھا۔۔۔۔ لیکن اس
کے نگران اس طرف ضرور متوجہ ہو گئے۔۔۔۔ تیز تیز قدم اٹھاتے
جب وہ ان کی کوٹھڑی کے پاس آئے تو اس سے
اں اٹھ رہا تھا۔

ادھو! اندر تو آگ لگ گئی ہے۔۔۔۔ کھولو جلدی۔"
ن نے کہا۔

لوہے کا راڈ ہٹا دیا گیا۔۔۔۔ دروازہ کھولا گیا۔۔۔۔ تو انہیں
ڑی کے درمیان میں انسپکٹر کامران مرزا لمبے لیٹے نظر آئے۔
اں کا ڈھیر تو اس وقت تک راکھ بن چکا تھا۔۔۔۔ لہٰذا وہ
نہ سمجھ سکے۔

یہاں دھواں ہے۔۔۔۔ اسے باہر گھسیٹ

انھوں نے ان کے ہاتھ پاؤں پکڑے اور باہر لائے.... دروازے کے پاس ہی انھیں لٹا دیا گیا.... ان پر جھکے ہی تھے کہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑی.... کی طرح وہ حرکت میں آئے اور انھیں دھن کر رکھ دیا پھر راڈ اٹھا لیا ، لگے ہاتھوں انھوں نے ان کے سروں پر ایک ایک راڈ بھی رسید کر دیا تاکہ وہ جلد ہوش میں آ کر ان کے لیے پریشانی کا سبب نہ بن سکیں - اب انھوں نے ان کی کوٹھڑی کا رُخ کیا - وہاں پہنچے اور راڈ اٹھا کر دروازہ کھول دیا -

دھماکے کی آواز سن کر وہ سمجھ گئے تھے کہ اب یہ لوگ آنے والے ہیں "

"ہاں ! آصف نے راڈ اٹھا لیا.... فرحت تم رسی کا گولا اٹھا لو "

"لیکن آگے کیا کریں گے "

" دیکھا جائے گا.... اب چاہے کچھ ہو جائے.... جیل سے نکل جائیں گے.... ہمیں اپنے ساتھیوں کی پہنچانا ہے.... ہم سختیوں نے پھنسا دیا...."

"فی الحال ہم کوٹھڑی میں ہی کیوں نہ بیٹھ کر کام

"ہاں ہم اس راڈ کو بھی آنکڑے کے طور پر رسی سے باندھ لیتے ہیں " انسپکٹر کامران مرزا بولے -

"لیکن ہمیں یہ اندازہ نہیں کہ رسیاں کس حد تک مضبوط ہیں "

"دیکھیں گے " انھوں نے سر کو جھٹکا دیا -

اب انھوں نے کوٹھڑی میں بیٹھ کر ایک راڈ کو اس سے باندھ دیا.... اس قدر مضبوطی سے کہ رسی اس سے نکل نہ سکے.... دونوں کونوں کو آپس میں بھی باندھ دیا.... اب ان کے پاس ایک لمبی رسی تھی.. جس کے سرے پر ایک راڈ بندھا ہوا تھا.. دوسرا راڈ آصف کے پاس تھا.... راڈ وہ بھی لے سکتے تھے.... لیکن اس طرح کئی قیدی باہر نکل آتے اور شور مچتا -

وہ کوٹھڑی سے نکل آئے.... دروازہ بند کر دیا.... اس بندھا ہوا راڈ انسپکٹر کامران مرزا کے ہاتھ میں تھا.... انھیں سرچ لائٹ سے بچنا تھا اور ادھر اُدھر گھومنے والے پہرداروں سے بچنا تھا - ان دونوں باتوں کا خیال رکھتے ہوئے انھوں نے اس بات کا جائزہ لینا شروع کیا کہ راڈ دیوار پر کس جگہ اٹک سکتا ہے.... وہ جگہ ہوتی بھی ایسی چاہیے تھی....

ایسی جگہ تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا... اور کوشش کے باوجود انہیں ایسی جگہ نظر نہ آ سکی۔

"خطرہ مول لینا ہو گا.... ہمارا راڈ صرف ان چار برجیوں میں اٹک سکتا ہے۔ جن سے نگران لگے کھڑے ہیں... مطلب یہ کہ پہلے میں ایک نگران کے سر کا نشانہ لوں گا۔"

"اس طرح اس کی چیخ بلند ہو سکتی ہے.... راڈ کے ٹکرانے کی آواز پیدا ہو گی۔"

"ہاں! یہ سب کچھ ہو گا.... لیکن ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"تو پھر بسم اللہ کریں۔"

انھوں نے آصف سے وہ راڈ لے لیا جس پر رسی ہوئی نہیں تھی اور اس برج کے قریب ایسی جگہ چلے آئے جہاں سے نگران کا نشانہ لیا جا سکتا تھا.... اور جب سرچ لائٹ گزر گئی تو انھوں نے اس کے سر کا نشانہ لے کر راڈ پھینک مارا.... راڈ اگرچہ وزنی تھا اور اس قدر اونچائی پر اس کو پھینکنا آسان کام نہیں تھا.... لیکن وہ ایسے کاموں کے عادی تھے.... راڈ سیدھا گرا اور اس کے سر پر لگا.... وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا.... انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ.... دوسرا راڈ برج کے [illegible] کا نشانہ لے کر اس طرح پھینکا

رسی اسی ستون کے گرد لپٹتی چلی گئی.... یہ دیکھ کر ان کے چہرے کھل اٹھے۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی.... انھوں نے اس وقت تک یہ بات بھی محسوس کر لی تھی کہ اپنے سخت ترین انتظامات کی وجہ سے گھومتے پھرنے والے نمبردار بہت کم تھے.... اس لیے ان کا چکر کافی دیر بعد لگتا تھا۔

انھوں نے رسی کو کھینچ کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور فرحت سے بولے۔

"فرحت پہلے تم جاؤ۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور جلدی جلدی رسی پر چڑھنے لگی.... جونہی وہ برج پر پہنچی.... ایک سرد آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ اور آواز منہ سے نہ نکالنا۔"

فرحت کی سٹی گم ہو گئی.... اب اس کے پاس صرف اور صرف ایک ہی راستہ تھا اور اس نے اس پر عمل کیا۔

پھر وہی

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ.... کلاشن کوف کی پر
کیے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی.... اس کے وہم و گمان م
بھی یہ بات نہیں تھی کہ تنی ہوئی کلاشن کوف کے باوجو
کوئی اس پر چھلانگ لگا سکتا ہے.... لہٰذا دونوں دھڑام
گرے اور کلاشن کوف اس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے کی طر
چلی.... ادھر ان سب کی آنکھیں اوپر اٹھی ہوئی تھیں
انھیں اب تک فرحت کی طرف سے میدان صاف ہونے
اشارہ نہیں ملا تھا.... انھوں نے اوپر سے کوئی چیز نیچے آ
دیکھی .... انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً اس کو دبوچ لیا۔
"ارے باپ رے.... یہ تو کلاشن کوف ہے.... اس
مطلب ہے.... فرحت، دشمن سے بھڑ گئی ہے۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ رسی کے ذریعے

تیزی سے اوپر چڑھنے لگے.... اور جب اوپر پہنچے تو انھوں نے
دیکھا.... فرحت دشمن کے ساتھ گتھم گتھا تھی اور بڑی دلیری
سے اس کا مقابلہ کر رہی تھی.... عین اس وقت اس نے اس
کی ناک پر سر کی ٹکر دے ماری.... وہ لڑکھڑا کر گرا.... ساتھ
ہی انسپکٹر کامران مرزا نے اسے دبوچ لیا.... انھوں نے ہاتھ کی
چوٹ جو اس کی گردن پر ماری تو وہ چکرا کر گرا اور پھر نہ اٹھ
سکا۔
"تو اس برج پر دو آدمی تھے جب ایک راؤنڈ لگنے سے
مارا گیا تو دوسرا دم سادھ کر بیٹھ گیا؟"
"ہاں انکل.... میں اوپر پہنچی تو اس نے فوراً مجھ پر کلاشن
کوف تان لی.... مجھ کو جیل سے فرار ہونے کا منصوبہ چوپٹ
ہوتا نظر آیا.... بس پھر میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔"
"تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے
اسے سینے سے لگا لیا۔
اتنی دیر میں آصف بھی اوپر آگیا.... انھوں نے نیچے
جھک کر دیکھا.... آفتاب رسی پر چڑھنے کی تیاری کر رہا
تھا کہ اچانک وہ روشنی میں نہا گیا.... غالباً اس طرح کچھ نقل و
حرکت محسوس کر لی گئی تھی.... اور اچانک سرچ لائٹ روشن
کی گئی تھی۔

جونہی روشنی اس پر پڑی.... ایک آواز گونجی۔

"خبردار.... ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ تم پوری طرح ہماری زد میں ہو۔"

آفتاب نے اوپر دیکھا اور پھر ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ لیکن ساتھ ہی وہ تڑپ سے گرا اور تاریکی میں لوٹ لگا گیا۔ لائٹ فوراً اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگی.... وہ برج کے پائے کی دوسری طرف چلا گیا تھا اور اس طرف لائٹ نہیں پہنچی تھی.... ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً رسی اوپر کھینچ لی.... اور دوسری طرف لٹکا دی۔ ساتھ ہی وہ بولے۔

"آفتاب.... جلدی کرو۔"

آفتاب تیزی سے اوپر چڑھنے لگا.... ادھر سپاہیوں کے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں.... اور لمحہ بہ لمحہ نزدیک آتی جا رہی تھیں.... جونہی آفتاب برج پر پہنچا.... بے شمار پولیس مین ان کے پیچھے آ گئے۔ انھوں نے چاروں طرف سے برج کو گھیر لیا.... لیکن اس کی سیڑھیاں تو باہر کی طرف جا رہی تھیں.... لہٰذا وہ ان سے بچ کر باہر کا رخ آسانی سے کر سکتے تھے.... اس بات کو وہ لوگ بھی جانتے تھے.... لہٰذا فوری طور پر جیل کا الارم بجنے لگا.... اور پھر تو گویا جیل میں دن نکل آیا.... تمام بلب روشن ہو گئے.... گاڑیاں حرکت

میں آ گئیں.... ادھر وہ سیڑھیاں اتر رہے تھے.... ان کے چاروں طرف کافی دوری سے فائرنگ کی جا رہی تھی.... لیکن یہ فائرنگ ان کا کچھ بھی بگاڑنے سے قاصر تھی۔ ہاں دوڑ تھی تو اب صرف یہ کہ وہ سیڑھیاں اتر کر اِدھر اُدھر بھاگ سکتے ہیں یا جیل کے دروازے سے روانہ ہونے والی گاڑیاں ان تک پہلے پہنچتی ہیں....

گاڑیاں روانہ ہو چکی تھیں.... اور مزید ہو رہی تھیں۔

ادھر وہ بلا کی رفتار سے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ آخر ان کے پاؤں زمین سے جا لگے.... دروازے کی طرف سے آنے والی گاڑیاں ابھی فاصلے پر تھیں.... تاہم صرف چند لمحوں بعد وہ یہاں پہنچنے والی تھیں.... انھوں نے اندھا دھند انداز میں دوڑ لگا دی.... لیکن پھر انسپکٹر کامران مرزا کی آواز نے انھیں روک لیا.... وہ ایک گلی کے موڑ پر پہنچ چکے تھے.... تو گاڑیاں سڑک پر سے گزرتی چلی گئیں۔

تھوڑی دیر کے لیے ان سے نجات مل گئی۔ آفتاب نے سکون کا سانس لیا۔

"لیکن اب پوری ریاست میں کھلبلی مچ جائے گی۔" آصف نے کہا۔

"مچ جانے دو.... ہم کیا کریں.... اس میں ہمارا کیا قصور۔"

فرحت نے منہ بنایا۔

اب وہ گلیوں ہی گلیوں میں چلنے لگے.... ان کے قدموں کی آوازوں نے رات کے سناٹے کو چیر کر رکھ دیا، راستے انھیں معلوم نہیں تھے.... کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتے تھے.... بس وہ کسی طرح نکل جانا چاہتے تھے....

"میرا خیال ہے.... یوں بات نہیں بنے گی" ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"جی کیا مطلب؟"

"وقت اگر ان کا ہوتا تو اور بات تھی.... اب ہمیں کسی نہ کسی طرح سرحد کا راستا پوچھ ہی لینا چاہیے۔"

"ہوں ٹھیک ہے.... لیکن جس سے پوچھیں گے.... وہ پولیس کو فون کر دے گا۔"

"اس بارے میں بھی کچھ سوچ لیں گے...."

انھوں نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی.... ایک نوجوان نے دروازہ کھولا.... اور انہیں دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا....

"ہمیں آپ سے صرف راستا پوچھنا ہے۔"

"آ.... آ.... آپ کہیں وہ تو نہیں.... جو جیل سے بھاگ نکلے ہیں۔"

"ہاں! ہم ہیں تو وہی.... لیکن آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ آپ ہمیں صرف سرحد کا راستا بتا دیں۔"

"اچھی بات ہے" اس نے کہا.... پھر انھیں راستا بتانے لگا.... اس کے خاموش ہونے پر انھوں نے کہا۔

"ہم آپ کی بات پر یقین کر لیتے ہیں.... لیکن اتنا سوچ لیں.... اگر یہ راستا ہمیں سرحد کی طرف نہ لے گیا تو ہم پھر آپ کے دروازے پر آئیں گے اور گولیوں کی بارش کر کے چلے جائیں گے۔"

"نن نہیں.... آپ فکر نہ کریں...." یہ کہ کر وہ گھر سے نکل آیا۔ اور انھیں راستا بتانے لگا.... راستا اچھی طرح سمجھنے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہم نے آپ کو رات کے وقت زحمت دی.... آپ کو اس کا تھوڑا بہت معاوضہ ضرور ملنا چاہیے۔"

"نہیں نہیں.... اس کی ضرورت نہیں" اس نے فوراً کہا۔

"ضرورت ہے" انھوں نے کہا اور جیب سے ہاتھ باہر نکالا۔ اس میں ایک ٹائی پن تھی.... دوسرا ہاتھ انھوں نے اندرونی جیب میں ڈالا۔ تو اس میں سے ایک رومال نکلا۔

"اس ٹائی پن کو دیکھ رہے ہیں" وہ بولے۔

"ہاں بالکل۔"

"اس پر ایک فگ لگا ہوا ہے.... وہ نگ ہیرے کا ہے...."

"مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں.... میں اور آپ سے مذاق کروں گا.... یہ پانچ دس ہزار کا ضرور بک جائے گا۔"

"کیا واقعی۔"

"ہاں! یہ لے لیں اور جیب میں ڈال لیں۔"

اس نے ڈرتے ڈرتے پن جیب میں ڈال لی۔ ساتھ ہی انھوں نے اس کی ناک سے رومال لگا دیا.... وہ فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

اب انھوں نے اپنا راستہ لیا.... وہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔ اور اس وقت تک وہ اپنا کام کر کے سرحد پر پہنچ سکتے تھے۔

"میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے.... اور وہ یہ کہ الیاس بھائی بھی ہماری وجہ سے جیل میں پہنچ گئے ہیں۔ لہٰذا ہم پہلے انھیں جیل سے نکالیں گے۔"

"کیا مطلب۔ ہم اب پھر جیل جائیں گے۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"اس طرح نہیں.... کہ پھر ہم پکڑے جائیں۔"

"تو پھر....؟" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"آؤ.... بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ سڑک کے کنارے چلنے لگے۔

"یہ کیا.... آپ تو سڑک کی طرف جا رہے ہیں.... اس طرح تو ہم فوراً پکڑے جائیں گے۔"

"بس دیکھتے جاؤ۔"

سڑک کے کنارے وہ کلاشن کوف سنبھال کر اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی مورچہ سنبھالے بیٹھے ہوں.... پھر انھیں ایک طرف سے کچھ گاڑیاں سائرن بجاتی آتی نظر آئیں۔ انھوں نے رائفل تان لی اور ان کی ہیڈ لائٹ کا نشانہ لے کر فائر کھول دیا.... پہلے اگلی گاڑی الٹی.... پھر دوسری.... اس کے بعد تیسری....

وہ سنبھل بھی نہ سکے....

"آؤ بھئی.... ذرا دیکھیں.... یہ لوگ ہمارے کچھ کام آنے کے قابل رہے ہیں یا نہیں۔"

وہ دوڑ کر الٹی ہوئی گاڑیوں کے پاس پہنچے.... کچھ لوگ ہوش میں تھے، کچھ بے ہوش.... زخمی بھی تھے.... انھوں نے ایک گاڑی کو سیدھا کیا.... اس میں

سے زخمیوں اور بے ہوش لوگوں کو نکالا.... گاڑی کی سرچ
لائٹیں بے کار ہوئی تھیں.... ایک زخمی کو انھوں نے
گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھایا اور بولے:

"ہمیں جیل سپرنٹنڈنٹ تک لے چلو...."

"ج.... جی اچھا" اس نے کانپ کر کہا۔

"راستا بتاؤ نا"

اس نے انگلی اٹھا دی.... گاڑی آگے بڑھ گئی۔
جلد ہی وہ جیل سپرنٹنڈنٹ کی رہائش گاہ کے سامنے پہنچ

"تم تینوں اس کے پاس ٹھہرو.... اگر یہ آواز نکالنے
کی کوشش کرے تو سر پہ لاٹھ رسید کر دینا"

"جی بہت اچھا"

جیلر کے دروازے پر کھڑے پہرے دار انھیں
بڑھتے دیکھ کر پہلے ہی چوکس ہو چکے تھے۔ لیکن انھوں نے
ان دونوں کو مہلت نہ دی.... فوراً ڈھیر کر دیا.... پھر دروازہ
کھول کر اندر چلے گئے.... اندرونی دروازے پر پہنچ کر انھوں
نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی.... تھوڑی دیر بعد ایک
ملازم باہر نکلا....

"مجھے جیلر کے کمرے تک لے چلو.... آواز نکالی تو ختم"
وہ غرائے اور کلاشن کوف اس کی کمر سے لگا دی۔

وہ لگا تھر تھر کانپنے
کانپنے کی ضرورت نہیں.... ہم بلاوجہ کسی کو تنگ نہیں
کرتے.... جب ہمیں تنگ کیا جاتا ہے تو پھر ہم اپنے بچاؤ
کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرتے ہیں۔

وہ اندر کی طرف چلنے لگا.... آخر اس نے رک
کر کہا۔

"یہ ہے سر کا کمرہ"

"دستک دو" وہ بولے۔

اس نے دستک دی....

"کیا ہے.... کون ہے"

"سر! یہ میں ہوں.... رام لال"

"کیا بات ہے"

"کوئی صاحب ملنے کے لیے آئے ہیں"

"کہہ دو.... صبح آنا.... پہلے ہی ان دشمنوں کو تلاش کر کر
کے تھک کر چور ہو چکا ہوں"

"اگر آپ نے دروازہ کھولا تو وہ آپ کے کمرے میں بھی
گھس آئیں گے.... لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ خود باہر آجائیں"
کامران مرزا بولے۔

"کیا مطلب" بلند آواز میں کہا گیا۔

…لیے تیار ہو جائیں .... بلکہ میں تو کہتا ہوں .... آپ
…ے لباس میں ہی چل پڑیں۔"
…ات کے لباس میں چل پڑیں .... کچھ تو سوچیں۔"
…پنے کے لیے وقت درکار ہے اور وقت ہمارے پاس
…یں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا۔
…اچھا .... چلیے۔" وہ کانپ گیا۔
اور پھر وہ اس کے ساتھ جیل آئے .... سپرنٹنڈنٹ
…ے کلاشن کوف کی نالی بدستور لگی تھی .... لہذا وہ ان
…کی تعمیل کرتا چلا گیا .... اور اس طرح وہ الیاس بھائی
…ئی کھلوانے میں کامیاب ہو گئے۔
الیاس بھائی کو ساتھ لینے کے بعد اور اسے آزاد
…ے سلسلے میں جن لوگوں کو ساتھ لینا پڑا یا جگانا پڑا...
…روں پر راؤنڈ رسید کرنے کے بعد وہ میجر قاراتی کے
…یے .... وہ انھیں دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔
…۔ آپ ہمارے کام آئیں گے۔"
…یا مطلب؟" وہ چونک کر بولا۔
…اب تو یہ کہ آپ ہمیں سرحد پار کرا دیں گے اور دوسرے
…ر یہ ہمارے ساتھ چکر کیا چلایا گیا ہے... کیوں ہمیں اغوا کیا
… یہ ہمیں صرف آپ بتائیں گے۔"

"مطلب یہ کہ جن دشمنوں کو تلاش کر کے آپ تھک
ہو چکے ہیں، وہ آپ کو مزید چور نہیں کرنا چاہتے
خود ہی آپ کے دروازے پر آ گئے ہیں .... اب د…
اندر ان سے ملاقات کر لیجیے۔" آفتاب نے جلدی جلدی…
"نن نہیں۔" اندر سے بوکھلا کر کہا۔
"نن نہیں سے آپ کی کیا مراد ہے جناب سپرنٹنڈ…
صاحب! ہم سمجھے نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"میں دروازہ نہیں کھولوں گا .... ارے مجھے فون کر…
پولیس کو۔"
"ضرور کریں، اگر کر سکتے ہیں۔"
یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا نے پیچھے ہٹ کر…
پر ایک زبردست ٹکر ماری .... دروازہ دوسری طرف…
اندر داخل ہو گئے .... ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ…
وہ لگا تھر تھر کانپنے۔
"اس قدر کانپنے کی ضرورت نہیں .... آپ کو ہمارے…
جیل جانا ہے۔"
"جج .... جیل جانا ہے .... لل .... لیکن کیوں؟" اس نے…
ہوئی آواز میں کہا۔
"ہاں بس جانا ہے۔ آپ ایک منٹ کے اندر ہمارے

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"ہو سکتا ہے، بات یہی ہو، لیکن .... پھر آپ کو …
پڑے گا کہ ہمیں اغوا کرنے کا حکم آپ کو کس نے د…

"میں نہیں بتا سکتا۔"

"لیکن کیوں .... آپ کیوں نہیں بتا سکتے۔ یہ تو بتا …
ہیں نا آپ۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"نہیں بتا سکتا۔"

اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔" انسپکٹر کامران مر…
آواز میں بولے اور انھوں نے اس کی گردن دبو…
ساتھ ہی اس کا جسم کانپنے لگا۔

"اب کیا خیال ہے .... آپ بتا سکتے ہیں یا نہیں۔"

"بتاتا ہوں۔" اس نے فوراً کہا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ آپ بتا دیں گے .... ہاں …
فرمائیں۔" آفتاب نے کہا۔

"آپ کے ملک کے فرقان غوری نے یہ منصوبہ بنایا تھا …
اس منصوبے میں اس نے ہمیں شامل کیا تھا .... ہماری …
کے والی کو انھوں نے اس سلسلے میں ایک بڑی ر…
دی تھی۔"

"فرقان خاقانی .... وہ مشہور سیاست دان .... جو ہمیشہ …

… کے خلاف کارروائیوں میں مصروف رہتا ہے اور جو ایک بہت
…ی پارٹی کا عہدیدار ہے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں وہی۔"

"اچھا شکریہ .... اب ہم جا رہے ہیں .... لیکن اس بات کی
…یا ضمانت ہے کہ آپ فرقان خاقانی کو خبردار نہیں کریں گے۔"

"نہیں کروں گا! مجھے کیا پڑی ہے، اسے خبردار کرنے کی۔"
…اس نے منہ بنایا۔

"یہ کوئی گارنٹی والی بات نہیں ہوئی .... خیر فی الحال آپ
…ارے ساتھ جیپ میں بیٹھ جائیں .... ہمیں آپ کی مدد سے
…سرحد بھی تو پار کرنا ہے۔ آپ چیک پوسٹ پر اپنا کارڈ دکھا
…ہمیں آگے لے جائیں گے۔"

"اس طرح تو میں بالکل پھنس جاؤں گا۔"

"اگر اس طرح آپ کو بالکل پھنس جانے کا ڈر ہے تو آپ
…ارے ساتھ فرقان خاقانی تک چل سکتے ہیں۔"

"نہیں! میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔"

"تو پھر ایک اور ترکیب ہے .... یہ کہ ہم سرحد کے دوسری
…ن جا کر آپ کو بے ہوش کر دیں گے .... پھر اپنے فوجیوں
…ہدایات دے دیں گے کہ وہ آپ کو اس طرف کہیں ڈال
…یں .... تاکہ آپ کے فوجی آپ کو اٹھا کر لے جائیں .... اس

طرح آپ ہر قسم کے الزام سے بچ جائیں گے۔"

"ترکیب بُری نہیں.... لیکن آپ مجھے بے ہوش کس طرح کریں گے؟"

"سر پر کوئی چیز مار کر....؟"

"اس طرح تو مجھے بہت تکلیف ہو گی.... کوئی دوا سونگھا کر بے ہوش نہیں کر سکتے آپ لوگ۔"

"ہاں! کر سکتے ہیں.... لیکن پھر آپ اپنے آفیسرز کو کیا جواب دیں گے.... سر کی چوٹ تو آپ دکھا سکتے ہیں اور وہ آپ کو بچا لیں گے۔"

"او کے.... یونہی سہی۔"

اس طرح وہ سرحد پار پہنچے.... اور وہاں سے سیدھے فرقان خاقانی کے گھر آئے.... وہاں تک پہنچنے کے لیے انھیں جہاز کا سفر کرنا پڑا اور جب آصف نے فرقان خاقانی کے بیرونی دروازے پر دستک دی تو اس وقت صبح کے تین بج رہے تھے....

ایک منٹ بعد دروازہ کھلا.... اور نہایت ناگوار لہجے میں کہا گیا۔

"کیا بات ہے.... یہ بھی کوئی وقت ہے دستک دینے کا۔"

"آپ نے یہاں لکھ کر نہیں لگایا تھا کہ اتنے بجے سے اتنے بجے تک دستک دینا منع ہے۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"اچھا بتائیں.... کیا بات ہے؟"

"یہ دیکھیں.... یہ کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے کمر کی طرف سے کلاشن کوف نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ وہ لگا تھر تھر کانپنے۔

"کک.... کیا مطلب؟"

"ہاں! اب درست سوال کیا ہے.... اس کا مطلب پوچھ رہے ہو.... یہ کلاشن کوف ہے اور یار آصف کلاشن کوف کا کیا مطلب ہوتا ہے؟"

"خاموش!" انسپکٹر کامران مرزا غرائے، ساتھ ہی انھوں نے ملازم کو اندر کی طرف زوردار دھکا دیا۔ وہ دور جا کر گرا، سیدھا ہوا تو اس کی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا....

"اٹھو اور ہمیں فرقان خاقانی کے کمرے تک لے چلو۔"

ان کی سرد آواز نے اسے سیدھا کر دیا.... وہ تیر کی طرح آگے چلنے لگا.... ایک کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے کہا۔

"صاحب اندر سو رہے ہیں۔"

آصف نے فوراً دستک دی.... کئی سیکنڈ گزر گئے۔

لیکن شاید اندر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔ دوبارہ زور سے دستک دی گئی تو اندر سے بھڑک کر کہا گیا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے....؟"

"سر دروازہ کھولیں" انسپکٹر کامران مرزا نے ملازم کی آواز منہ سے نکالی۔

"کیوں! کیا بات ہے؟"

"کچھ لوگ آئے ہیں.... مثلاً میجر قارانی۔"

"کیا کہا.... میجر قارانی؟"

ان الفاظ کے ساتھ ہی فوراً قدموں کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا.... وہ اسے دھکیل کر اندر داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا گیا.... ملازم بھی ان کے ساتھ اندر تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے گرج دار آواز میں کہا۔

"ایک تو ہمیں بات بات میں باتوں کے مطلب بتانے پڑ رہے ہیں.... بے کوئی تُک" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"حد ہو گئی.... تم چپ نہیں رہ سکتے" انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا اور پھر فرقان خاقانی کی طرف مڑے۔

"ہاں تو مسٹر خاقانی شروع ہو جائیں۔"

"تم لوگ کون ہو.... اور کیا چاہتے ہو؟"

"آپ اس قدر انجان بھی نہ بنیئے.... اگر آپ ہمیں پہچانتے ہی نہیں تو پھر ہمارے اغوا کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔"

"آپ کا چونکنا فضول ہے.... اصل بات کریں.... آپ نے ہمارے اغوا کے لیے پڑوسی ریاست کے ولی سے کیوں سودا کیا.... ہمارے اغوا کی آپ کو کیا ضرورت تھی؟"

یہ کہہ کر وہ بے خوف اٹھا اور کھڑکی کی طرف آیا.... انھیں بھی کھڑکی کی طرف آنے کا اشارہ کیا.... وہ بھی کھڑکی کی طرف آ گئے۔

"وہ باہر دیکھ رہے ہیں آپ...."

ان کی نظریں اس سمت میں اٹھ گئیں.... کھڑکی کے اس طرف سڑک تھی، ذیلی سڑک اور اس سڑک پر ایک عدد سرخ کار کھڑی تھی۔

کیا کہا

"کیا کہا ..." ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اب آپ نے کیا مطلب ... کیوں ..." خاقانی نے کہا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"مجھے اندازہ تھا کہ شاید آپ ... خود اپنی جیبوں سے نکل آئیں گے، لہٰذا میں نے سرخ کار ... کر رکھا تھا ... سو آپ آ گئے ... اس لیے آپ کو دکھا رہا ہوں ... یہ کار آپ کی موت کا پیغام ہے ... آپ خود کو بچا سکتے ہیں تو بچا لیں ..."

"جب ہم آپ کے ساتھ ہیں ... سرخ کار ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟"

"یہ صرف آپ لوگوں کا خیال ہے ... ابھی آپ کو پتا نہیں کہ سرخ کاریں کیا کچھ کر سکتی ہیں؟"

"تو یہ بتا دیں نا؟" آفتاب نے فوراً کہا۔

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ... ابھی آپ دیکھ ہی لیں گے ..." یہ کہہ کر وہ اپنے ملازم کی طرف مڑا۔

"بیرونی دروازے سے نپٹ ہو چکے ہیں نا؟"

"یس سر ... آپ کی ہدایت پر عمل کر چکے ہیں ہم۔"

"کیا مطلب؟" انھوں نے ایک بار پھر کہا۔

"اب آپ بار بار یہ مطلب کیوں کہہ رہے ہیں؟" وہ ہنسا۔

"بس اب ہم لوگوں کی باری آ گئی ..." آفتاب نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"... تم لوگ میرا جو بگاڑ سکتے ہو ... بگاڑ لو ... سرخ کار حرکت میں آ رہی ہے ... اور اب تم اپنی خیر مناؤ ..."

"عید منا نہیں پاؤ گے؟" اس نے ہنس کر کہا۔

"خیر یہ کوئی عید ہے کہ ہم منا نہیں پائیں گے؟" آصف نے جل کر کہا۔

"لیکن یار عیدیں تو ہم ہر سال مناتے ہیں ..." آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

عین اس وقت انھوں نے سرخ کار کو حرکت میں آتے دیکھا ... اس کا رخ خاقانی کی کوٹھی کی طرف تھا۔

"یہ کیا ... یہ تو کوٹھی کی طرف آ رہی ہے۔"

"تم لوگ جہاں ہو گے... یہ وہیں آ گرے گی.... فکر نہ کرو۔"
"کیا کہا...؟" وہ بولے۔
"بھاگو.... جس قدر تیز بھاگ سکتے ہو.... ورنہ یہ تمہیں نہیں چھوڑے گی" اس نے بلند آواز میں کہا۔
"ہم بزدل نہیں کہ بھاگنے لگیں۔"
"تمہارے تو فرشتے بھی بھاگیں گے۔"
"ارے میاں جائیں.... بڑے آئے ہمارے فرشتوں کو بھگانے والے۔" فرحت نے جھلا کر کہا۔
عین اسی وقت کار کوٹھی سے ٹکرائی.... انھیں یوں لگا جیسے کوٹھی زلزلے کا شکار ہو گئی ہو۔
"ارے ارے.... یہ کیا؟"
"سرخ کار کی ٹکر.... ابھی ابھی ان گنت ٹکریں لگیں گی.... پھر یہ کوٹھی تم لوگوں پر آ گرے گی...."
"اور خود تم بچ جاؤ گے" انسپکٹر کامران مرزا نے جل بھن کر کہا
"ہم پر نہیں گرے گی...." وہ ہنسا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"
"ابھی تجربہ ہو جائے گا۔"
انسپکٹر کامران نے ایک مکا اس کی کن پٹی پر دے مارا.... اسے شاید اس کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی....

وہ تیورا کر گرا.... ساتھ ہی انھوں نے اسے اٹھایا اور باہر کی طرف بھاگے.... کوٹھی اسی وقت ایک بار پھر کانپی.... اور ساتھ ہی وہ باہر نکل آئے.... انھوں نے فاتانی کو بھی کار میں ڈالا اور جلدی جلدی سوار ہو گئے.... جونہی ان کی کار چلی.... سرخ کار کوٹھی سے ہٹ کر ان کے تعاقب میں نکل کھڑی ہوئی۔
انھوں نے رفتار بڑھا دی.... لیکن سرخ کار کی رفتار بھی بڑھ گئی اور درمیانی فاصلہ کم ہوتا چلا گیا.... یہاں تک کہ سرخ کار برابر پہنچ گئی.... انھوں نے دیکھا اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی نہیں تھا.... اب وہ ان کے برابر آ گئی تھی.... انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً اپنی کار سڑک سے نیچے اتار لی.... لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کار بھی اس طرف آ گئی.... اور ساتھ ساتھ دوڑنے لگی.... انسپکٹر کامران مرزا خوف محسوس کرنے لگے.... ان کی پیشانی پر پسینہ آ گیا.... لیکن پھر اچانک انھوں نے اپنی کار کی رفتار کم کر دی.... سرخ کار آگے نکل گئی.... اب وہ اس کے تعاقب میں چلنے لگے.... ایسے میں میجر فارانی کو ہوش آ گیا.... اس نے پہلے تو سیدھے ہو کر حالات کا جائزہ لیا، پھر خوف زدہ آواز میں بولا:
"یہ.... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"پہلے سرخ کار ہمارا تعاقب کر رہی تھی.... اب ہم اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"لیکن میں اس کار میں کیوں ہوں؟"

"ہمیں اس چکر میں تم نے پھنسایا ہے۔ لہٰذا تمہیں بھی ساتھ لے آئے۔"

"مم.... مجھے اتار دو.... جلدی کرو۔"

"اب تو آپ ہمارے ساتھ ہی جائیں گے۔" آصف مسکرایا۔

"دیکھو! یہ تمہارے حق میں بہت برا ہوگا۔"

"نہیں برا ہوگا.... اور اگر ہوگا تو تم ساتھ مرو گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

دونوں کاریں تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھیں۔ اور شہر سے کب کی نکل چکی تھیں.... اب سڑک دور تک سنسان تھی.... کبھی کبھار سامنے سے کوئی گاڑی آ جاتی۔ پیچھے سے آنے والی کوئی گاڑی تو خیر انہیں کراس کر ہی نہیں سکتی تھی۔

ایسے میں انہیں ایک آباد علاقے سے بھی گزرنا پڑا.... وہاں چوراہے پر ٹریفک سارجنٹ موجود تھا.... اس نے دو کاروں کو اس قدر تیزی سے آتے دیکھا تو فوراً رکنے کا اشارہ دے دیا، لیکن دونوں کاریں شوں کر کے اس کے

ے گزر گئیں.... اسے غصہ آ گیا.... موٹر سائیکل لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ وہ جانتا تھا.... اس کی موٹر سائیکل بہت تیز رفتار ہے.... کاروں کو بہت جلد پکڑ لے گا.... لیکن اس کا یہ خیال خام ثابت ہوا.... وہ دونوں کاروں کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا.... یہاں تک کہ ناکام ہو کر لوٹ آیا....

ادھر دونوں کاریں بدستور اڑی جا رہی تھیں۔ ایسے میں وہ ایک جنگل میں داخل ہوگئے.... انہوں نے سرخ کار کو ملبے کے ایک ڈھیر کی طرف بڑھتے دیکھا۔

"ارے باپ رے.... سرخ کار سیدھی ملبے کی طرف جا رہی ہے.... یہ اس سے ٹکرا کر الٹ جائے گی۔ آخر یہ رخ کیوں نہیں تبدیل کر رہی.... کیا اس کو دوڑانے والا سو گیا ہے؟"

"جی کیا مطلب.... اس میں تو کوئی بھی موجود نہیں ہے۔"

"موجود نہ ہو.... لیکن کہیں اور بیٹھ کر کوئی تو اسے کنٹرول کر رہا ہے نا.... ہمارا مجرم دراصل وہ ہے۔"

"تو کیا ہم اس تک پہنچنے والے ہیں۔"

"محسوس تو یہی ہو رہا ہے.... ویسے اللہ کو پتا ہے۔"

اور پھر انہوں نے سرخ کار کو نظروں سے اوجھل ہوتے

دیکھا۔

"ارے ..... وہ ..... وہ تو شاید ملبے میں دور تک دھنس گئی" آفتاب چلا اٹھا۔

"ہاں! لگتا تو یہی ہے..." آصف بڑبڑایا۔

ملبے کے پاس پہنچ کر وہ رک گئے..... انھوں نے دیکھا، جس جگہ سرخ کار دھنسی ہوئی تھی۔ اس جگہ کوئی سوراخ تک نہ تھا، وہاں اب ملبہ ہی نظر آ رہا تھا۔

"حیرت ہے..... سرخ کار آخر کس حد تک اندر گھس گئی، سوراخ تک نہیں بن سکا"

"کیوں نہ ہم اس جگہ سے مٹی ہٹائیں" آصف نے کہا۔

"بالکل ٹھیک" فرحت نے کہا۔

دونوں نے آفتاب کی طرف دیکھا..... لیکن وہ خاموش تھا..... اب تو انسپکٹر کامران مرزا بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"حیرت ہے..... تم نے کچھ نہیں کہا۔"

"سوچ رہا ہوں! کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔"

"کچھ تو کہو۔"

"مجھے لگتا ہے..... جیسے یہ ہمارے لیے ایک جال ہے۔ سرخ کار کے ذریعے ہمیں یہاں کھینچ کر لایا گیا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو..... مشکل یہ ہے کہ ہم اس جال میں پھنسنے پر مجبور ہیں، اس لیے کہ ہمارے ساتھی بھی اس کی قید میں ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"تب پھر بسم اللہ کریں۔"

"نہیں" انسپکٹر کامران مرزا نے انکار میں سر ہلایا۔

"جی..... کیا فرمایا نہیں....؟"

"پہلے ہم غور کریں گے..... سوچیں گے..... پھر قدم اٹھائیں گے..... ہمارے ساتھ مسٹر قارانی ہیں..... کیوں نہ ہم انھیں آزما لیں۔"

"بات معقول ہے۔"

انھوں نے قارانی کو کار سے باہر نکال لیا...

"آپ کچھ بتائیں گے یا آپ کو اس ملبے کے نیچے دفن کر دیا جائے۔"

"تم لوگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔"

"اچھا! کمال ہے..... تب پھر میں تمھیں بتاتا ہوں..... ہم تمھارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں یا نہیں۔" یہ کہہ کر وہ اس کی طرف بڑھے..... ایسے میں قارانی نے فوراً کہا۔

"آقا..... مدد۔"

"یہ تم کس آقا سے مدد مانگ رہے ہو۔" انسپکٹر کامران

مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

"سرخ کاروں کے خالق ہے۔"

"اوہو اچھا... تو... دیکھتے ہیں... وہ ہماری مدد کو آتا ہے یا نہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا جیپ ہی کی طرف بڑھے۔

"ارے باپ رے... بچئے... آ... آ... چلا اٹھا"

اور انسپکٹر کامران مرزا نے آؤ... دیکھا نہ تاؤ، چھلانگ لگا دی... سرخ کار ان کے نیچے سے نکل گئی... بات یہ تھی کہ وہ ملبے سے نکلی تھی... اور ابھی ان کا بھی نہیں بنا تھا...

کار آگے جا کر رک گئی۔

"ملبے پر چڑھ جاؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے چلا کر کہا اور خود بھی ملبے کی طرف دوڑ پڑے... پھر ان پر اوپر ہی اوپر چڑھتے چلے گئے۔ سرخ کار اس وقت اپنا رخ بدل چکی تھی اور ایک بار پھر ان کی طرف آ رہی تھی۔

"کیا یہ ملبے پر چڑھ آئے گی۔" فرحت نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں آ... جا... ویسے اس کو اس صدی کی سب سے عجیب ترین ایجاد کہا جاتا ہے۔" انھوں نے کہا

"ارے باپ رے... یہ تو ملبے پر بھی اسی رفتار سے دوڑ رہی ہے۔" فرحت نے بوکھلا کر کہا۔

"ادھر ادھر چھلانگیں لگا دو۔" انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

انھوں نے ایک بار پھر چھلانگیں لگا دیں... ایسے میں انھوں نے ایک اور عجیب منظر دیکھا... سرخ کار کا پچھلا دروازہ ایک دم سے کھلا اور ذارانی نے خود کو اس سے باہر گرا دیا... دروازہ فوراً بند ہو گیا اور ایک بار پھر کار اوپر چڑھتی نظر آئی... جونہی وہ ان کے نزدیک پہنچی... انھوں نے پھر ادھر ادھر چھلانگیں لگا دیں... اس بار جب سرخ کار نیچے اتری تو اس کا رخ ان کی طرف ہونے کی بجائے... ان کی کار کی طرف ہو گیا... وہ ان کی کار سے ٹکرائی۔ ان کی کار بہت دور جا کر گری اور پھر اس کو آگ لگ گئی۔

"لو... کار سے بھی گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے

"ابھی پتا نہیں کس کس چیز سے جائیں گے۔"

"لیکن اب ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

سرخ کار ایک بار پھر ملبے کے اوپر تک آئی اور اس بار اس نے ایک نیا کام شروع کیا... اوپر ہی رہ کر گھومنا شروع کر دیا... وہ اس تیزی سے گھوم کر ملبہ

چاروں طرف اڑنے لگا اور ان کے لیے ادھر ادھر ٹھہرنا
مشکل ہو گیا... وہ نیچے لڑھک گئے... جونہی وہ نیچے گرے
سرخ کار بھی نیچے آگئی ... اور اس کا رخ انسپکٹر کامران
مرزا کی طرف ہو گیا... وہ اچھل کر ملبے پر چڑھتے... کار
بھی ان کے پیچھے چڑھی... یہ دیکھ کر انھوں نے پھر سے
چھلانگ لگائی... وہ پھر نیچے آئی۔

"یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی... بہتر یہ ہوگا
ہم اس کے مقابلے میں اپنی ہار مان لیں۔" فرحت نے
گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا..." آصف بولا۔

"اچھا میں اپنی ہار کا اعلان کرتا ہوں... اے پیاری
اوہ سوری... اے ظالم کار ہم تمھارے مقابلے میں
ہار کا اعلان کرتے ہیں۔" ان کے ان الفاظ کے ساتھ کار
یک دم رک گئی...

وہ حیرت زدہ رہ گئے... دوسرا لمحہ اور بھی حیرت
ترین تھا... جب انھوں نے کار کے تین دروازے کھلے
دیکھے۔

"اوہ! یہ ہمیں بیٹھنے کے لیے کہہ رہی... یعنی کار ہے"
انسپکٹر کامران مرزا چونک کر بولے۔

"تو پھر آئیے... بیٹھتے ہیں... اس بھاگ دوڑ اور اچھل
کود کا بھی کوئی فائدہ تو نظر نہیں آرہا۔" فرحت نے
کہا۔

"ہاں! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔"

اور پھر وہ کار میں بیٹھ گئے... انھوں نے دیکھا کہ
ان کی کار میں پہلے ہی بے ہوش ہو چکا تھا... شاید کار
کی اچھل کود نے اسے بے ہوش کر دیا تھا... جونہی وہ
اندر بیٹھے... دروازے بند ہو گئے اور پھر وہ ملبے سے
دور ہٹتی نظر آئی... کافی دور ہٹنے کے بعد وہ تیز
رفتار سے ملبے کی طرف بڑھی... وہ ملبے میں اس کو
ملبے میں گھستے اور پھر نکلتے دیکھ چکے تھے۔ لہذا انھیں کوئی
خوف محسوس نہ ہوا... وہ ملبے میں گھستی چلی گئی...

اچانک انھوں نے محسوس کیا جیسے وہ کسی بہت ڈھلوان
جگہ پر اتری جا رہی ہے۔ انھیں خوف سا محسوس ہونے
لگا... پھر وہ سیدھی ہو گئی اور انھیں روشنی نظر آنے لگی۔

"شاید اس کی منزل قریب آگئی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید ہماری بھی... یہیں ہمارے ساتھی بھی ہوں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر ایک جگہ کار رک گئی... انھوں نے دیکھا...

وہ ایک بند جگہ تھی .... کار کے دروازے کھل گئے
جس کا مطلب تھا۔ اب انھیں باہر نکلنا ہے ....

وہ کار سے نکل آئے .... تارانی کو بھی انھوں
نے نکال لیا .... وہ اب تک بے ہوش تھا .... پھر کار اس
کمرے سے نکل گئی .... کار کے بعد دروازہ ایک لمحے کے
لیے کھلا تھا .... پھر بند ہو گیا تھا ....

انھوں نے کمرے کی دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھا
شاید فولاد کی بنی ہوئی تھیں .... دروازے پر زور
کر کے دیکھا .... لیکن کچھ نہ بنا .... کئی گھنٹے کی کوشش کے
بعد جب ناکام رہے تو تھک کر بیٹھ گئے .... کمرے میں ایک
آواز ابھری۔

"کیوں انسپکٹر کامران مرزا تھک گئے؟"

"ہاں!" وہ مسکرائے .... وہ جانتے تھے .... انھیں یہاں
اس کار میں لانے والا ہی بول رہا ہے۔

"اس کمرے میں تم لوگوں کو تین دن بھوکے پیاسے
رہنا ہے۔" ان سے کہا گیا۔

"کیا یہ انسانیت کے خلاف نہیں؟"

"نہیں .... لیکن یہ میری مجبوری ہے .... اس وقت اگر
تم لوگوں کو مشینوں میں بند کر دوں تو تم آسانی سے

...ں ہو گے .... تین دن بعد تم میں چلنے جانے کی سکت
نہیں ہو گی .... میرے آدمی تمھیں آسانی سے پکڑ کر بند کر دیں
گے۔"

"کیسی مشینیں .... کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ان مشینوں سے نکلنے کے بعد تم لوگ میرے غلام بن
چکے ہو گے .... جس طرح کہ پہلے ان گنت لوگ بن چکے
ہیں اور یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید پارٹی اور شوکی برادرز بھی
غلام ہو چکے ہیں۔"

"کیا کہا۔"

وہ چلا اٹھے۔

شکریہ غلاموں

انسپکٹر جمشید نے بھرے مجمعے میں ایک طرف نظریں جو اٹھائیں تو دھک سے رہ گئے۔

"ارے باپ رے" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"آپ نے ہمارا یہ جملہ بھی اچک لیا" فاروق نے شکایت بھرے انداز میں کہا۔

"بھئی ایسے ہی منہ سے نکل گیا... تم بھی ذرا اس طرف دیکھو" انھوں نے اشارہ کیا۔

انھوں نے اس طرف دیکھا... اور پھر ان کے منہ سے بھی نکلا:

"ارے باپ رے"

"کیوں!! اب تمہیں کیا ہوا؟"

"جی بس! وہی ہوا، جو آپ کو ہوا تھا... ہم معافی

تے ہیں"

"اس میں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں"

"بہت بہت شکریہ... آپ نے بہر حال ہمیں معاف کر دیا، خیر ہم بھی وہیں چلیں"

وہ اس سمت میں سرکنے لگے... جمگھٹے میں بکھیوں

ں بھنبھناہٹ گونج رہی تھی بس آپس میں بات چیت

بے تھے...

"السلام علیکم" انسپکٹر جمشید نے نزدیک پہنچ کر کہا۔

"ارے! آپ لوگ... وعلیکم السلام" انسپکٹر کامران مرزا

ونک کر مڑے... باقی لوگ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئے...

ب اچھی طرح مل چکے تو پروفیسر داؤد نے کہا۔

ل... لیکن شوکی برادرز کہاں ہیں"

"وہ بھی مجمعے میں ہی کہیں ہوں گے" انسپکٹر جمشید نے

چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

"کیا مطلب... کیا وہ بھی یہاں پہنچ چکے ہیں"

"وہ آپ لوگوں سے پہلے آگئے تھے"

"بہت خوب! تب تو انھیں بھی تلاش کر لیا جائے... تاک

ہم ایک جگہ کھڑے ہوں"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا" آصف نے کہا۔

"لیکن تلاش کرنے کی کیا ضرورت... ہیں منہ سے اُلّو کی

آواز نکال دیتا ہوں۔"

"بہت خوب!" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

اور پھر انھوں نے منہ سے اُلّو کی آواز نکالی...
فوراً فاصلے سے اُلّو کی آواز ابھری... اور وہ اسی طرف
بڑھ گئے... جلد ہی شوکی برادرز ان کے سامنے آ گئے... ان
سے بہت گرم جوشی سے ملا گیا۔

"شوکی برادرز کیا تم مشینوں سے گزارے جا چکے ہو"
انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں! بالکل۔"

"وہ تو ہم بھی ہو آئے ہیں" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا
اور پھر انھوں نے منہ سے اُلّو کی آواز نکالی...

"اوہ... اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"خیر... پہلے تو ذرا اس کی تقریر سن لیں... پھر کہیں
میں بیٹھ کر باتیں کریں گے"

"کیا ہمیں اس قسم کی اجازت ہو گی؟"

"بھئی ہم نے اور سب لوگ آزاد ہوتے ہیں...
کہیں بھی... کہیں بھی بیٹھیں... گھر میں کہیں بھی پھریں..." انسپکٹر
جمشید نے بتایا۔

"یہ تو اس کا بیان ہے... کہ مشینری سے نکلنے کے بعد

لوگ اس کے غلام بن جاتے ہیں... مشینوں سے تو ہم بن
چکے ہیں... لیکن اپنے آپ میں کوئی تبدیلی
ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"تو ابھی آپ صرف ایک بار مشینوں میں ڈالے گئے ہیں..."
وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب!" وہ چونک کر بولے۔

"مطلب یہ کہ ہم جب سے یہاں آئے ہیں... تین بار
ڈالے جا چکے ہیں... پہلی بار ہم نے یہی محسوس کیا تھا کہ
ہم اس کے غلام نہیں بن سکے... دوسری بار خود کو کافی حد
تک غلام محسوس کیا... اور تیسری بار تو ہم مکمل طور پر خود کو
اس کا غلام محسوس کرتے ہیں۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل!" آفتاب نے گھبرا
کر کہا۔

"جب دو بار اور تم مشینوں میں ڈالے جا چکو گے... تو
تم بھی یہی کہو گے۔"

"اور شوکی بھائی... تم کیا کہتے ہو؟"

"ہم بھی خود کو اس کا غلام ہی محسوس کرتے ہیں۔"

"اچھا... کمال ہے... گویا آپ لوگ اس کے خلاف کوئی
کام کرنے کے بارے میں نہیں سوچتے۔"

جب تو لیتے ہیں کبھی کبھار..... لیکن عملی طور پر کوئی قدم اٹھانے کی ذرا بھی ہمت نہیں پڑتی۔"

"لیکن ابھی یہ ہمت ہم میں ہے.... کیونکہ ہمیں ابھی صرف ایک مشین میں بار ڈالا گیا ہے۔"

"تب پھر بار بار بھی دوبارہ ڈال دیے جاؤ گے۔"

"ہم اس سے پہلے ہی... کچھ کر گزریں گے۔"

"ضرور کر گزریں.... ہمیں تو خوشی ہوگی۔"

"تو پھر آپ ہی بتائیں.... ہم کیا کریں.... کہاں سے شروع کریں.... ہم تو ابھی ابھی نئے ہیں.... یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"بے کار ہے کامران مرزا.... اپنی توانائی ضائع نہ کرو۔" ایسے میں پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں! اس لیے کہ ہم بھی کوشش کر چکے ہیں اور بری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے.... جب ابھی آپ کو صرف ایک بار مشینوں میں ڈالا گیا تھا؟"

"ہاں! بالکل۔" وہ فوراً بولے۔

"مجھے ہمیں صرف یہ بتا دیں.... آپ نے کیا کوشش کی تھی؟"

"وہ سامنے عمارت دیکھ رہے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے اشارہ کیا۔

ان کی نظریں اس سمت میں اٹھ گئیں.... ایک بہت طویل عمارت انھیں نظر آئی.... تو اوپر ہی اوپر باقی نظر آ رہی تھی۔ اس کا دوسرا سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہم نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی.... لیکن ذرا سی اونچائی تک جا کے ہم لوٹ آئے۔"

"اوہ!" وہ بولے۔

"اس کے علاوہ ہم نے اس عمارت میں داخل ہونے کی سر توڑ کوشش کی تھی، جس میں شامی بیٹھا ہے...."

"کیا کہا.... شامی؟"

اب انھوں نے پہلے انھیں ثاقب شامی کے بارے میں بتایا.... اس کے بعد انھوں نے کہا۔

"ہم اس عمارت کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکے۔"

"اور اس کے بعد.... تیسری بار مشینوں میں ڈالے جانے کے بعد؟"

"اب تو ایسی باتیں ذہن میں نہیں آتیں.... آ بھی جائیں تو ایک جھٹکے سے ان کو نکال باہر کرتے ہیں۔"

"حیرت ہے.... اگر آپ کوئی کوشش نہیں کریں گے تو

پھر خود کو کیسے چھڑا پائیں گے۔" انسپکٹر کامران
مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ ابھی مشینوں
میں صرف ایک بار ڈالے گئے ہیں۔

"تیسری بار کے بعد باہر آ کر آپ اپنے خیالات کا اظہار
کریں گے... جن کا اس وقت میں کر رہا ہوں۔"

"ایسا نہیں ہو سکے گا...."

"خیر خیر... یہ تو وقت بتائے گا...."

"اب پروگرام کیا ہے...؟"

"باس کوئی خبر سنانے کا... سب کو خبر سنانے کے
لیے جمع کیا گیا ہے۔"

"اور آخر وہ کب آئے گا۔"

"ٹھیک دس بجے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

انھوں نے اپنی گھڑیوں پر نظریں دوڑائیں... پونے
دس بجے تھے... پھر پندرہ منٹ اور گزر گئے اور آخر کار
اس عمارت کی طرف سے انھوں نے سفید لباس میں ایک لمبے
قد کے آدمی کو آتے دیکھا۔ اس کے دائیں بائیں مسلح آدمی
چل رہے تھے... ان کے ہاتھوں میں عجیب وضع کی رائفلیں
تھیں۔ اس قسم کی رائفلیں اس سے پہلے انھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

...ں کے دائیں بائیں کل [illegible] آدمی تھے... پھر وہ ایک
...ٹیج پر چڑھتا نظر آیا... یہ سٹیج اسی عمارت کی سمت
...ں بنایا گیا تھا... گویا ان سب کے منہ اس وقت
...مارت کی طرف تھے۔

اب مجمع بالکل خاموش ہو چکا تھا... ایک ہلکی سی
...ز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ البتہ سانس لینے کی
...واز ضرور وہ سن سکتے تھے... سٹیج کافی اونچا تھا... اس
...ے ایک سرے پر آ کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے پورے
...مع پر نظر ڈالی اور پھر کہنے لگا:

"میرے پیارے غلامو... میرا غلامو کہنا تمھیں ناگوار نہیں
...زرا۔"

"جی نہیں... بہت اچھا لگ رہا ہے۔" سب لوگ بولے،
لیکن ان میں انسپکٹر کامران مرزا پارٹی کی آوازیں شامل نہیں
تھیں۔

"شکریہ غلامو... غلام ہوں تو تم جیسے... اچھا اب تم
لوگ یہ جاننے کے لیے بری طرح بے چین ہو گئے کہ میں
نے آج تم سب کو یہاں جمع ہونے کا حکم کیوں دیا ہے...؟"

"جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب بہت حیران
ہیں، اس لیے کہ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"ٹھیک ہے .... میں بتاتا ہوں .... آج میں نے اپنا [illegible] بالکل مکمل کر لیا ہے .... اس سے پہلے تک اس ایجاد [illegible] چند خرابیاں رہ گئی تھیں، میں ان خرابیوں کو ایک ایک [illegible] دور کرتا رہا اور سرخ کاروں کا امتحان لیتا رہا .... اب [illegible] لائیں گریٹ ایجاد بن گئی ہیں .... ایسی ایجاد جن کا دنیا میں [illegible] ثانی جواب نہیں .... کیا تم مجھے اس عظیم کامیابی پر مبارک [illegible] نہیں دو گے۔"

"مبارک .... مبارک۔" آوازیں گونجیں۔

"شکریہ، میرے غلامو۔"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے [illegible] سب [illegible] دوں نے کہا۔

"اچھا اب سنو .... پروگرام [illegible] ہے .... اب میں [illegible] دنیا میں سرخ کاروں کا جال بچھا دینا چاہتا ہوں۔"

"جی .... کیا فرمایا .... پوری دنیا میں [illegible]" آوازیں ابھریں۔

"ہاں! پوری دنیا [illegible] کاریں پھیلانے کے قابل تو [illegible] ہوں [illegible] ان کاروں [illegible] کے لحاظ آج تم [illegible] کو اطلاع [illegible] وہاں سے تم سب تجربہ گاہ کے [illegible] ہال [illegible] وہاں کرسیاں سجی ہوئی ہیں .... تم نہایت بیٹھے

[illegible] ملک میں لگی ہوتی ہیں۔

[illegible] پر بیٹھ جاؤ گے .... چاروں طرف [illegible] ان سکرینوں پر مختلف مناظر دیکھو گے .... کیونکہ ایک ہی [illegible] یہ سرخ کاریں پورے ملک میں گردش کرتی نظر آئیں گی۔"

"اوہ نہیں ....." کئی آوازیں خوف میں ڈوبی ہوئی ابھریں۔

"ہاں ایجاد [illegible] حکومت میں ہیں .... رہیں گے وہی .... لیکن حکم [illegible] مانیں گے .... جو نہیں مانے گا .... سرخ کار اس کا تعاقب کرے گی اور اس کو جان سے مار دے گی .... ایسی صرف دو چار وارداتیں ہوں گی اور سب لوگ سیدھے ہو جائیں گے .... مجھے میرے غلام بن جائیں گے .... تم اب روزانہ [illegible] چند گھنٹوں کے لیے سرخ کاروں کی کارروائیاں دنیا میں دیکھ سکو گے [illegible] یعنی تفریح کے اوقات میں .... باقی وقت تم مشینوں پر کام کرو گے .... کاروں کے پرزے دھڑا دھڑ بناؤ گے۔ اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے مجھے بہت بڑی تعداد میں کاروں کی ضرورت ہوگی ....."

"لیکن آخر آپ پوری دنیا پر قبضہ کر کے کیا کریں گے۔" لوگ بولے۔

"پوری دنیا کو غلام بنانے کا خواب بہت زیادہ حسین ہے .... تم نے چوں کہ یہ خواب کبھی دیکھا نہیں، اس لیے تم اس کے حسن سے واقف نہیں ہو .... چلو آج کا دن

حیثیت.... جب تک بن چکا ہے.... اپنے ملک میں سرنگ کا اس کی کارروائی دیکھو.... تم نہ صرف کارروں کو دیکھ سکو گے.... بلکہ آوازیں بھی سن سکو گے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر وہ سٹیج سے اترتا نظر آیا.... جب اس کا رخ عمارت کی طرف ہوگیا تو وہ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ یہ کوئی چھوٹی سی جگہ نہیں تھی...... اس کے ایک طرف تو ثاقب شامی کی تجربہ گاہ تھی.... جو بہت بڑی عمارت تھی.... اس کے بالکل دوسری طرف کام کرنے والوں کے لیے کمرے بنائے گئے تھے.... درمیان میں گھومنے پھرنے کی جگہ نہیں تھی.... ایک طرف تیزاب کا تالاب بھی تھا.... یا نہیں وہ تیزاب کو اڑنے سے کس طرح محفوظ رکھتا تھا.... تالاب میں جتنا تیزاب تھا.... وہ اسے ہی دیکھتے چلے آ رہے تھے اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی....

ثاقب شامی کے اندر داخل ہونے کے بعد باقی لوگ بھی ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہونے لگے.... مشینوں نکالے جانے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایک بار انھیں تجربہ گاہ میں داخل ہونا پڑ رہا تھا.... اس نے ایک ہال کی طرف اشارہ کیا.... ہال کے دروازے کھلے تھے....

دروازے پر مسلح پہرے دار موجود تھے.... لیکن ان کے ہاتھوں میں رائفلیں عام قسم کی نہیں تھیں.... عجیب و غریب تھیں۔

وہ لوگ اندر داخل ہونے لگے.... اندر کرسیاں اس طرح بچھی تھیں کہ ہال کی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف لگی ہوئی سکرینوں کو بخوبی دیکھا جا سکے اور ہر شخص کسی بھی سکرین کی طرف دیکھ سکے....

"تم سب اس سکرین پر حرکت دیکھ سکو گے.... ہر سکرین پر منظر بالکل صاف دکھائی دے گا.... ان کا ہر ملک کے بڑے بڑے شہر کے باہر یہ بجتے ہال اندر.... میرے حکم کی منتظر ہیں.... اب پہلے میں اعلان پورے ملک میں سنائی دے گا.... تم لوگ بھی سنو گے۔ اب پروگرام شروع ہونا ہے.... پروگرام کے دوران ہال کے دروازے بند رہیں گے۔"

اور ساتھ ہی دروازے بند کر دیے گئے.... لوگوں کی نظریں سکرینوں پر جم گئیں.... تینوں پارٹیاں ایک ساتھ بیٹھی تھیں اور وہ بھی سکرینوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

آخر یہ حضرت ہمیں کیوں یہ مناظر دکھانا چاہتے ہیں.... ہاں تو یہ پہلے ہی غلام بنا چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے

الجھن کے عالم میں کہا۔

"بتارہ ہم جان جائیں.... کہ کس جال میں پھنس چکے ہیں.... اور اب یہاں اس کا غلام بن کر رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں"

"ہوں.... خیر.... دیکھیں گے بھئی" خان رحمان بولے

عین اس وقت تمام سکرینوں پر ثاقب شامی نظر آنے لگا، وہ کہہ رہا تھا:

"آج پورے ملک کے ٹی وی پروگراموں کو روک کر میں اپنی بات آپ لوگوں کو سنانے لگا ہوں.... آپ میری بات کو غور سے سن لیں.... اس کو ریکارڈ بھی کر لیں.... تاکہ بعد میں سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

میرا پہلا اعلان ہے، آج سے اس ملک کا حکمران میں ہوں.... حکومت میں کام کرنے والے اسی طرح کام کرتے رہیں گے.... دفاتر میں کام اسی طرح ہوتا رہے گا.... ملیں اور کارخانے اسی طرح چلتے رہیں گے فوج اور پولیس اسی طرح کام کرتی رہیں گی۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب حکم ملک پر ملک کے صدر کا نہیں.... میرا چلے گا.... صدر صاحب

صدر ہی رہیں گے.... لیکن وہ میری ہدایات کے مطابق حکومت چلائیں گے.... اگر ان لوگوں نے میری ہر بات پر عمل نہ کیا تو پھر ان کا انجام بہت بھیانک ہو گا اور آپ سب لوگ اس انجام کو دیکھ بھی سکیں گے.... اس کے بعد پھر شاید کسی میں انکار کی جرات نہیں رہے گی"

ہا ہا ہا ہا

ان الفاظ کے بعد اس نے تقریر ختم کر دی .... اب سکرینوں پر لوگ نظر آنے لگے .... وہ اس اعلان کے بارے میں حیرت زدہ تھے .... پورا ملک حیرت زدہ تھا اور بات چیت کر رہے تھے .... کوئی کچھ کہہ رہا تھا تو کوئی کچھ غرض جتنے منہ اتنی باتیں .... جب سکرین پر سرکاری [illegible] آنے لگے .... وہاں بھی اس قسم کے مناظر آنے لگے .... پھر ایک سکرین پر ملک کے ایوان صدر کا منظر نظر آنے لگا زیادہ تر لوگ اس سکرین کی طرف مڑ گئے .... وہاں موجود لوگ بھی یہی جاننا چاہتے تھے کہ صدر صاحب اب کیا فیصلہ کرتے ہیں .... انہوں نے دیکھا، وہاں بڑے بڑے وزراء اور سرکاری افسر جمع تھے .... آخر صدر صاحب وہاں تشریف لے آئے سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ لوگوں کا اس معاملے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"سر! میں معافی چاہتا ہوں جو شخص ہمارے ملک کی تمام نشریات روک کر اپنی آواز اپنی تصویر کے ساتھ لوگوں کے سامنے لے آئے .... ان کاروں کا ہمارے پاس کیا توڑ ہے ....؟" ایک وزیر نے بلند آواز میں کہا

"آپ ٹھیک کہتے ہیں .... لیکن میرا فیصلہ آپ لوگوں کے خلاف ہے۔" صدر صاحب نے پرسکون آواز میں کہا۔

"جی کیا مطلب؟"

"میں اس کے احکامات پر عمل نہیں کروں گا .... چاہے وہ میرا کچھ بگاڑ کر دکھائے ...."

"سر! یہ آپ کیا کر رہے ہیں .... کیا آپ نے سرخ کاروں کی کارروائی کے بارے میں اب تک کچھ نہیں پڑھا اخبارات میں۔"

"پڑھ چکا ہوں .... سن چکا ہوں .... لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ جو مرضی اب وہ کرے گا ....؟" صدر صاحب بولے۔

"لیکن اس کے ہاتھ میں طاقت ہے"

"ہم مقابلہ کریں گے" صدر صاحب!"

"سرخ کاروں کا۔" سب چلائے۔

"آپ سب لوگ ذہنی طور پر پہلے ہی شکست تسلیم کر

بکے ہیں۔ اس لیے آپ کو اپنا کرنا مشکل لگ رہا ہے
لیکن مجھے اس ملک کے لوگوں نے چنا ہے.... میرا اس کی
کی غلامی کو قبول کر لینا گویا پوری قوم کا غلام بننا ہے۔
میرے اقدام سے پوری قوم غلام نہیں بنے گی، میں اس
غلام بننے سے انکار کرتا ہوں۔ اب وہ میرا کچھ بگاڑ کر دکھا
صدر صاحب کا فیصلہ سن کر سب لوگ سناٹے
آ گئے، شاید کسی کو اس فیصلے کی امید ایک فیصد بھی نہیں
تھی....

سر! کیا آپ اچھی طرح سوچ چکے ہیں... ایک انجینئر
اظہار کیا۔

ہاں باجوہ صاحب! میں خوب سوچ چکا ہوں.... اگر
ہماری پوری قوم وہی بات سوچنے لگے جو میں سوچ چکا
ہوں تو اگر وہ ہمارے عوام کے برابر بھی کاربیاں لے آئے
گا۔ تب بھی قوم کو غلام نہیں بنا سکے گا۔"

"کیا مطلب.... وہ بات کیا ہے.... جو آپ نے سوچی
ہے.... "آئی جی مختار احمد حیران ہو کر بولے۔

"ہماری تاریخ کے ایک ہیرو سلطان ٹیپو شہید نے
ایک بات کہا تھا.... آج میں بھی وہی جملہ کہتا ہوں اور
اعلان کرتا ہوں.... پوری قوم اس بات پر عمل کرنے کی ٹھان لے

لیا وہ جملہ سنا رہا ہوں.... وہ سرخ گاردوں سے کیا کر لیتا ہے:
"آخر وہ بات کیا تھی.... جو سلطان ٹیپو نے کہی تھی"
کسی نے حیران ہو کر پوچھا۔
"کس قدر افسوس کی بات ہے.... ہماری قوم کے اتنے
بڑے ہیرو کے تاریخی الفاظ تک آپ کو معلوم نہیں....
آپ لوگ حکومت میں کیسے آ گئے...."
"آپ جانتے ہی ہیں.... ہمیں بھی آخر لوگوں نے منتخب
کیا ہے۔" وزیر مسکرایا۔
"ہاں یہ تو ہے.... اسی لیے اس جمہوریت کو لنگڑی
لولی حکومت کہتا ہوں.... ذرا اس گاردوں سے نمٹ لوں
پھر نئی طرز کی حکومت کا اعلان بھی کر دوں گا۔"
"جی کیا مطلب.... سر.... اب آپ ایک اور نئی بات
کہہ گئے۔"

"ہاں! پورے ملک کے لوگ مل کر اپنے لیے ایک
امیر چنیں گے.... جس طرح اسلام میں ہوتا ہے.... بالکل
اس طرز کی حکومت قائم کریں گے.... جس طرح پوری قوم
نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چنا تھا.... اور
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حکومت کا امیر
رہنے کے لیے ہر قوم میں سے بہترین آدمی چن لیے تھے۔"

بس میں بھی اسی طرز کی حکومت اپنے ملک میں قائم کرنا
چاہتا ہوں ....."

صدر صاحب کے یہ الفاظ سن کر سب لوگ اور حیران
ہو گئے .... عین اس وقت دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی
دیں .... پھر ایک ملٹری آفیسر بدحواسی کے عالم میں اندر داخل
ہوا :

"یہ کیا بدتمیزی ہے .... یہ آنے کا کیا طریقہ ہے؟"
"سر .... سرخ کاریں .... چار عدد ۔"
"سرخ کاریں .... چار عدد .... تو پھر کیا ہو گیا .... اس
میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے .... دوستو .... میں وہ جملہ
سنانا تو بھول ہی گیا .... سلطان فتح علی ٹیپو شہید رح نے
فرمایا تھا گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی
زندگی بہتر ہے ....."

یہ کہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
"سر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟"
"ایوان صدر سے باہر ۔" وہ بولے۔
"یہ آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟"
"اس میں غضب کی کیا بات ہے؟"
"سرخ کاریں .... آپ کے لیے آئی ہیں سر ۔ آئی جی

...نے ۔
ہاں ! میں جانتا ہوں .... اسی لیے تو جا رہا ہوں ....
...ر نہ گیا تو سرخ کاریں اس پوری عمارت کو گرا دیں
...ل ۔ میری وجہ سے ایک اس قدر بڑی سرکاری عمارت تباہ
...ہو ۔ میں تو یہ بھی نہیں برداشت کروں گا اور پھر اس میں
...ارت میں آپ سب لوگ بھی جمع ہیں ۔ لہذا آپ سب لوگ
...یاں ٹھہریں .... میں غلامی کے سو دن کی زندگی پر آزادی کے
...ند لمحات زیادہ بہتر محسوس کر رہا ہوں .... میں نے اس کی
غلامی قبول نہیں کی .... نہ کروں گا۔
ان الفاظ کے ساتھ ہی صدر صاحب تیزی سے باہر
نکل گئے .... آئی جی نثار احمد نے ان کے پیچھے دوڑ لگا
دی ....
"سر! آپ ہمیں ان سے مقابلہ کرنے کی مہلت تو دیں ....
کیا خبر .... ہم ان کو تباہ ہی کر دیں ۔"
"اگر اس بات کا امکان ہوتا تو وہ ہرگز ایوان صدر
کی طرف کاریں نہ بھیجتا ....."
"ہاں ! یہ بات تو خیر ہے .... لیکن ہمیں اپنی کوشش تو
کرنی چاہیے ۔"
"کیا ہم پہلے ان کے خلاف کوششیں نہیں کر چکے ...."

پھر کیا بگاڑ لیا تھا ہم نے کسی ایک مجرم کار کا؟
"اس طرح موت کے منہ میں جانا ٹھیک نہیں۔"
"اور وہ اس پوری عمارت کو تباہ کر دیں گی..... کیا ٹھیک رہے گا۔" صدر صاحب نے جھلا کر کہا۔

آئی جی صاحب کوئی جواب نہ دے سکے۔ صدر صاحب آگے بڑھتے رہے..... باقی لوگوں نے بھی دوڑ دوڑ کر انھیں روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ رکے..... یہاں تک کہ صدر دروازے تک پہنچ گئے.....

"رک جائیے سر..... رک جائیے۔"

"میں اپنے ساتھ اپنی وجہ سے تم لوگوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا..... میں بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کروں گا..... مجھے بچانے کے سلسلے میں قوم کے کسی آدمی کے خون کا ایک قطرہ بھی بہے..... میں یہ پسند نہیں کروں گا..... لہٰذا کوئی میرے پیچھے نہ آئے۔ ہاں! میرے بعد سردار محمد خان صاحب میری جگہ صدر ہوں گے۔ بعد میں یہ ملک میں نئے انتخابات کرا لیں....."

ان الفاظ کے ساتھ ہی صدر صاحب باہر نکل گئے.....

"رک جائیے سر..... رک جائیے....." وہ لوگ بولے۔

انھوں نے مڑ کر ایک نظر سب پر ڈالی..... اور اس واز میں "خدا حافظ" کہا اور آگے بڑھ گئے..... جونہی وہ صدر دروازے سے آگے بڑھے..... چاروں مجرم کاریں ایک ساتھ ان کی طرف بڑھیں..... انھوں نے کسی خوف اور شت کا کوئی مظاہرہ نہ کیا..... لوگوں نے ان کا جسم فضا میں اچھلتے اور پھر پیچھے گر کر ان کاروں کے نیچے کچلا جاتے دیکھا..... اور تھرا اٹھے۔

یہ بھیانک منظر پوری قوم نے بھی ٹی وی سکرینوں پر دیکھا تھا اور سب کے سب سکتے میں آگئے تھے.....

اسی وقت لوگوں نے ٹی وی پر پھر ثاقب شامی کی تصویر دیکھی..... وہ کہہ رہا تھا۔

"آپ نے اپنے ملک کے صدر کا انجام دیکھ لیا..... مجرم کاریں اب تک ایوان صدر کے باہر موجود ہیں..... کسی اور کو آنے کا شوق ہے تو وہ بھی اعلان کر دے۔"

یہ سنسنی خیز اعلان سن کر کوئی کچھ نہ بولا۔ سب پر سکتے کا عالم طاری تھا..... کہ ملک کے صدر اس طرح اپنی جان دے دیں گے..... یہ تو کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔

ادھر انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور سب دم بخود تھے۔ وہ غلام ہونے کے باوجود ثاقب شامی کے لیے دل میں شدید

نفرت محسوس کر رہے تھے..... لیکن ان میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی بالکل جرأت نہیں تھی..... اس وقت انھوں نے دیکھا..... سردار محمد خاں لرزتے کانپتے اپنی جگہ سے اٹھے تھے..... پھر ان کی آواز سنائی دی۔

"ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات..... چار مرزغ کا دیں شہر میں ہر وقت موجود رہیں گی..... جو شخص بھی بغاوت کرے گا..... وہ فوراً اس کے سر پہ پہنچ جائیں گی..... اور اس وقت تک نہیں لوٹیں گی جب تک کہ بغاوت کرنے والے کو دوسری دنیا میں نہ پہنچا دیں۔ اب میرا سب سے پہلا حکم سن لو..... پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی..... سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی کورس کی تمام کتب سے اسلامی تعلیمات والے تمام مضامین بالکل نکال دیے جائیں....."

"کیا!!!" نائب صدر نے چیخ کر کہا..... باقی سب لوگ بھی دھک سے رہ گئے..... انھیں اب معلوم ہوا۔ وہ تو کوئی اسلام دشمن تھا..... سردار محمد خاں سے رہا نہ گیا:

"تو آپ کوئی اسلام دشمن ہیں..... تب پھر تو اشارجہ کے اشاروں پر ناچ رہے ہوں گے....."

"نہیں! میں خود مختار ہوں..... چونکہ مسلمان نہیں ہوں،

اسلام کے خلاف ہوں..... ورنہ میرا اشارجہ سے کوئی تعلق

...

لیکن اگر ہم نے تمام اسلامی مضامین کورس کی کتابوں سے
...نکال دیے..... تو کل جو قوم جوان ہو گئی، اسے
اسلام کی ایک بات بھی معلوم نہیں ہو گی۔"

اس لیے تو میں نے یہ حکم دیا ہے۔"

تو گویا آپ چاہتے ہیں کہ ملک سے اسلام کا نام تک
...ٹ جائے۔"

ہاں! اس صورت میں، میں تم لوگوں پہ بہت زیادہ
...سانی سے حکومت کر سکوں گا..... بلکہ پوری دنیا پہ۔"

ارے باپ رے..... کیا آپ کا پروگرام پوری دنیا
حکومت کرنے کا ہے۔"

ہاں بالکل! یہ بھی بہت جلد ہو گا..... میں پوری دنیا
کا حکمران بننے والا ہوں۔"

"بہت اونچے ارادے ہیں..... لیکن آپ بھول گئے
مسٹر ثاقب شامی۔" نئے صدر نے کہا۔

"کیا بھول گیا میں۔"

"پوری دنیا میں ہمارے اس صدر جیسے ان گنت سرپھرے
ہیں..... وہ پھر بھی آپ کا حکم نہیں مانیں گے..... خاص طور پہ

تین پارٹیاں .... انسپکٹر جمشید پارٹی ، انسپکٹر کامران مرزا پارٹی
اور شوکی برادرز ... یہ لوگ تو کسی طرح غلام نہیں بنیں
آپ کے ۔"

"یہ پہلے ہی میرے قبضے میں ہیں ۔" اس نے ہنس کر
کہا۔

"کیا !!! بے شمار لوگ چلا اُٹھے ....
ان کے ہوش اڑ گئے .... اب تک وہ اس امید پر
تھے کہ ان کے یہ ہیروز ان کے لیے کارنامہ انجام دے
ڈالیں گے .... سرخ کاروں کے بنانے والے سے نمٹا جائے
گے .... لیکن جب انھوں نے یہ سنا کہ ان کے ہیروز تو پہلے
ہی سرخ کاروں کے مالک کی قید میں ہیں تو ان کی چیخیں
گم ہو گئیں ۔

"کیوں ! ہو گئی ساری امیدیں ختم ۔"
کوئی کچھ نہ بولا ....

"اس بار جو نیا نصاب چھپے ، اس میں کوئی اسلامی مضمون
نہ ہو .... جس ادارے کی کتاب میں اسلامی مضمون دکھائی دیا،
اس کی اینٹ سے اینٹ اسی روز یہ کاریں بجا دیں گی ....
ارے ہاں .... میں نے غلطی کی .... پہلے تم لوگوں کو
تو بتا دوں کہ یہ سرخ کاریں ہیں کیا !! .... تم لوگ ان

سے نمٹا سکتے ہو یا نہیں .... جو میں تین گھنٹے آپ کو
دے رہا ہوں .... آپ لوگ ان کاروں پر ہر طرح سے
حملہ کر کے دیکھ لو .... اگر تین گھنٹے کی مسلسل کوششیں اور
وار بھی ان کاروں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں .... تو پھر سمجھ
لینا کہ غلامی آپ لوگوں کا مقدر بن چکی ہے ۔"

"آپ ہماری ان کوششوں کا برا تو نہیں مانیں گے ....
نئے صدر سردار محمد خان بولے ....

"ہرگز نہیں .... اس کی اجازت میں خود دے رہا ہوں ،
لیکن یہ اجازت صرف تین گھنٹوں کے لیے ہے .... تین گھنٹے
کے بعد کوئی کارروائی ہوئی تو نتیجہ خود بھگتنا ہو گا ۔"

اور پھر انھوں نے ان چاروں کاروں کو تباہ کرنے
کی اپنی سر توڑ کوششیں کر ڈالیں ۔ پتھر ان پر برسائے گئے
روں کا تو پوچھنا کیا .... میزائل بھی چلا کر تجربہ کیا گیا .... آخر
میں یہاں تک کیا گیا کہ ایک ہیلی کاپٹر ایک کار پر اتارا گیا ...
تاکہ اس کو نیچے دبا کر ..... تباہ کر دیا جائے .... لیکن
ہیلی کاپٹر سرخ کار کو پکڑنا چاہتا تو نہیں پکڑ سکتا تھا ....
لیکن اس وقت تو چونکہ وہ ایک جگہ کھڑی تھیں اور اپنے
بچاؤ میں کچھ بھی نہیں کر رہی تھیں .... اس لیے وہ ان
کے خلاف کچھ بھی کر سکتے تھے ۔

بیلی کا پٹر بھی ان کا روں کا کچھ نہ بگاڑ سکا...

بھی نہیں پہنچ سکیں۔ آخر ان لوگوں نے ہتھیار ڈال

اس سے اگلے روز سے ہی ثاقب شامی کا حکم پورے

ملک میں گونجنے لگا... ٹی وی پر اس کا حکم نشر ہوتا

اس پر عمل شروع کر دیا جاتا۔ لوگ نے پھول حیران

بند کر دی تھی... دوسرے دن اس نے ایک اور خوفناک

حکم دیا...

"مسجدوں میں اذانیں بند... نمازیں بند... گھروں میں

بھی کوئی نماز پڑھتا نظر آ گیا تو اس کا گھر بھی گرا دیا

جائے گا... گھروں میں وہ خود بھی جل گئے... گویا ان

کے گرنے والے گھروں کے نیچے وہ خود بھی دفن ہو جاتے

گے... یہ احکامات زیادہ کھلبلی مچانے والے تھے

بے شمار مسلمانوں نے کھلم کھلا اعلان کرایا کہ وہ نماز پڑھنا

نہیں چھوڑیں گے... ان اعلانات کے ساتھ ہی سرخ کاریں

حرکت میں آ گئیں... اور جن گھروں سے اعلان کیا گیا تھا

ان گھروں کی طرف بڑھیں... پھر لوگوں نے ان گھروں کو

گرتے دیکھا... جلتے جلتے ان میں رہنے والوں کو دیکھتے

دیکھا... اب تو ان کے ہوش اڑنے لگے... سب لوگ

سوچ میں مبتلا ہو گئے کہ اس طرح وہ بس نام کے

...مان رہ جائیں گے... مسلمانوں والا کوئی کام نہیں کر سکیں

گے... دوسرے یہ کہ مکمل طور پر اس کے غلام بن جائیں

گے... لیکن سوال تو یہ تھا کہ وہ کیا کریں... سرخ کاریں

...ے جو چیز ٹکرا جاتی تھی... تباہ ہو جاتی تھی...

...ت ور ترین بموں کو بے کار ہوتے انھوں نے خود

...یا تھا... ان حالات میں وہ آخر کیا کرتے... پھر

...ی لوگ بغاوت کا علم بلند کر رہے تھے... کبھی کسی

...ف سے آواز آتی... اللہ اکبر اللہ اکبر... اللہ اکبر...

...اکبر... تو کبھی کسی طرف سے...

اذانوں اور نمازوں کا سلسلہ جاری رہا... سرخ

...ریں گھروں کو گرانے کے لیے آتی رہیں ادھر زمین دوز

...نیا میں تینوں پارٹیاں حکمران پر یہ سب کچھ دیکھ کر لرزتی رہیں

...نی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر وہ ایک جگہ آ بیٹھے۔

"یہ ہم نے کیا دیکھا ہے"

"جو کچھ دیکھا ہے۔ وہی ہو رہا ہے"

"سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں... کیا ہم کچھ کر سکتے

ہیں... ثاقب صاحب کے خلاف"

"ہرگز نہیں... میرا دل تو ان کے خلاف کچھ کرنے کو

نہیں چاہتا"

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم واقعی ان کے غلام بن چکے ہیں۔"

"اور غلام کیا بغاوت کریں گے.... ناممکن۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"یہ کس قدر عجیب بات ہے.... کہ ہم ثاقب شامی صاحب کے خلاف سوچ سکتے ہیں.... ان سے نفرت محسوس کر سکتے ہیں.... لیکن ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی اپنے اندر بالکل ہمت نہیں پاتے....

"ہماری برین واشنگ کی گئی ہے.... ان مشینوں میں ڈال کر بھی تو کام لیا گیا ہے....

"ہا ہا ہا۔"

انھوں نے اپنے بالکل قریب شامی کے ہنسنے کی آواز سنی۔

ابھی نہیں

وہ یک دم مڑے.... ثاقب شامی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"آؤ اور آکر مجھ پر حملہ کرو۔" اچانک اس نے کہا۔

"آپ پر حملہ کریں.... یہ آپ کیا کر رہے ہیں آقا۔" خان رحمان نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا میرا حکم نہیں مانو گے۔" اس نے کہا۔

"لیکن سر.... یہ کیسا حکم ہے۔"

"بس جیسا بھی ہے.... تم تعمیل کرو۔"

"لوگ کیا خیال کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے

"کرنے دو.... میں تمھیں حکم دے رہا ہوں.... بلکہ ٹھہرو.... یہ کھیل سب کو دکھاتے ہیں۔"

"جی کیا مطلب.... کھیل۔"

"ہاں بھئی! یہ کھیل ہی تو ہوگا۔"
اس نے وہیں کھڑے کھڑے سب لوگوں کو مخاطب کیا:
"سب لوگ فوراً میدان میں جمع ہو جائیں.... آج تمھیں مزے دار کھیل دکھایا جائے گا۔"
"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"
"خاموش! تم غلام ہو اور غلام بحث نہیں کیا کرتے" وہ غرایا۔
وہ سہم ہو گئے.... بھیگی بلیاں بن گئے.... اور سب لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔
"آج جیسا مزے دار کھیل تم لوگوں نے اس زمینی دنیا میں تو کیا، اوپر والی دنیا میں بھی کبھی نہیں دیکھا ہوگا.... یہ لوگ مجھ پر حملہ کریں گے.... میں وار نہیں کروں گا.... صرف یہ وار کریں گے.... یہ لوگ کوئی عام لوگ نہیں ہیں.... تمھارے ملک کے بہت مشہور لوگ ہیں.... انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز.... سنا ہے انھوں نے فیرال جیسے مجرم کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے.... یہ بھی سنا ہے کہ موت، سی موف، لی.... کالی آنکھ جیسے مجرم ان کے ہاتھوں سے مارے گئے

ہیں.... آج یہ اتنے بڑے لوگ ایک اکیلے پر سب لوگ مل کر حملہ کریں گے.... اور جواب میں ابھی کوئی وار نہیں کروں گا.... صرف ان کے وار برداشت کروں گا.... رہے گا نا مزا؟"
"اس طرح تو یہ آپ کا بھرکس نکال دیں گے۔" کسی نے گھبرا کر کہا۔
"بس دیکھتے جاؤ۔ چلو بھئی حملہ شروع کرو۔"
"آصف بیٹے صرف تم حملہ کرو۔"
"ارے نہیں.... سب مل کر حملہ کرو۔" وہ ہنسا۔
"جی نہیں.... ہم میں سے بیٹے صرف ایک حملہ کرے گا.... آصف۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"میں نے تم لوگوں کو جو حکم دیا ہے.... وہ کرو.... اچھے غلام وہ ہوتے جو فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہیں.... حکم کی وجہ نہیں پوچھتے۔"
آخر وہ مل کر اس پر ٹوٹ پڑے.... سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نے اپنے دائیں ہاتھ کی کہنی اس کے سر پر ماری، لیکن ان کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ ہاتھ کو پکڑ کر بیٹھ گئے.... پھر ان سے نہ اٹھا گیا۔ انھیں یوں لگا تھا جیسے ہاتھ کی ہڈیاں ہیرے سے بھی زیادہ سخت کسی چیز پر

دے مارا ہو۔ پھر جو بھی آگے بڑھا.... اس کا بھی یہی
ہوا.... ایک ایک ہاتھ رسید کر کے وہ سب افراد بیٹھ
گئے.... اپنی تکلیف کو برداشت کرنا بھی ان کے لیے ایک
مشکل کام ثابت ہو رہا تھا۔

"بس بھئی.... ٹھنڈے پڑ گئے.... تو کچھ بھی نہیں
ہوا.... اس طرح کیا مزہ آیا ہو گا لوگوں کو.... کیوں بھئی
غلامو.... مزا آیا یا نہیں؟"

"جی نہیں.... تو بس ایک ایک ہاتھ مار کر بیٹھ گئے۔"
کسی نے کہا۔

"ان بے چاروں میں دوسرا ہاتھ مارنے کی طاقت ہی
نہیں رہ گئی تو کیا مارتے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر اب آپ انھیں ایک ایک ہاتھ رسید
کریں۔"

"اس طرح تو یہ اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہ جائیں گے....
جب کہ میں انھیں دکھانا چاہتا ہوں کہ کس قدر آسانی سے
میں نے ان کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے.... صرف اپنی حیرت انگیز
ایجاد کے ذریعے۔"

"آپ بہت عظیم ہیں آقا.... یہ بے چارے کیا آپ
کا مقابلہ کریں گے....؟" ایک اور نے کہا۔

"تو پھر یہ مقابلہ ختم۔"

"لیکن ہماری ایک درخواست ہے۔" کسی نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"آپ مذاق میں ہی ایک ایک ہاتھ ان کے رسید کر دیں،
ذرا ہلکا ہلکا سا ہاتھ۔"

"اوہ اچھا۔ تم لوگ بھی کیا یاد کرو گے۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا.... وہ اسے اپنی طرف
بڑھتے بے بسی سے دیکھتے رہے.... کچھ کرنے کے قابل تو
تھے نہیں.... اور پھر دماغ میں اس کے خلاف جنگ کرنے
کا کوئی جذبہ بھی تو نہیں تھا.... یہ اثر تھا اس غلامی کا جو
مشینوں کے ذریعے ان کے دماغ میں پیدا کی گئی تھی۔ نزدیک
آ کر اس نے ایک ایک ہاتھ ان کے سروں پر دے مارا....
یہ ہاتھ اگرچہ پوری طاقت سے نہیں مارے گئے تھے، بلکہ
بہت آہستہ آہستہ مارے گئے تھے.... لیکن پھر بھی انھیں
یوں لگا جیسے لوہے کے گرز سے مارا جا رہا ہو.... وہ پہلے
تو اکڑوں بیٹھے تھے.... اب بے لیٹتے چلے گئے.... ان میں
ہلنے جلنے کی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی۔

"آؤ ہم چلیں.... یہ فی الحال اٹھنے کے قابل نہیں رہ
گئے.... جب قابل ہوں گے تو اپنے کمرے میں خود ہی

چلے جائیں گے۔

سب اُن مڑ مڑ کر انھیں دیکھتے بھی رہے اور وہاں سے جاتے بھی رہے یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد میدان میں صرف وہ رہ گئے.... نہ جانے کتنی دیر بعد وہ ہلنے جلنے کے قابل ہو سکے۔

"ام.... میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" فرزانہ نے انسپکٹر جمشید کے نزدیک آ کر ان کے کان میں کہا۔

"خاموش۔" انھوں نے اشارے میں کہا اور دھیرے سے مسکرائے بھی۔ فرزانہ سمجھ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ آہستہ اٹھنے لگے.... آخر اپنے کمرے میں آ گئے.... اب بھی وہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں بول رہے تھے.... پھر اچانک انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا:

"آقا! مزا نہیں آیا...."

"کیا مطلب.... انسپکٹر جمشید! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ مزا نہیں آیا.... ہم دھوکے میں مارے گئے۔" وہ بولے۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"ہمارے دلوں میں حسرت رہ گئی ہے.... یہ مقابلہ ابھی

اور جاری رہے....؟"

"گویا تم ابھی ایک ہاتھ کھانے کی ہمت

ہے؟"

"جی ہاں! لیکن ہم بھی ذرا اپنی طاقت آزمانا چاہتے ہیں پہلا.... دراصل ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی کہ آپ کے سر پر وار کرتے چلے گئے.... ہے کوئی تک.... سر تو پہلے ہی بہت سخت چیز ہوتی ہے...."

"گویا تم کہنا چاہتے ہو...... اب تم میرے سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصے پر وار کر کے دیکھنا چاہتے ہو۔"

"ہاں! یہی بات ہے...."

"تو پھر یہ تجربہ ابھی اور اسی وقت ہو گا.... اور سب لوگ بھی دیکھیں گے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

"کیا کہا.... کوئی اعتراض نہیں.... تم اعتراض کر بھی کس طرح سکتے ہو.... جب کہ تم میرے غلام ہو.... غلام بھی کبھی اعتراض کرتے ہیں۔"

"ہاں واقعی.... یہ تو ہم بھول ہی گئے.... غلام بھی کبھی اعتراض کیا کرتے ہیں.... اور شاید اسی لیے بھول گئے کہ نئے نئے غلام بنے ہیں نا۔"

اچانک انھوں نے ہاتھ چھوڑ دیا..... وہ بہت دور جا کر گرا..... ساتھ ہی اس کا قہقہہ گونجا

"ہا ہا ہا! تم اس طرح بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے آکر دیکھ لو..... میرا کیا گیا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اس کی طرف دوڑے اور انھوں نے بھی وہی کیا جو انسپکٹر کامران مرزا نے کیا تھا..... اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر اُسے جھٹکا دیا اور لگے چکر کاٹنے..... لمحہ بہ لمحہ ان کی رفتار تیز ہوتی گئی شامی ان کے ساتھ اسی رفتار سے گھومنے لگا..... اچانک انھوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا..... وہ اور آگے جا کر گرا۔

"اب سب لوگ بھی حرکت کریں..... اپنی جگہ کھڑے رہ کر مقابلہ نہیں دیکھ سکیں گے" خان رحمان نے کہا اور شامی کی طرف دوڑ لگا دی۔

"خان رحمان..... کیا کر رہے ہو" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"وہی..... جو تم نے کیا ہے۔"

"نہیں نہیں..... تم نہ کرنا..... تمھارے لیے یہ ممکن نہیں ہو گا۔"

"ایسی بات نہیں جمشید۔"

اور پھر خان رحمان نے آگے بڑھ کر اسے کلائی سے پکڑ لیا..... ایک جھٹکا دیا اور گھومنا چاہا..... مگر منہ کے بل گرے۔

"ہا ہا ہا..... تم کچھ بھی کر لو..... مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔

چھوٹی پارٹی..... کیا تم سب مل کر مسٹر شامی کو اٹھا سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے..... یہ مجھے مل کر ضرور اُٹھا لیں گے۔"

"لیکن اُٹھا کر کیا اکھاڑ لو گے۔"

"کوشش تو کر سکتے ہیں نا" آفتاب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تو کرو..... روکا کس نے ہے..... میں تو ہاتھ پیر ہلا نہیں رہا..... اگر ہلاتا تو تم مجھے اپنی جگہ سے اُٹھا نہیں سکتے تھے۔"

"شکریہ مسٹر شامی..... آؤ بھئی..... اب ذرا ہم کوشش کریں....."

اب وہ سب آگے بڑھے..... انھوں نے مل کر اس کو بازوؤں اور ٹانگوں سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور لگے جھولا دینے۔

"یہ کیا کر رہے ہو.... مجھے جھولا جھلایا جا رہا ہے"
"جی ہاں.... ہے تو یہ جھولا ہی.... اگر آپ فرمائیں تو اس جھولے کو اور بلند کریں"
"ہاں ضرور.... مزا آ رہا ہے"
"مزا تو ابھی آپ کو اور بھی آئے گا.... جب جھولا بلند سے بلند ہوتا چلا جائے گا"
"میں جانتا ہوں.... پھر تم کیا کرو گے"
"کیا کریں گے.... معلوم تو ہے"
"مجھے چھوڑ دو گے.... میں دور جا گروں گا.... اور بس.... یا کچھ اور"
"ہاں بس...." آصف نے کہا۔
"نہیں!.... تم اس پر بس نہیں کرو گے...."
"جی.... کیا مطلب"
"مطلب تو خیر میں نہیں بتاؤں گا.... لیکن میں جانتا ہوں.... کہ تم کس رُخ سے سوچ رہے ہو"
"بتا دیں.... ہم کیا سوچ رہے ہیں اور کس رُخ سے سوچ رہے ہیں"
"نہیں بتا سکتا.... تم اپنا کام کرو"
"کیا آپ ہم سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں"

"خطرہ اور تم سے.... یہ کیا ہانک رہے ہو.... تم تو میری ایک چٹکی کی مار ہو"
"چٹکی کی مار.... اچھا.... ذرا بجائیے تو چٹکی"
"اس کے لیے مجھے اپنا ایک ہاتھ چھڑانا پڑے گا"
"اس سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم آپ کو اچھال دیں"
"ضرور اچھال دو.... مجھے کوئی پروا نہیں" اس نے شوخ آواز میں کہا۔
جھولا اونچا ہوتا چلا گیا.... جتنا وہ اونچا ہوتا گیا، جھولا جھلانے والوں کو ہلکا محسوس ہوتا گیا.... یہاں تک کہ وہ انھیں بہت زیادہ ہلکا پھلکا سا محسوس ہونے لگا....
اور پھر اچانک انھوں نے اسے ایک سمت میں اچھال دیا.... ایسا کرتے وقت انھوں نے بہت زور بھی لگایا تھا۔ تاہم بہت دُور جا کر گرا.... ساتھ ہی انھوں نے اس کا قہقہہ سنا....
لیکن پھر اچانک اس کا قہقہہ رُک گیا.... وہ بلند آواز میں دھاڑا:
"یہ کیا.... مجھے تم میں پروفیسر داؤد نظر نہیں آ رہے...."
ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے درکشاپ کی طرف

دوڑ لگا دی .... لیکن اسی وقت انسپکٹر جمشید اس کے
راستے میں آ گئے .... اور ٹانگ آگے کر دی ....
اوندھے منہ گرا .... گرتے ہی اٹھا اور پھر دوڑ
دی .... لیکن پھر گرا .... اس بار انسپکٹر کامران مرزا
ٹانگ اڑائی تھی .... جونہی وہ اٹھنے لگا، جھوٹی
نے مل کر اسے پھر سے اٹھا لیا:

"میں اس وقت جھولا جھولنے کے حق میں نہیں ہوں....
ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔"

اس نے غرا کر کہا اور ایک جھرجھری سی لی.... ان
کے لیتے ہی وہ دور دور جا کر گرے .... اور انھیں چوٹیں
چوٹیں آئیں .... اس وقت تک انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران
مرزا پھر اس کے سامنے آ چکے تھے .... اس کے چہرے
پر حیرت ہی حیرت دوڑ گئی۔

"لیکن .... لیکن .... یہ کیسے ہو گیا .... تم تو میرے غلام
بن چکے تھے .... میں آلات کے ذریعے چیک کر چکا تھا
یہ نہیں ہو سکتا کہ تم ایکٹنگ کرتے رہے ہو۔"

"ہاں! اس میں شک نہیں کہ ہم بھی ان مشینوں کے
ذریعے اپنا دماغ تمہارے حوالے کر چکے تھے .... لیکن تمہاری
اپنی ایک غلطی سے وہ اثرات زائل ہو گئے۔" انسپکٹر جمشید

نے کہا۔

"کیا کہا .... میری اپنی غلطی سے۔"

"ہاں اور کیا .... تمہاری اپنی غلطی سے .... یاد کرو۔"

"غلطی کیا تھی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ارے .... تم نے مجھے باتوں میں لگا لیا .... اور

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے چھلانگ لگائی
ان کے اوپر سے ہوتا ہوا ورکشاپ کی طرف دوڑ
ادھر یہ بے تحاشہ اس کی طرف دوڑے .... اور
اس سے پہلے کہ وہ ورکشاپ تک پہنچتا .... انسپکٹر کامران
اس کی طرف اچھال دیا:

ایسے میں انھوں نے آسے کلائی سے پکڑا اور پہلے کی
طرح جھٹکا دے کر اسے گھمانے لگے۔

"بس اب یہ آیا ہے قابو میں .... گھماتے چلے جائیں
انسپکٹر کامران مرزا۔" انسپکٹر جمشید پُرجوش انداز میں بولے۔

"اچھی بات ہے۔" وہ بولے۔
اور بہت تیزی سے گھومنے لگے .... پھر اچانک
انھوں نے ایک خاص سمت میں اسے اچھال دیا .... وہ ہوا
میں گویا اڑتا ہوا اس سمت میں گیا اور پھر ایک چھپاکے

کی آواز سنائی دی .... انھوں نے اسے تیزاب والے تالاب
میں گرا دیا تھا....

پھر وہ سب تالاب کی طرف دوڑے .... تاکہ اس
کا انجام دیکھ سکیں .... جونہی وہ تالاب کے کنارے پہنچے
انھوں نے اس کو اس میں بڑے مزے سے تیرتے دیکھا
وہ انھیں دیکھ کر ہنسا ۔

"یہ تیزاب تم لوگوں کے لیے ہے .... میرے لیے
پانی ہے .... پانی .... میرے جسم کے تو یہ کپڑے بھی
نہیں گلائے گا .... وہ کہتا چلا گیا ....

اور پھر انھوں نے اسے کنارے کی طرف آتے
دیکھا .... ان پر سکتا طاری ہوگیا .... ایسے میں ایک اور
بات ہوئی .... پروفیسر داؤد کی آواز انھیں سنائی دی

"کوئی پروا نہ کرو .... تالاب کے پاس سے ہٹ
جاؤ .... اس شخص کی بنائی ہوئی سرخ کار ہی اس کے
خاتمے کا سبب بنے گی ۔"

یہ آواز سن کر وہ مڑے .... پروفیسر داؤد تو انھیں کہیں
نظر نہ آئے .... لیکن سرخ کار کو ضرور انھوں نے آتے دیکھا
ادھر شامی نے کنارے پر سر ابھارا .... سرخ کار کو آتے
دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف سمٹ آیا ۔

"ن .... نہیں نہیں ۔" وہ چلا اٹھا اور اس نے واپس
تالاب میں چھلانگ لگا دی ۔

سرخ کار کنارے پر آکر رک گئی ....

"اب یہ جونہی تالاب سے نکلے گا .... سرخ کار اس
کا کچومر نکال کر رکھ دے گی .... کیوں آیا نا مزا ۔"

پروفیسر داؤد کی شوخ آواز گونجی ۔

"بہت زیادہ انکل .... بہت زیادہ سے بھی بہت زیادہ ۔"
فاروق نے خوش ہو کر کہا ۔

ادھر شامی سکتے کے عالم میں کار کو ابھر ابھر کر
دیکھ رہا تھا اور تیزاب میں تیر بھی رہا تھا ۔ پھر اچانک
انھوں نے اسے پانی میں ڈوبتے گرتے دیکھا .... اور ڈوبا تو
اب اس کا جسم نہ ابھرا تو وہ جان گئے کہ وہ دوسری دنیا
میں پہنچ گیا ہے ۔

"چلو چھٹی ہوئی ...."

"ابھی نہیں ۔" پروفیسر داؤد غرائے ۔

نہ جانے ان کی غراہٹ میں کیا تھا کہ انسپکٹر جمشید
بھی سہم گئے ۔

کس نے دی خبر

چند لمحے تک وہ تالاب کو گھورتے رہے.... لاش اوپر نہ آئی....

"دیکھا! میں نے کہا تھا نا" پروفیسر سرد آواز میں بولے۔

"جی.... کیا فرمایا.... کیا کہا تھا آپ نے"

"میں نے کہا تھا، ابھی وہ نہیں مرا.... اگر مر گیا ہوتا تو اس کی لاش اوپر آ گئی ہوتی"

"خیر کوئی بات نہیں.... ہے تو وہ تالاب کی تہ میں، لیکن وہ سانس کس طرح لے رہا ہے" فرزانہ نے کہا۔

"یہ تو اب دیکھنا پڑے گا" پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"کیا اب یہ کار آپ کے کنٹرول میں ہے"

"ہاں! تم فکر نہ کرو.... اب اس زمین دوز دنیا کی چابی میرے ہاتھ میں ہے.... اگر وہ ابھرے گا تو مارا جائے گا"

"اور اگر نہ ابھرا تب بھی تیزاب میں ڈوب کر مارا جائے گا" آصف نے کہا۔

"اس کو پکڑانے کے سبب تیزاب کیوں نہ خشک کر دیا جائے گا"

"ایک منٹ! میں ابھی آیا...."

"نہیں! آپ وہیں رہیں.... کنٹرول روم چھوڑنا مناسب نہیں"

"اچھی بات ہے.... کوئی یہاں میرے پاس آ جائے...."

محمود نے اندر سے دوڑ لگا دی.... جلد ہی وہ شیشے کی ایک ٹیوب لیے ہوئے واپس آیا.... تالاب کے کنارے جھک کر اس نے اس ٹیوب میں تیزاب بھرا اور پھر اندر لے گیا....

"اس کا مطلب ہے.... ابھی پروفیسر صاحب یہ تجربہ کریں گے کہ تالاب میں موجود تیزاب کس چیز سے اڑائیں"

"ہاں! یہ تو کرنا ہو گا...."

تھوڑی دیر بعد محمود ایک دوسری ٹیوب لیے ہوئے

آیا... اس میں کوئی سیال تھا۔

'یہ سیال تالاب میں ڈالنے کی دیر ہے.... تیزاب بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔'

'لیکن اڑ کہاں سے جائے گا.... جب کہ ہم اس وقت زمین دوز دنیا میں ہیں۔'

'اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا.... یہاں ہوا کی آمدورفت کا کوئی انتظام تو کیا ہی گیا ہے....' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اور پھر اس نے ٹیوب تالاب پر الٹ دی... فوراً ہی تیزاب گویا اُبلنے لگا۔ اُبل اُبل کر بھاپ میں تبدیل ہونے لگا۔.. وہ اس حیرت ناک منظر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے.... چند منٹ بعد تالاب کی سطح نظر آنے لگی.... لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تہ میں شاہی کا نام و نشان تک نہیں تھا.... البتہ تہ میں ایک سرنگ ضرور موجود تھی.... اب انھیں اس سرنگ میں داخل ہونا پڑا.... آگے چل کر سرنگ کا رُخ اوپر کی طرف ہو گیا.... ڈھلوان انداز میں سرنگ اوپر جا رہی تھی وہ اوپر کی طرف بڑھتے رہے.... یہاں تک کہ سرنگ کا دہانہ دہانہ آ گیا۔ یہ ایک کمرے میں نکلتا تھا.... کمرے میں آ کر

انھوں نے چاروں طرف دیکھا.... وہ گھنے جنگل میں تھے۔ اور یہ وہی جنگل تھا جس میں وہ سرخ کار کا تعاقب کرتے ہوئے پہنچے تھے.... کافی فاصلے پر انھیں ملبے کے ڈھیر بھی نظر آ رہے تھے... یعنی پروفیسر طاؤس کی تجربہ گاہ۔

انھوں نے مکان کی تلاشی لی.... یہ بالکل بے آباد پڑا تھا.... البتہ وہاں بوٹوں کے نشانات ضرور تازہ بنے ہوئے نظر آ گئے....

'وہ جا چکا ہے.... فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے یہیں اس نے کہیں کار بھی چھپائی ہو گی.... تاکہ کبھی اچانک ضرورت پیش آ جائے تو کام آ سکے....'

'دھت تیرے کی.... اتنا بڑا مجرم.... بچ کر نکل گیا۔ اب ہم اسے کہاں تلاش کریں گے۔'

'وہ پھر سے سرخ کاریں بنانے لگا.... وہ اس کام سے باز نہیں آئے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ کاریں دوبارہ بنانا شروع کر دے.... ہمیں اس کا علاج سوچ لینا چاہیے۔'

'علاج پروفیسر انکل سوچیں گے اس کا.... ہمیں تو افسوس یہ ہے کہ وہ پکڑا نہ جا سکا.... لیکن ہم اس کا سراغ تو لگا سکتے ہیں۔'

"ہاں واقعی.... ہم اس کا سراغ لگا سکتے ہیں.... آؤ پہلے تجربہ گاہ میں چلیں۔"

"آنے کی ضرورت نہیں.... میں خود باہر آ رہا ہوں اور ان لوگوں کو بھی کاروں میں بٹھا کر باہر بھیج رہا ہوں پہلے ان سب کو بھیجوں گا۔" پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور وہ باری باری سب کو باہر بھیجتے رہے.... یہاں تک کہ آخر میں وہ خود بھی آ گئے۔

"آدھ گھنٹے کے اندر زمین دوز تجربہ گاہ تباہ ہو جائے گی۔ یہ سرخ کاریں اس کے بغیر بھی کنٹرول ہو جائیں گی۔ ان کو کنٹرول کرنے کے آلات میں ساتھ لے آیا ہوں.... فرق صرف یہ ہے کہ اب ہم دور رہ کر ان کو دیکھ نہیں سکیں گے، شامی ان کو شہر میں بیٹھ کر دیکھتا رہتا تھا۔"

"لیکن آپ ایسا انتظام کر تو سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! مسٹر جمشید یہ کاریں حد درجے خطرناک ہیں.... ہم [illegible] کی غیر ملکی کوششیں شروع ہو جائیں گی۔"

"اوہ.... نہیں!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"بلکہ اگر شامی کسی دوسرے ملک میں نکل گیا تو اس ملک کے لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے.... اس کے لیے بہت بڑی تجربہ گاہ بنا دیں گے.... جہاں وہ یہ کاریں تیار کرے گا اور اس طرح شامی پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو سکے گا۔"

"اُف میرے مالک! تب تو اس کی گرفتاری بہت زیادہ اہم ہے۔"

"اس وقت اس سے اہم کام کوئی نہیں ہو سکتا..... تجربہ گاہ کے پھٹتے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے.... اور اس کے فرار ہونے کے تمام راستے بند کر دیں گے۔"

"اور ان خبروں کو اخبارات میں بھی چھپانا پڑے گا.... اس لیے کہ خبر پوری دنیا کے ممالک.... خاص طور پر اشارجہ، بیگال، ونٹاس اور نارجستان وغیرہ.... عناصر کو اغوا کرنے کے چکر میں پڑ جائیں گے۔"

"ارے باپ رے.... مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے صورتحال بہت خوفناک ہونے والی ہے....!"

"خیر ابھی نہیں.... ابھی معاملہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ آؤ اب چلیں۔"

زمین دوز دنیا سے نجات پانے والے حد درجے خوش تھے.... وہ اچھل رہے تھے، کود رہے تھے....

"اب ان لوگوں کو بھی ان سرخ کاروں میں بٹھا کر شہر کے کنارے تک چھوڑ کر آنا پڑے گا.... پھر ہم روانہ ہوں گے.... ارے باپ رے.... یار جمشید.... میں وہاں جا کر کیا کروں گا.... تجربہ گاہ تو تباہ ہو چکی ہے۔"

"جب تک آپ کی تجربہ گاہ دوبارہ تعمیر ہو.... آپ پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ کو کام میں لا سکتے ہیں۔"

"لیکن اس طرح میں اپنے شہر میں.... میرا مطلب ہے تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکوں گا۔"

"ہاں! یہ بات بھی ہے.... کوٹھی اور تجربہ گاہ دور ہیں گے اسی شہر میں.... بے چارے حادثے جاری کی تجربہ گاہ بھی ملبے کا ڈھیر بن گئی.... اور خود ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا تو پتا بھی نہیں چل سکا۔"

"اب اس ملبے کو ہٹا کر ان کی لاشیں تلاش کرنے کا کیا ملے گا۔"

"لیکن ہم کس طرح بچ گئے.... ہم کیوں ملبے تلے نہیں دبے تھے۔"

"خیر! یہ تجربہ تھا انوکھا.... اور حد درجے خطرناک۔" فرحت بڑبڑائی۔

"تم نے کیا کہا.... تھا.... تو کیا اب نہیں ہے...."

"ابھی تو خطرہ جوں کا توں موجود ہے، جب تک کہ اصل مجرم کو پکڑ نہ لیا.... فی الحال ہمیں کرنا یہ ہے کہ کسی اخبار کو کوئی خبر نہیں ملی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ شہر کی طرف اسی وقت روانہ ہو گئے۔ جب انھوں نے زمین دوز دنیا کو پھٹ کر تباہ ہوتے دیکھا، آگ اور دھوئیں کے بگولے اٹھ رہے تھے اور وہ شہر کا رخ کر رہے تھے زمین دوز دنیا کے دوسرے قیدیوں کو بھی انھوں نے کاروں میں شہر تک پہنچایا.... سرخ کاریں نکل آئی تھیں، دوسروں کے لیے وہ تمام چیزیں انتہائی خطرناک ہو سکتی تھیں۔

"ایک بات اور ابا جان.... سرخ کاریں فی الحال ہم شہر میں نہیں لے جا سکتے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"بھئی ایسی کوئی بات نہیں.... لوگ صرف ان سرخ کاروں

سے خوف زدہ ہیں جن میں ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی نہیں ہوتا۔ ورنہ شہر میں نہ جانے کتنی سرخ کاریں ہوں گی اور اس وقت ان سرخ کاروں میں ڈرائیور موجود ہیں.... اگرچہ ہیں وہ فرضی.... بغیر ضرورت کے کیونکہ یہ صرف ریموٹ کنٹرول ہیں....

وہ شہر میں داخل ہو گئے.... کسی نے کوئی خوف محسوس نہ کیا.... کسی کو پتا بھی نہ چل سکا کہ یہ وہی سرخ کاریں ہیں جن سے شہر کے لوگوں کی جان جاتی ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے آئی جی سے ملاقات کی اور جب انھیں یہ بتایا گیا کہ فی الحال انھیں سرخ کاروں کے وجود کی غلامی سے نجات مل گئی ہے تو ان کی خوشی کا کیا ٹھکانا.... جھپٹ کر آگے بڑھے اور انھیں باری باری گلے سے لگانے لگے:

"لیکن سر! اس خبر کو ابھی بالکل خفیہ رکھنا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیوں اس کی کیا ضرورت ہے؟" وہ چونک کر بولے۔

"اصل مجرم معلوم ہو چکا ہے...... اسے تلاش کرنا ہو گا.... ان تمام حالات کی خبر اگر غیر مسلم ممالک کو ہو گئی تو وہ بھی اس کی تلاش میں لگ جائیں گے...

[لیکن] یہ سائنس دان اس دنیا کی انوکھی ترین اور قیمتی ترین [چیز] ہے.... جس ملک کے بھی ہاتھ لگ گیا، اس کے [وار]ے نیارے....

"اوہ ہاں! وہ اس سے سُرخ کاریں بنوانا شروع کر [د]ے گا۔"

[ج]ی ہاں! لیکن ہم ایسا نہیں چاہتے.... یہ سُرخ کاریں [ہما]ری دنیا کے لیے خطرہ ہیں.... ہم بھی انھیں اپنے پاس [نہ]یں رکھیں گے.... فوری طور پہ تباہ کر دیں گے.... لیکن [ا]س وقت جب شانی ہاتھ آ جائے۔

"لیکن ہم کیوں تباہ کریں گے.... ہم تو ان سے بہت [ک]ام لے سکتے ہیں۔"

"بے شک لے سکتے ہیں.... بہت بڑے بڑے فائدے [اٹھ]ا سکتے ہیں.... دشمن ممالک کو ناکوں چنے چبوا سکتے [ہ]یں۔ جنگ کے دنوں میں یہ کاریں حیرت انگیز کردار ادا کر [سک]تی ہیں، لیکن.... ان تمام باتوں سے کہیں زیادہ خطرناک [ب]ات یہ ہے کہ پھر پوری دنیا کے دشمن ممالک ہمارے ملک [کے] پیچھے جان دھو کر پڑ جائیں گے.... یا تو وہ اس [س]ائنس دان کو اغوا کر لیں گے.... یا اپنے سائنس دانوں کے [ذریعے] سُرخ کاریں ایجاد کرنے کے چکر میں پڑ جائیں گے...

اس طرح پوری دنیا میں ہنگامہ سا مچ جائے گا اور یہ ہنگامہ
ہمارے ملک میں سب سے زیادہ شدید ہو گا.... لیکن میں
نہیں چاہتا کہ ہمارے ملک میں پوری دنیا کے جاسوس جمع
ہو جائیں۔"

آئی جی صاحب سوچ میں پڑ گئے.... آخر سر اٹھا کر
بولے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو جمشید.... اس سائنس دان کا مارا جانا
بہت ضروری ہے.... اور ان کاروں کو تباہ کرنا بھی۔"

"اس سے مقابلہ کرنے کے لیے فی الحال ہمیں سرکاری
کی ضرورت ہے.... جونہی ہم نے اسے ختم کیا.... سرخ
کاروں کو بھی ختم کر دیں گے۔"

"بالکل ٹھیک...." انھوں نے گویا منظوری دے دی۔

پھر وہ گھر آ گئے.... بیگم جمشید اور باقی سب
انھی کے گھر میں موجود تھے.... جب بھی وہ لوگ مشن
پر غائب ہوتے تھے.... بیگم جمشید ان سب کو اپنے
بلا لیتی تھیں.... تاکہ سب مل جل کر وقت گزار لیں۔
لہٰذا سب ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے
اور گھر میں ایک ہنگامہ سا مچ گیا.... کھانے
کے بعد.... رات گئے تک گپ شپ ہوتی رہی۔

صبح ناشتے کی میز پر اخبارات کی سرخیوں پر جونہی ان کی
نظریں پڑیں.... وہ اچھل کر رہ گئے.... ان کی آنکھیں مارے
حیرت کے پھیل گئیں....

سرخ کاروں، زمین دوز دنیا اور دنیا کے آقا بننے
والے سائنس دان کے فرار کی مکمل کہانی سب سے بڑی
سرخیوں کے ساتھ ان کے سامنے موجود تھی۔

"اُف میرے مالک! یہ کیا ہوا.... ایسا کس نے کیا...."
انسپکٹر جمشید کانپ گئے۔

"یہ بہت بُرا ہوا.... اب حالات کنٹرول سے باہر ہو
جائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انسپکٹر جمشید نے فوراً آئی جی صاحب کو فون کیا....
ان کی آواز سنتے ہی وہ بولے۔

"یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔"

"یہ ہم نے نہیں کیا.... اور ظاہر ہے، نہ آپ نے کیا
ہے۔"

"تب پھر.... یہ کس نے کیا ہے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے.... ہم آپ کے دفتر آ رہے
ہیں۔"

"کیوں! میرے دفتر میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بولے۔

"ہو سکتا ہے.... آپ کے کمرے میں ہونے والی ساری گفتگو سنی گئی ہو۔"

"اوہ۔" آئی جی صاحب دھک سے رہ گئے۔

اور وہ اسی وقت گھر سے نکل جاگے..... ان سب نے مل کر آئی جی صاحب کا دفتر پوری طرح چیک کیا.... پروفیسر داؤد نے اپنے آلات کی مدد سے چیک کیا.... لیکن کوئی چیز بھی ایسی نہ مل سکی۔

"ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہوا.... آپ کے دفتر میں کوئی غلط آدمی موجود نہیں ہے.... مطلب یہ کہ آپ کے کمرے میں ہونے والی گفتگو نہیں سنی گئی۔"

"تب پھر؟" آئی جی صاحب بری آواز میں بولے۔

"تب پھر.... ہم خود حیران ہیں.... ایک منٹ۔"

اب انھوں نے ملک کے سب سے بڑے اخبار کو فون کیا.... اپنا نام بتانے کے بعد وہ بولے:

"یہ سرخ کاروں کی داستان آپ نے کس ذریعے سے شائع کی تھی؟"

"آپ ہی نے تو فون پر ساری کہانی سنائی تھی.... اور یہ ہدایات بھی دی تھیں کہ باقی اخبارات کو بھی یہ کہانی دے دی جائے۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے آپ کو فون کیا ہی نہیں تھا.... گویا یہ کہانی کسی اور نے میرے نام لے کر آپ کو سنائی.... آپ یہ بتائیں.... کیا آپ میری آواز پہچانتے ہیں؟"

"جی ہاں بالکل.... وہ آپ ہی کی آواز تھی۔"

"تب وہ میری آواز کی نقل بھی کر رہا تھا.... اچھا خیر.... کل کے لیے ابھی آپ کو ہدایات دی جائیں گی.... آپ کل سرخ کاروں کی ایک خبر اور لگائیں گے۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا.... اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا.... یہ گفتگو میں نے سن لی تھی.... لہٰذا دہرانے کی ضرورت نہیں تھی.....

"اب آپ کیا خبریں شائع کرائیں گے۔" محمود نے پوچھا۔

"وہی.... جو شائع ہونی چاہئیں.... یہ کہ کسی نے فرضی آواز میں یہ کہانی فون پر اخبارات کے ایڈیٹروں کو سنائی.... اور یہ اصل غلط ہے۔"

"آپ جھوٹ بولیں گے۔"

"نہیں یہ جھوٹ نہیں ہے.... اس لیے تو میں نے نہیں سنائی تھی.... ہم اس بات کی تردید نہیں کریں گے"

"کیا اس سے دشمن ممالک کی دخل اندازی رک سکے گی؟"

"ایسا نہیں ہے.... لیکن پھر بھی ہمیں یہ تو کرنا ہی ہو گا۔"

"آخر اخبارات کے ایڈیٹروں کو یہ خبر کس نے دی؟"

"میں جان گیا ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"جی کیا مطلب.... آپ کیا جان گئے ہیں؟"

"یہ کہ یہ خبر اخبارات میں کس نے دی۔" وہ مسکرائے۔

"تو پھر بتائیں نا.... کس نے دی ہے خبر؟"

وہ بے چین ہو کر ایک ساتھ بولا؛

تحریر

"سیدھی سی بات ہے، اس خبر کی اشاعت سے مجرم کو فائدہ پہنچا ہے.... لیکن ہمیں بہت نقصان.... لہٰذا ان کی اداز میں یہ خبر خود مجرم نے دی ہے۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اس نے بہت زبردست چال چلی ہے.... تمام راستوں کی ناکہ بندی تو کل ہی مکمل کر لی گئی تھی.... فی الحال اس کے فرار کو قریب قریب ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اب دوسرے ملکوں کے جاسوس اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے.... وہ اس کا سراغ لگانے کی کوشش کریں گے.... جب کہ ہماری کوشش یہ ہو گی کہ اس تک پہلے ہم پہنچیں۔"

"اب آئے گا بھاگ دوڑ کا مزا۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"اوہو.... سنو بھئی.... ہمیں تو اب غیر ملکی دشمنوں سے نبٹنا ہوگا.... وہ ہماری طرف بھی آئیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"آتے ہیں تو آنے دیں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تم سمجھے نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف دیکھا۔

"ناسمجھ ہے نا.... آپ مجھے بتائیں۔" آصف مسکرایا۔

"ہوا بی مینڈکی کو زکام۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اس موقع پر یہ محاورہ نہیں بولا جا سکتا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"تو پھر یہ کہنا چاہیے تھا.... پتا نہیں کیا کہنا چاہیے تھا.... ہاں تو آپ کیا کہہ رہے تھے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"اگر بہت سے دشمن جاسوس ہماری طرف آتے ہیں.... تو ہم اسے تلاش نہیں کر سکیں گے۔ ان میں الجھ کر رہ جائیں گے"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور ایسا ہوگا، اس لیے کہ یہ بات وہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ ہم اس سائنس دان کو فرار نہیں ہونے دیں گے۔

اپنا اپنا پورا زور لگائیں گے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"لہٰذا! اس کا حل یہ ہے کہ ہم اس وقت دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں.... بیرونی جاسوسوں سے ہم نمٹ لیں گے اور اصلی مجرم کا سراغ تم لوگ لگاؤ گے۔"

"جی! ہم سے اور تم سے کیا مراد۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"یہ کہ بڑی پارٹی بیرونی دشمنوں سے نبٹے گی.... چھوٹی پارٹی صرف مجرم کو تلاش کرے گی۔"

"آپ نے آسان کام خود رکھ لیا اور مشکل ہمیں دے دیا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"وہ کیسے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"مجرم کا سراغ لگانا مشکل کام ہے.... دشمنوں سے لڑنا آسان ہے۔"

"ٹھیک ہے.... تم لوگ یہاں ٹھہر کر دشمنوں کا انتظار کرو.... ہم مجرم کی تلاش میں نکلتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"اب یہ بھی نہیں ہو سکتا۔" آفتاب بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"کیوں .... ہونے کو کیا ہے ...... ہونے کو اس دنیا
میں کیا نہیں ہو سکتا" انسپکٹر جمشید نے ان کے انداز میں
کہا۔

"نہیں بس .... ہم مجرم کی تلاش میں جاتے ہیں"

"یہی مناسب رہے گا .... اس لیے کہ اگر ہم مجرم کی
تلاش میں گئے تو بیرونی دشمن بھی ہماری تلاش میں ان
تک پہنچ سکتے ہیں .... جب کہ ہمارے یہاں رہنے کی صورت
میں مجرم صرف ادھر کا رُخ کریں گے" انسپکٹر کامران مرزا
بولے۔

"بہت خوب .... بالکل ایسا ہی ہو گا .... اور اس کا
مطلب ہے .... ہمیں اپنے گھر کو میدان کار زار بنانے کی
تیاریاں اسی وقت سے شروع کر دینی چاہییں۔ مورچے بنا
لینے چاہییں .... ہتھیار تیار کر لیتے ہیں۔"

"اور ہمیں بھی یہاں سے اس وقت رفو چکر ہو جانا چاہیے
بلکہ ہو سکتا ہے .... ہمارے گھر کی نگرانی تو ابھی سے
شروع ہو چکی ہو ....

"نن .... نہیں" شوکی بولا۔

"اور اگر نگرانی شروع ہو چکی ہے تو پھر ہمیں ان کی
نظروں سے بچ کر نکلنا ہو گا .... ورنہ ان میں سے چند

ہمارے تعاقب میں بھی نکل کھڑے ہوں گے"

"باپ رے .... میں تو خود کو خطرات ہی خطرات میں
محسوس کر رہی ہوں" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"ہمارے گھر کے باہر تو .... ایک منٹ .... میں ابھی آیا" یہ
کہہ کر محمود نے اوپر کی طرف دوڑ لگا دی .... چھت
پر پہنچ کر اس نے چاروں طرف دیکھا .... اور پھر نیچے
آ گیا:

"ایک عدد نیلی کار ہمارے گھر سے کچھ فاصلے پر
موجود ہے .... اس کے ڈرائیور نے کار کا بونٹ اٹھایا ہوا
ہے اور اس انداز میں انجن کو دیکھ رہا ہے جیسے اس
میں کوئی عجیب و غریب خرابی ہو گئی ہے .... لیکن مجھے
یقین ہے کہ جونہی ہم باہر نکلیں گے .... اس کی کار
کا انجن سٹارٹ ہو جائے گا۔

"مطلب ہے کہ بیرونی ملک دشمنوں کو تمام رپورٹ مل گئی
ہے .... اور انھوں نے اپنے مقامی نمائندوں کو ہدایات
دی ہیں کہ ہم لوگوں کی نگرانی شروع کر دی جائے ....
اب تم لوگ کیا کرو گے۔"

"ایک منصوبہ ہے ہم چھتوں کے ذریعے اپنا سفر شروع
کیا کرتے ہیں" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"تو بس پھر.... تم روانہ ہو جائیے۔"

"کیا ہم پہلے مشورہ نہ کرلیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"باہر کہیں جا کر مشورہ کر لینا.... زیادہ یہاں ٹھہرنا اب خطرناک ہو گا۔"

"اوکے۔ آؤ ساتھیو چلیں.... چھت پر۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ چھت پر آ گئے.... وہاں سے بیگم [illegible] کی چھت پر.... اسی طرح کئی پڑوسیوں کی چھتوں پر ہوتے ہوئے وہ ایک جاننے والے کی چھت پر پہنچے.... اس مکان کا دروازہ دوسری سڑک کی طرف کھلتا تھا.... اس طرف دشمنوں کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی تھی.... وہ دوسری سڑک پر پہنچ جاتے....

زینے پر جب محمود نے دستک دی تو نیچے ان کے پڑوسی شیخ صاحب نے ہنس کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے.... اوپر محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"انکل! آپ کا اندازہ نصف درست ہے.... نصف غلط، اس لیے کہ آج ہمارے ساتھ ہمارے ابا جان بھی ہیں۔"

"اوہو اچھا.... کیا کوئی خطرے میں ہے؟"

"فی الحال خطرے میں تو نہیں کہہ سکتے.... ہاں نگرانی ضرور ہے....."

اور وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے.... شیخ صاحب صحن میں کھڑے تھے اور ان کی طرف مسکرا مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔

"اگر جلدی نہیں ہے تو چائے ہو جائے۔"

"شکریہ! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو ناشتا کیا ہے.... اور ہم ہیں بھی جلدی میں۔"

"وہ تو خیر آپ لوگ ہمیشہ ہی جلدی میں ہوتے ہیں۔"

"جی بس! کیا بتائیں۔"

وہ مسکرا دیے.... پھر محمود نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"اوہو.... ہمیں تو ابھی مشورہ بھی کرنا ہے.... تو کیوں نہ یہیں کر لیں۔"

"بہت خوب! اس صورت میں تو چائے چل بھی جائے گی۔" شیخ صاحب بولے۔

"جی نہیں.... وہ تو پھر بھی نہیں چلے گی.... اس لیے کہ ہم صرف صبح اور شام کو چائے پیتے ہیں.... صبح کو چائے

ہم پی چکے ہیں.... جب کہ شام کی باقی ہے....

"خیر.... شام کی سہی۔"

"ہم اتنی دیر تو تیر نہیں ٹھہریں گے.... ٹھہر گئے تو ا[ور]
بات ہے۔"

اور وہ مسکراتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف [بڑھ]
گئے.... ان کے لیے دروازہ کھول کر وہ اپنے کمرے
چلے گئے.... اور پھر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے....

"ہاں! تو اب ہم کیا کریں۔" محمود نے کہا۔

"تلاش.... مجرم کی۔" فاروق فوراً بولا۔

"یار یہ وقت سنجیدگی کا ہے۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"کیا میرے جملے میں کوئی غیر سنجیدگی پائی گئی ہے۔" فاروق
نے حیران ہو کر کہا۔

"اچھا خیر.... ٹھیک ہے....۔" آفتاب جلدی سے بولا۔

"سوال یہ ہے کہ مجرم کی تلاش کہاں سے شروع کریں۔"

"اس کے گھر سے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"تمہارا مطلب ہے ہمیں سیٹھ جبران شاہی کے گھر جانا ہو
ہوگا۔" آصف نے پوچھا۔

"ہاں! ثاقب شاہی کا سراغ اگر ہمیں مل سکتا ہے تو وہاں
سے ملے گا۔"

"تو پھر چلو.... وقت کیوں ضائع کریں۔"

وہ اسی وقت بذریعہ جہاز شوکی کے شہر پہنچے....
دو ٹیکسیوں میں بیٹھ کر وہ سیٹھ جبران کے گھر پہنچے۔ ان
کے گھر کے افراد نے اداس انداز میں ان کا استقبال کیا۔

"فرمائیے! آپ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔" بیگم جبران
بولیں۔

"ہم آپ کے بیٹے کی تلاش میں نکلے ہیں.... اور ساتھ
ہی سیٹھ صاحب کے قاتل کو بھی تلاش کریں گے.... شرط
یہ ہے کہ آپ ہماری مدد کریں۔"

"میں آپ لوگوں کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔" ان کے لہجے
میں حیرت تھی۔

"آپ ہمیں اپنے بیٹے کی تمام چیزیں دیکھنے کی اجازت
دے دیں...."

"میں ان چیزوں کا کیا کروں گی.... آپ ضرور دیکھیں....
آئیے میں اس کی تجربہ گاہ میں آپ کو لے چلتی ہوں....
اپنی تمام تر چیزیں وہ وہیں رکھتا تھا.... اس نے روتے
ہوئے کہا۔

ان کا دل بھی بیٹھنے لگا.... پھر وہ انھیں تجربہ گاہ
کے دروازے پر چھوڑ کر واپس چلی گئی.... دروازے پہ تالا نہیں

لگا ہوا تھا..... کنڈی کھول کر وہ اندر داخل ہو گئے.....
اندر گرد کی بہت موٹی تہہ جمی ہوئی تھی..... شاید یہ لوگ اس کمرے
کو کھولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے..... تاکہ اس کی چیزیں
دیکھ کر ان کا دل نہ تڑپے۔ گرد کو جھاڑ جھاڑ کر انھوں
نے ایک ایک چیز کا جائزہ لینا شروع کیا..... تجربہ گاہ
کی چیزیں خاص طور پر شوکی غور سے دیکھ رہا تھا.....
باقی چیزیں اور کاغذات دوسرے دیکھ رہے تھے..... پھر انھیں
ثاقب کی چند ڈائریاں مل گئیں..... ان میں اس کے چند خطوط
بھی ان کے ہاتھ لگے..... وہ تمام چیزوں کو جو انھیں اہم
لگیں نوٹ کرتے چلے گئے..... آخر جب تلاشی کا کام مکمل
ہو گیا تو انھوں نے سب سے پہلے ان خطوط کو کھولا.....
ان میں سے ایک خط پروفیسر طاؤس جارجی کا تھا..... اس
میں لکھا تھا:

"میرے ہونہار شاگرد!

پچھلے دنوں میں نے تمھیں ایک خاص بات
بتائی تھی..... امید ہے تم نے اس کا ذکر کسی سے
بھی نہیں کیا ہو گا..... اب ایک اور حیرت انگیز
بات سامنے آئی ہے..... میرا خیال ہے تم میرے
پاس آ جاؤ..... جس قدر جلد ممکن ہو سکے، پھر ہم

مل کر اس تجربے پر کام کریں گے..... اس طرح
ملک میں تمھیں بھی شہرت مل جائے گی..... باقی
باتیں ہم ملاقات پر طے کریں گے۔

فقط

پروفیسر طاؤس جارجی"

اس خط پر تاریخ قریباً پندرہ سال پہلے کی تھی.....
اور پندرہ سال ہی ثاقب شامی کی گمشدگی کو ہو گئے تھے
گویا پندرہ سال پہلے ثاقب شامی پروفیسر طاؤس جارجی کے
پاس گیا تھا.....

"سوال یہ ہے کہ پندرہ سال پہلے جب وہ پروفیسر طاؤس
جارجی سے ملنے گیا..... اس کے بعد ان کو آنا تھا مگر وہ اسی وقت
سے غائب ہے۔"

"یہ بات تو اس کی والدہ ہی بتا سکیں گی۔"

"خیر یہاں آنے کا اتنا فائدہ تو ہوا کہ ثاقب کے تعلقات
پروفیسر طاؤس جارجی سے تھے..... یہ تو ہمیں پتا چلا۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے..... ثاقب شامی کوئی بہت بڑا
سائنس دان تھا..... اسی لیے پروفیسر طاؤس جارجی کی شاگردی
اختیار کر رکھی تھی..... اب مشکل یہ ہے کہ پروفیسر طاؤس
جارجی اور اس کے بیوی بچے بھی اس دنیا میں نہیں ہیں.....

ہم مزید باتیں پوچھیں تو کس سے؟"

"طاؤس جاری کے اس زمانے کے کسی ملازم سے۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"ہم یہ کام ضرور کریں گے۔۔۔۔"

انھوں نے باقی چیزوں کو سنبھالا اور باہر نکل آئے۔ بیگم

نے سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ کے فرزند اکثر پروفیسر طاؤس جاری سے ملنے جایا کرتے تھے؟"

"ہاں! ان کا بہت دوستانہ تھا۔۔۔ میرے بیٹے کو سائنسی تجربات کا جنون کی حد تک شوق تھا۔۔۔ دن رات تجربات میں لگا رہتا تھا۔۔۔"

"کیا انھوں نے کبھی کوئی چیز ایجاد بھی کی؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"نہیں! کم از کم مجھے تو اس نے کبھی نہیں بتایا کہ اس نے فلاں چیز ایجاد کی ہے۔"

"شکریہ! بہت بہت۔ اب ہم اجازت چاہیں گے۔"

اور پھر وہ باہر نکل آئے۔

"پروفیسر طاؤس جاری نے ثاقب شاہی کو کوئی خاص بات بتائی تھی۔۔۔ اور پھر وہ ایک اور خاص چیز اُسے دکھانا چاہتا

تھا۔۔۔۔ اس سلسلے میں شاہی ان سے ملنے گیا۔۔۔۔ لیکن پھر وہ نہیں آیا۔۔۔ گویا وہاں جا کر اس نے پروفیسر طاؤس جاری کے ساتھ مل کر تجربات کیے۔۔۔۔ دونوں نے مل کر سرخ کاریں ایجاد کیں اور سرخ کاروں کی کارروائیاں دیکھ کر حضرت ثاقب بے ایمان ہو گئے۔۔۔ لہٰذا اس نے بے چارے پروفیسر طاؤس جاری کو ٹھکانے لگا دیا۔۔۔ لیکن ایسا اس نے اُس وقت کیا جب ہم لوگ ان کی تجربہ گاہ میں پہنچ گئے۔۔۔ طاؤس جاری ہمارے ساتھ موجود تھے اور دوسری طرف ٹی وی کیمرے کے ذریعے ثاقب شاہی ہمیں دیکھ رہا تھا۔۔۔ اور پھر اس نے سرخ کار کے ذریعے تجربہ گاہ پر حملہ کرا دیا۔۔۔ اس طرح وہ ملبے تلے دب گئے۔۔۔ ہم بھی ہو سکتا ہے ملبے تلے دبے ہوں، لیکن ہمیں نکالا گیا۔۔۔ اور انھیں نہیں نکالا گیا۔۔۔ شاید وہ ہمیں اپنی حکومت کا نظارہ کرانا چاہتا تھا۔۔۔۔ بس یہ ہے کہانی۔۔۔۔"

"لیکن ان معلومات کے باوجود ہم ثاقب شاہی کی تلاش کرنے کے قابل نہیں ہو سکے۔"

"ابھی ابھی تو کام شروع کیا ہے۔۔۔۔ اب ہم پروفیسر طاؤس جاری کے کسی قریبی عزیز سے ملیں گے، شاید وہاں سے ہمیں کوئی سراغ مل جائے۔" آصف نے کہا۔

"وہ تو بعد کی بات ہے.... پہلا سوال تو یہ ہے کہ ہم پروفیسر طاؤس جاری کے کسی عزیز کے ہاں کیسے پہنچیں؟ ان کی تجربہ گاہ بھی جنگل میں واقع تھی.... ورنہ آس پاس والوں سے کافی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔"

"پھر.... اب کسی عزیز کا سراغ لگانے کا کیا طریقہ ہے؟"

"بذریعہ اخبار.... اشتہار دے کر۔"

وہ پھر دارالحکومت پہنچے.... لیکن گھر کا رخ نہیں کیا.... بلکہ ایک دوست کے گھر جا ڈیرہ جمایا.... کیونکہ گھر جانے کی صورت میں وہ بھی دشمنوں کی نظروں میں آ جاتے جب کہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ الگ رہیں گے اور دشمنوں کی نظروں میں آئے بغیر مجرم کا سراغ لگائیں گے۔

شام کے اخبارات میں انھوں نے اشتہار شائع کرا دیا.... پتا اس دوست کا لکھا تھا.... دو گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی.... اور ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"آپ کو پروفیسر طاؤس جاری کے کسی رشتے دار کی تلاش ہے؟"

"جی ہاں! بالکل ہے۔"

"میں ان کا ایک قریبی عزیز بات کر رہا ہوں...."

"مہربانی فرما کر اپنا نام اور پتا نوٹ کرا دیں تاکہ ہم آپ سے ملاقات کر سکیں۔"

"ضرور! میرا نام ناصر بیگ ہے.... ۵۵۴ حسن روڈ پر رہتا ہوں.... آپ جب جی چاہے آ سکتے ہیں۔ میں آج دن کل گھر میں ملوں گا۔"

"ہم ابھی آ رہے ہیں۔"

"اچھی بات۔" محمود نے کہا۔

وہ فوراً اس پتا پر پہنچے.... ایک ادھیڑ عمر آدمی نے ان کا استقبال کیا اور بولا۔

"میرا نام ناصر بیگ ہے...."

"شکریہ.... ہم نے آپ کو زحمت دی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں.... فرمائیے.... کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ پروفیسر طاؤس جاری کے کیا لگتے ہیں؟"

"چچا زاد بھائی ہوں ان کا۔"

"کیا وہ اکثر یہاں آتے رہتے ہیں.... یا آپ اکثر ان کے ہاں جاتے رہتے ہیں؟"

"جی نہیں.... ملاقات کم ہی ہوتی تھی.... اس لیے کہ

انھیں تو اپنے تجربات کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔
"ہوں.... بذریعہ خط بھی کبھی بات چیت نہیں ہوتی تھی۔"

"خط دو چار بار ضرور آئے تھے ان کے۔"
"کیا ہمیں آپ ان کا خط بھی نہیں دکھا سکتے۔"
"ضرور دکھا سکتا ہوں.... لیکن مسئلہ کیا ہے....؟"
"وہ گم ہیں نا.... ان کی تلاش کا مسئلہ۔ اور بس۔"
"ہوں ٹھیک ہے.... میں آپ کو ان کے چند خط دے سکتا ہوں۔"
"بہت بہت شکریہ۔"

اس سے خط لے کر وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ اپنے دوست کے گھر پہنچ کر جب انھوں نے ان خطوط کو غور سے دیکھا تو فرزانہ بری طرح اچھلی۔
"کیا ہوا! یہاں بچھو تو کہیں نظر نہیں آ رہے۔"
"کسی کھٹمل نے کاٹ کھایا ہوں۔"
"ارے نہیں بھئی.... میرے گھر میں کھٹمل نہیں ہیں۔"
"اوہو اچھا.... کمال ہے.... خیر نہیں ہو گی۔"
"جلدی بتاؤ فرزانہ.... کیا بات ہے....؟"
"ان خطوط کی تحریر کو غور سے دیکھو۔" اس نے کہا۔

ان سب کی نظریں تحریر پر جم گئیں....
"تحریر جانی پہچانی سی لگتی ہے۔"
"لیکن ایسی تحریر میں نے پہلے کہاں دیکھی ہے۔" محمود نے الجھن کے عالم میں کہا۔
"وہ مارا....!" شوکی نے چٹکی بجائی۔
"کہاں مارا.... کیا مارا.... کچھ نظر تو نہیں آ رہا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔
"عینک لگا لیں۔" شوکی نے منہ بنایا۔
"ہائیں ہائیں.... اچھا خیر.... بعد میں نبٹوں گا.... پہلے تحریر کا مسئلہ حل کر لیں۔ ہاں تو بتائیں.... اس قسم کی تحریر ہم نے کہاں دیکھی ہے؟"
"شاید حال ہی میں دیکھی ہے.... محمود بھائی آپ اپنی جیبوں سے تمام تحریریں نکالیں ذرا۔" شوکی نے کہا۔
"میرے پاس تحریروں کا خزانہ تو نہیں ہے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔
"اس وقت اس میں جتنی تحریریں ہیں.... صرف وہ نکال لیں۔"
محمود نے کاغذ نکال کر پھیلا دیے اور ان خط کی تحریر سے ملا کر دیکھنے لگے۔ باری باری وہ کاغذ کو خط

سے ملا رہے تھے کہ اچانک فرزانہ بری طرح اچھلی..... اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں....

"اُف مالک! یہ کیا ہے..... یہ کیسے ہے..... اور کیوں ہے؟"

"ایک سانس میں تین باتیں..... توبہ، توبہ، توبہ" آفتاب نے جل کر کہا۔

"اور تم نے جو تین بار توبہ توبہ کہا ہے؟"

"اہم بات کے لیے ایک توبہ کوئی زیادہ تو نہیں ہے"

"حد ہو گئی..... آخر ہمیں بھی تو پتا چلے کس بات پر اس قدر زور سے اچھلی ہو؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ سوجھ گئی ہو گی کوئی ترکیب؟" فرحت نے کہا۔

"نہیں! میں اس تحریر کو دیکھ کر چونکا ہوں؟"

فرزانہ نے ایک کاغذ کی طرف اشارہ کیا..... اور پھر ان سب کی آنکھیں بھی مارے حیرت کے پھیل گئیں..... محمود کا ہاتھ مشینی انداز میں فون کی طرف بڑھا۔

ایک فون اور

انسپکٹر جمشید نے فون کی گھنٹی بجی..... انھوں نے ریسیور اٹھایا تو آئی جی صاحب کو گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہیلو جمشید..... ابھی ابھی ہمارے چند خفیہ کارکنوں نے اطلاع دی ہے کہ انشارجہ، بیگال، وشاس اور کئی دوسرے ملکوں کے ایجنٹ خفیہ طور پر ملک میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں..... غالباً ان کے کاغذات بالکل اصل معلوم ہوتے ہوں گے؟"

"تب پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان ملکوں کے لوگ داخل ہو گئے ہیں؟"

"جن لوگوں کو ان کاغذات کے تحت ملک میں داخل ہونا تھا، وہ ان لوگوں کے صرف آدھ گھنٹے بعد آئے تو وہاں

کہرام بچ گیا "

"اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اب ہم کیا کریں جمشید"

"کرنا کرانا کیا ہے.... ہم فی الحال صبر کریں گے.... کوئی کارروائی تو نہیں کر سکیں گے"

"لیکن یہ لوگ آتے ہی اپنا عمل دخل شروع کر دیں گے"

"کوئی بات نہیں سر.... ہم تیل دیکھیں گے، تیل کی دھار دیکھیں گے"

"لیکن اگر ان سب نے مل کر تم پر دھاوا بول دیا۔

"اللہ مالک ہے" وہ بولے۔

"بے شک! لیکن کیا یہ ٹھیک نہیں کہ تمہارے گھر کے گرد فوجی دستہ مقرر کر دیا جائے"

"اگر آپ یہ مناسب خیال کرتے ہیں تو یونہی سہی"

"میں فوجی دستہ بھیج رہا ہوں...."

"شکریہ" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد دروازے کی گھنٹی بجی....

"فوجی آ گئے.... خان رحمان انہیں اندر ہی لے آؤ"

"بہت اچھا" خان رحمان نے کہا اور دروازے کی

طرف چلے....

جونہی انہوں نے دروازہ کھولا.... ان کی ٹھوڑی پر ایک مکا لگا، وہ اندر کی طرف گرے....

باقی لوگ دم بخود رہ گئے.... پھر دروازے کی طرف دوڑے.... اس وقت لمبے قد کا ایک آدمی اندر داخل ہوا.... اس کے چہرے پر گہری سفاکی کا راج تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باقی ساتھی بھی اندر آ گئے.... ان کے ہاتھوں میں مختلف قسم کا اسلحہ تھا.... اور یہ اسلحہ جدید ترین تھا.... خود انہوں نے بھی اس قسم کی رائفلیں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو...." اس کی سرد آواز برآمدے میں گونجی۔

انسپکٹر جمشید نے سب سے پہلے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

یہ دیکھ کر باقی لوگ بھی اس پوزیشن میں آ گئے۔

"کیا پروگرام ہے" انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

"خطرناک!" وہ مسکرایا۔

"آپ کا نام" وہ بولے۔

"خوفناک" اس نے ہنس کر کہا۔

"جاسوسی ناول بہت زیادہ پڑھتے رہتے ہو شاید" انسپکٹر

جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بچپن میں.... اب نہیں.... اب جاسوسی کام کرتے ہیں۔"

"آخر چاہتے کیا ہو؟"

"تم لوگوں کی موت.... لیکن چاہو تو زندگی بھی دے سکتے ہیں" اس نے سنسنی خیز انداز میں کہا۔

"غلط.... بالکل غلط" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا غلط ہے؟"

"نہ تم موت دے سکتے ہو، نہ زندگی.... یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے۔"

"لیکن اللہ تعالیٰ بھی تو کسی کے ذریعے ہی موت دیتے ہیں" اس نے کہا۔

"یہ بھی درست نہیں.... انسان قتل ہوئے بغیر بھی تو مرتے ہیں....!"

"اچھا ہو گا.... میں ان بحثوں میں پڑنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"فرمایئے.... کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"شعاع کاروں کے موجد کی تلاش ہے ہمیں....!"

"پڑھا تو ہے.... لیکن یقین نہیں آیا.... اور اگر وہ فرار ہو گیا تھا تو اب تک تم لوگوں نے اُسے دوبارہ پکڑ

لیا ہو گا.... اس نے کہا۔

"نہیں پکڑا جا سکا.... تلاش میں مصروف ہیں.... وہ بولے۔

"خیر کوئی بات نہیں.... اگر نہیں پکڑا گیا تو بھی پکڑا جائے گا.... فی الحال ہم یہیں رہیں گے۔"

"بطور مہمان اگر یہاں رہنے کا ارادہ ہے تب تو ٹھیک ہے.... ورنہ آپ لوگوں کی جگہ حوالات ہے.... آپ کو وہاں بھیج دیتے ہیں.... انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان ہتھیاروں سے ابھی آپ لوگ واقف نہیں.... اس لیے بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں۔"

"ارے تو واقفیت کرا دیں نا بھئی۔" پروفیسر داؤد نے دخل اندازی کی.... وہ خود بھی ان کے بارے میں فکر مند تھے۔

"یہ شعاعوں والے ہتھیار ہیں.... ان میں سے گولیاں نہیں شعاعیں نکلتی ہیں اور جس چیز پر پڑتی ہیں۔ جلا کر راکھ کر دیتی ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا" پروفیسر داؤد خوف زدہ آواز میں بولے۔

"لیکن ہمیں ثاقب شامی کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کا مطلب ہے.... وہ سائنس دان؟"

"ہاں، وہی.... آخر ہم اس کا پتا کس طرح بتا دیں۔"

"کوئی بات نہیں.... آپ ہمیں یہاں مہمان ٹھہرا لیں.... اس کا سراغ ہم خود لگا لیں گے.... بلکہ وہ خود یہاں آ جائے گا۔"

"یہاں آ جائے گا.... ہم.... مگر کیسے؟"

"تلاش کرنے والی تمام ٹیمیں ہمیں یہیں اطلاع دیں گی..... اور اگر آپ لوگوں کی تلاش کرنے والی کوئی پارٹی کامیاب ہو گئی تو وہ بھی یہیں اطلاع دے گی..... یا سائنس دان کو لے کر یہیں آ جائے گی.... اس لیے اس وقت پورے شہر میں اس گھر سے زیادہ اہم کوئی گھر نہیں۔"

"وحشت تیرے کی.... لگتا ہے.... ان لوگوں کو مہمان ٹھہرانا ہی پڑے گا۔"

"نہیں ٹھہرائیں گے تو زبردستی ٹھہریں گے.... ہمارے پاس جو رائفلیں ہیں، ان میں سے .... اگر ہم ایک فائر کر دیں تو تم سب لوگ صرف ایک سیکنڈ کے اندر ختم ہو جاؤ گے.... لہذا ڈرو اس وقت سے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"یہ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں جمشید.... جو یہ کہتے ہیں مان لو۔"

"لیکن پروفیسر صاحب.... اس طرح تو یہ ہم سے ثاقب شاہی کو لے جائیں گے۔"

"لے جاتے ہیں تو لے جائیں.... ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.... جانتے بھی ہیں اس بات کا کیا مطلب نکلتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب نکلتا ہے.... آپ بتا دیں۔"

"یہ مطلب نکلتا ہے کہ ثاقب شاہی ان لوگوں کو سرخ کالا دیا بنا کر دے گا اور پھر یہ ان کے ذریعے پوری دنیا پر قابض ہو جائیں گے.... یعنی پہلے جو پروگرام ثاقب شاہی کا تھا.... اب ان کا ہو گا۔"

"ارے باپ رے.... یہ تو بہت زیادہ خوفناک بات ہے۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا تھا.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"لیکن.... تم لوگ کر بھی کیا سکتے ہو....؟" لمبے آدمی نے کہا۔

"خیر.... ہم دوستانہ فضا میں بات کر لیتے ہیں.... آپ کا نام کیا ہے؟"

نمبر دن : اس نے کہا

'گویا ناموں کی بجائے آپ کے ہاں نمبر چلتے ہیں۔

خان رحمان نے منہ بنایا۔

'آپ کو اس سے کیا.... آپ مجھے نمبر دن کہہ سکتے ہیں :

'اچھا پیارے نمبر دن.... آپ تشریف رکھیں اور بتائیں کیا ہم یہاں رہیں گے :

'ہاں! یہ ہوئی نا بات.... لیکن کوئی چالاکی کام نہیں آئے گی۔

'چالاکی.... کون سی چالاکی :

'کسی بھی قسم کی۔

'چلیے جب کام نہیں آئے گی تو آپ ہی فائدے میں رہیں گے نا : انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اور پھر انہیں ایک کمرے میں بٹھا لیا گیا.... ان کے سامنے ہی وہ بیٹھ گئے۔

'اب ہماری چند باتیں سن لیں : نمبر دن نے کہا۔

'ایک.... ہم تو آپ کی ہزاروں باتیں سن لیں گے :

'نمبر ۲! میز پر ڈبل فون رکھ دیں.... فون کال آئے.... آپ سنیں گے.... آپ ہی بات کریں گے، لیکن ہونے والی

گفتگو ہم بھی سنیں گے ..... اور ہاں آپ کی بیگم یا بیگمات سب ایک کمرے میں رہیں گی .... یا تو وہ باورچی خانہ پسند کریں یا کوئی اور کمرہ .... ہم ان کا چلنا پھرنا پسند نہیں کریں گے۔

'میرا خیال ہے وہ باورچی خانہ پسند کریں گی :

'ہمیں کوئی اعتراض نہیں.... اس طرح ہمیں مزے مزے کے کھانے بھی تو ملتے رہیں گے سنا ہے.... آپ کی بیگم بہت مزے دار کھانے بناتی ہیں :

'حیرت ہے.... یہ بات آپ تک بھی پہنچ گئی۔ انسپکٹر جمشید نے خوش گوار انداز میں کہا۔

'اس میں آپ کا یا آپ کی بیگم کا قصور نہیں ہے۔ یہاں آنے والے مجرموں کا قصور ہے۔ مثلاً جب ہم یہاں سے جائیں گے تو ہم بھی تو اپنے ساتھیوں میں یہاں کے کھانوں کا ذکر کریں گے :

'اچھا بھائی کر لینا.... بیگمات پہلے ہی باورچی خانے میں ہیں.... آپ میں سے کوئی پورے گھر کو دیکھ سکتا ہے۔ یہاں کوئی نہیں ملے گا.... سوائے ہمیں کے اور باورچی خانے کے :

'دیکھے بغیر کیسے کہہ سکتے ہیں :

"ایسے کہ ہم سچ بولتے ہیں... آپ کی طرح جھوٹ نہیں بولتے۔"
"اچھا خیر.... آپ کی مرضی.... بیگم.... مہمانوں کے لیے
کھانے تیار کر لیں۔"
"وہ تو پہلے ہی تیار کر چکے ہیں ہم۔"
"پہلے ہی کر لیے؟"
"جب یہ لوگ اندر آئے تھے.... میں نے اسی وقت
تیاری شروع کر دی تھی.... جان گئی تھی کہ یہ کھانا
کھائے بغیر نہیں جائیں گے۔"
"بلکہ ابھی تو کئی کھانے اور کئی ناشتے بنانے پڑیں گے
آپ کو۔" نمبر ون نے کہا۔
عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔
"اوہ! انسپکٹر صاحب آپ نے ابھی تک ممبر پر فون
سیٹ نہیں رکھا۔"
"ہم ایسے سیٹ کی بات کر رہے بیٹھے ہیں.... ہم سب
آواز سب سن سکیں گے۔" وہ بولے
"ٹھیک ہے.... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"
"بہت خوب۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے سیٹ کا بٹن
دبا دیا....
"ہیلو۔" دوسری طرف سے آواز سنائی دی.... آواز نمبر ٹو کی

"جی فرمائیے۔"
"نمبر ون سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔
"آہا! یہ تو اپنا فون ہے.... ہاں نمبر ٹو.... کیا بات
ہے۔"
"پورا شہر چھان مارا گیا.... لیکن اس سائنس دان کا کوئی
سراغ نہیں مل سکا۔"
"کوئی فکر نہ کرو.... ان لوگوں کی چھوٹی پارٹی تلاش میں
نکل ہوئی ہے.... ان کی طرف سے رپورٹ ملنے کی دیر ہے....
پھر ہم اس جگہ پہنچ جائیں گے.... تم ہر پندرہ منٹ بعد
فون پر صورتِ حال معلوم کرتے رہنا....۔" نمبر ون
نے کہا۔
"او۔ کے....۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ بند
کر دیا گیا....
"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید
نے کہا۔
"اور وہ کیا؟" نمبر ون مسکرایا۔
"سائنس دان کی تلاش میں کیا صرف ایک ملک کے
جاسوس حرکت میں آئے ہیں اب تک؟"
"نہیں.... قریباً دس بڑے ملکوں کے جاسوس اس وقت

آپ کے اس شہر میں سرگرم ہیں۔"

"اور آپ لوگوں کا تعلق ان میں سے کس ملک سے ہے؟"

"بیگال سے۔"

"گویا باقی ملکوں کے جاسوسوں نے یہاں آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"اپنے اپنے ذہن کی بات ہے۔"

"بہت خوب....." وہ مسکرائے.....

"کھانا بالکل تیار ہے..... میں کھڑکی میں سے پکڑاتی ہوں..... آپ پکڑتے رہیں اور میز پر رکھتے رہیں۔" بیگم جمشید کی آواز ابھری۔

"لیکن اتنا خیال رہے..... کوئی چالاکی نہیں چلے گی"

"آخر آپ کا اشارہ کون سی چالاکی کی طرف ہے؟"

"کھانے میں کوئی زہر بھی تو ملایا جا سکتا ہے۔"

"اور ہم جو آپ کے ساتھ کھائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے:

"ہوں ٹھیک ہے۔"

کھانے کے برتن آنے لگے..... یہاں تک کہ پوری میز بھر گئی۔

"شروع کریں جناب، ان بلائے مہمانو۔" انھوں نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ایسے نہیں..... پہلے آپ لوگ بھی ایک ایک لقمہ کھانے میں کھائیں۔" نمبر ون نے کہا۔

"بہت زیادہ شکی مزاج ہیں آپ۔"

"ہمارا تعلق بیگال سے ہے ہم اس وقت موجود ہیں انسپکٹر جمشید کے گھر میں..... لہذا یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے..... جب کہ ہم چاہتے ہیں..... کچھ نہ ہو اور ہم صرف ثاقب شامی کو لے کر اپنے ملک چلے جائیں..... اس وقت ہمارے لیے وہ بہت زیادہ اہم ہے۔"

"پتا نہیں وہ کتنے ملکوں کے لیے بہت زیادہ اہم بن چکا ہے....."

"اس وقت فون کی گھنٹی بجی....."

"آہا..... ایک فون اور آ گیا..... اب آئے گا مزا۔" نمبر ون نے ہنس کر کہا۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔

"السلام علیکم۔"

"ابا جان! یہ میں ہوں....."

"میرے پیارے بچے... کیسے فون کیا..... کیا بات ہے۔"

"جی وہ.... بس.... آپ کی خیریت دریافت کرنا تھی۔"

"ہم بالکل خیریت سے ہیں.... فکر کی کوئی بات نہیں۔"

"اچھا شکریہ.... ہم زور شور سے ثاقب شامی کو تلاش کر رہے ہیں.... ابھی تک تو خیر کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے.... کوشش جاری رکھو۔" انھوں نے کہا اور محمود نے ریسیور رکھ دیا.... وہ بھی ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے۔

"آپ نے اب تک کھانا شروع کیا۔"

"پہلے آپ سب ایک ایک لقمہ لیں۔"

"اوہ یار! اچھا۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے ایک لقمہ لگا لیا اور سالن لگانے کے بعد اس کو منہ میں رکھ لیا۔ اس طرح باقی لوگوں نے بھی ایک ایک لقمہ تمام کھانوں سے لگایا۔

"اب تو آپ کا اطمینان ہو گیا ہو گا۔"

"ہاں! بالکل...."

اور پھر وہ سب کھانا کھانے لگے.... ایسے میں عنبر دن نے پانی کا گلاس اٹھایا.... پھر اس نے چونک کر کہا:

"ارے باپ رے.... کتنی بڑی غلطی ہونے والی تھی۔ پانی کو تو چیک کرایا ہی نہیں.... آپ سب پانی کا بھی ایک ایک گھونٹ لیں۔"

"ضرور.... کیوں نہیں۔"

انھوں نے پانی پی کر بھی دکھا دیا.... جب ان کا اطمینان ہو گیا تو پھر وہ پانی بھی پینے لگے.... اس طرح کھانا کھایا گیا....

"ہم کھانے کے بعد چائے کے بہت عادی ہیں۔" عنبر دن نے کہا۔

"اوہ اچھا.... ہمارے ہاں تو خیر ایسا نہیں ہے.... بہرحال آپ کے لیے بنوا دیتا ہوں.... بیگم چائے۔"

"چائے بھی تیار ہے.... برتن پکڑا لیں۔"

اب چائے میز پر رکھی گئی۔

"یہ بھی آپ لوگ پہلے پی کر دکھائیں۔" عنبر دن نے کہا۔

"ضرور جناب کیوں نہیں...."

انھوں نے چائے بھی پی کر دکھا دی.... وہ چائے پینے لگے....

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

تلاش

"گھر میں خطرہ ہے....: محمود نے ریسیور رکھتے ہوئے
کہا۔

"ارے باپ رے.... لیکن یار یہ بھی تو ہو سکتا
ہے کہ خطرے میں گھر ہو: فاروق نے جلدی سے
کہا۔

"اور اس سے کیا فرق پڑ جائے گا: بات ایک ہی
ہے۔

وہاں خطرہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دشمن ہمارے
گھر پر قابض ہو چکے ہیں، لیکن ہم کو دخل اندازی
نہیں کریں گے.... نہ اس طرف کا رخ کریں گے....
ابا جان نے بھی اشارہ دیا ہے.... اگرچہ وہ الفاظ کی
صورت میں کچھ نہیں بتا سکتے.... غالباً فون پر گفتگو وہاں

سب سن رہے ہیں:
"پھر انھوں نے اشارہ کس طرح دیا: آصف بولا۔
"اس انداز میں اور اس لہجے میں وہ آج سے بات
نہیں کرتے.... بس اسی سے ہی میں سمجھ گیا کہ وہاں
دشمن موجود ہیں:
"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں":
"ہمیں کرنا یہ ہے کہ....: آفتاب کہتے کہتے رک گیا:
"بریک کیوں لگ گیا: آصف نے جل کر کہا۔
"بس لگ جاتا ہے کبھی کبھی بریک بھی.... اب اس
بے چارے کا بھی کیا قصور.... بنا جو لگنے کے لیے ہے،
"آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔
"دماغ تو نہیں چل گیا۔: آصف نے جھلا کر کہا۔
"ابھی تک نہیں چلا.... جب چلے گا.... بتا دوں گا:
وہ بولے۔
"میرا خیال ہے.... یہ لوگ وقت ضائع کرنے پر تل
گئے ہیں: فرزانہ نے منہ بنایا۔
کیا اب ہمیں ان کے مقابلے میں وقت کو آباد کرنا
پڑے گا: فرحت گھبرا کر بولی۔
"میرا خیال ہے.... بڑی پارٹی خود ہی نبٹ لے گی ان

ہے.... ہمیں اب وہاں وقت نہیں کرنا چاہیے.... کہیں دشمن ہم تک نہ پہنچ جائے۔"

"اچھی بات ہے.... ہم اپنا کام جاری رکھیں گے.... اور انھیں فی الحال کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"تب پھر بات ہو جائے تحریر پر.... یہ دونوں تحریریں آپس میں بالکل ملتی ہیں اور اس چیز نے پورے کیس کی کایا پلٹ دی ہے.... ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی کایا اس طرح پلٹے گی۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"کوئی بات نہیں....

"اب سوچ لو۔" فاروق نے مشورہ دیا۔

"حد ہو گئی.... تم لوگ اور باز آ جاؤ۔"

"جب پتا ہی ہے کہ ہم باز نہیں آئیں گے.... تو یہ کہنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔"

"ہمیں اپنے چالاک مجرم کو تلاش کرنے کے لیے اس کے چند رشتے داروں کا پتا چلانا ہو گا...."

"لیکن یہ کام بھی آسان نہیں ہے۔"

"مطلب یہ کہ اس کیس میں آسان کام تو کوئی ہے بھی نہیں۔"

"اللہ مالک ہے.... ہم شاید پیدا ہی مشکل کاموں کے لیے ہوئے ہیں۔"

اب انھوں نے اپنے حلیوں میں کچھ تبدیلی کی.... تاکہ آسانی سے پہچانے نہ جا سکیں۔ پھر وہ اس گھر سے نکل کھڑے ہوئے مجرم کے رشتے دار کی تلاش میں انھیں کئی گھنٹے ضائع کرنا پڑے.... تب کہیں جا کر دور کا کوئی رشتے دار مل سکا۔

"ہم آپ کو زحمت دینے آئے ہیں.... آپ کے عزیز کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں.... انھوں نے نام بتاتے ہوئے کہا۔

"ان کے بارے میں آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"ہم ان سے کہاں مل سکتے ہیں۔"

"یہ کیا مشکل ہے.... ہم پتا لکھ دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک کاغذ پر پتا لکھ کر دے دیا۔

"اب وہ اس پتے پر نہیں ملتے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ پتا تو ان کا سب کو معلوم ہے.... لیکن وہ کہیں اور چلے گئے ہیں.... آخر ہم ان کا پتا کس طرح چلا سکتے ہیں۔"

"تب آپ فیروز غامی سے ملیں۔"

"یہ کون صاحب ہیں۔"

"ان کے گہرے دوست .... بچپن کے .... یہ ضرور ان کے بارے میں بتا سکیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ وہاں سے باہر نکلے .... یہ گھر ایک دیہات میں تھا .... ابھی انھوں نے سڑک کا رُخ کیا ہی تھا کہ ایک بڑی گاڑی کو سڑک پر رُکتے دیکھا۔

"ارے باپ رے .... اس کا یہاں کیا کام۔"

"بھئی ہو گی کسی زمیندار کی .... اپنی زمینوں کا حساب کرنے آیا ہو گا۔"

"جی نہیں .... یہ گاڑی بہت ماڈرن ہے .... دیہاتوں میں ایسی کہاں ہوتی ہیں .... اس پر ضرور کوئی اور لوگ آئے ہیں۔"

"تب پھر آؤ .... اِدھر اُدھر ہو کر جائزہ لیں۔"

وہ کچھ فاصلے پر ایسی جگہ جا کھڑے ہوئے .... جہاں بچے کھیل رہے تھے .... وہ یوں ظاہر کرنے لگے جیسے وہ بھی گاؤں کے رہنے والے ہیں اور بچوں کے کھیل کو دیکھ رہے ہیں .... تاہم ان کی نظریں گاڑی کی طرف لگی تھیں .... انھوں نے ان چار آدمیوں کو دیکھا .... ان کے ہاتھوں میں کلاشن کوف جیسی رائفلیں تھیں .... وہ بھی اس گھر کے پاس

آ کر رُک گئے .... پھر انھوں نے دستک دی .... پھر وہی رشتے دار باہر آیا اور انھیں دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا .... دیکھتے ہی دیکھتے ان میں سے ایک نے اس کی ٹھوڑی پر مکا مارا .... وہ دوسری طرف اُلٹ گیا .... یہ دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے .... اور پریشان ہو گئے۔

"اس غریب کے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے .... آخر مارنے کی کیا ضرورت تھی۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ دیکھتے ہیں .... اس سے وہ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔" محمود نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

انھوں نے اس وقت ان آٹھوں کو مکان کے اندر داخل ہوتے دیکھا .... گاڑی کی طرف انھوں نے نظر ڈالی، اس میں ڈرائیور نہیں تھا .... گویا سب اس طرف آ گئے تھے۔

وہ اپنی جگہ سے اس طرف آ گئے اور دروازے کے نزدیک ہو گئے .... انھوں نے سنا کوئی غراہٹ زدہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

"بتا خبیث .... وہ کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا .... ابھی کچھ اور لوگ بھی آئے تھے، میں نے ان سے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اگر مل سکتے ہیں تو اپنے بچپن کے دوست فیروز غامی کے ہاں مل سکتے ہیں

"اوہ اچھا.... لیکن اگر یہ خبر غلط ہوئی تو پھر ہم یہاں ایک بار اور آئیں گے...."

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ پیچھے ہٹ آئے اور تیز تیز سڑک کی طرف چلنے لگے۔

"یہ لوگ ہم سے پہلے فیروز غامی تک پہنچ جائیں گے.... اب کیا کریں؟"

"گاڑی پنکچر کر دو جلد ہی.... وہ لوگ گھر سے نکلنے ہی والے ہیں۔"

وہ فوراً گاڑی تک پہنچ گئے اور مخالف سمت میں اگر دو ٹائروں کی ہوا نکال دی.... ساتھ ہی وہ اپنی گاڑی کی طرف دوڑے۔

"ارے.... خبردار.... ہم فائرنگ کر دیں گے.... رک جاؤ" پیچھے سے بلند آواز سنائی دی۔

لیکن اب وہ کہاں رکنے والے تھے.... درمیانی فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے شاید وہ اپنی رائفلوں سے ان کا نشانہ نہیں لے سکتے تھے.... تاہم وہ بھی ان کی طرف دوڑ پڑے تھے پھر جونہی وہ اپنی گاڑی میں بیٹھے.... فائرنگ شروع ہو گئی.... مگر اس وقت تک وہ اپنی کار میں سوار ہو چکے تھے اور کار آگے بڑھ چکی تھی.... وہ بلا کی

رفتار سے کار کے پیچھے دوڑتے رہے اور فائرنگ کرتے رہے.... لیکن وہ آگے نکل گئے.... اور پھر حملہ آور بہت پیچھے رہ گئے۔

"اب ہم ان شاء اللہ ان سے پہلے فیروز غامی تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہاں! اللہ نے چاہا تو۔"

محمود نے تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ دیے.... اور پھر فیروز غامی کے دروازے پر ہی جا کر رکے.... گھنٹی بجائی گئی.... ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا۔

"جی کیا بات ہے؟"

"آپ خطرے میں ہیں.... کوئی سوال کیے بغیر اگر ہماری کار میں بیٹھ جائیں تو ہم فوراً آپ کو لے کر محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے.... لیکن اگر آپ نے دیر کر دی تو پھر.... آپ نہیں بچ پائیں گے۔"

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں.... ارے.... آپ محمود، فاروق اور فرزانہ تو نہیں ہیں؟"

"ہاں! یہ ہم ہی ہیں.... اب تو آ جائیں.... ہم صرف آپ کی حفاظت کے لیے کہہ رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے خطرہ کیا ہے؟"

"بھئی گاڑی میں بیٹھ جائیں۔"

"لیکن میرے بیوی بچے۔" وہ گھبرا گیا۔

"اوہ! یہ بات تو ہم نے سوچی ہی نہیں.... اچھا پھر یوں کرتے ہیں کہ گھر کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے ہیں.... اور پولیس کی مدد بلا لیتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ فوراً اندر داخل ہو گئے.... پہلے انھوں نے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کرائیں.... پھر گھر کے افراد کو بھی ایک کمرے میں بند کیا.... فیروز نامی اور ان کے گھر والے حد درجہ پریشان تھے کہ یہ ہمارے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ آخر فیروز سے رہا نہ گیا۔

"اب تو کچھ بتا دیں۔"

"کچھ لوگ آپ کے بچپن کے دوست کی تلاش میں ہیں.... اس سلسلے میں آپ تک آنے ہی والے ہیں۔ وہ بہت خوفناک اسلحے سے لیس ہیں۔"

"آپ کس دوست کی بات کر رہے ہیں؟"

انھوں نے نام بتایا.... اور وہ دھک سے رہ گیا۔

"آپ نے اخبارات میں تفصیلات پڑھ ہی لی ہوں گی.... لہٰذا اسلام دشمن طاقتیں اب اس کردار کو حاصل کرنے کے چکر میں ہیں.... جب کہ ہماری کوشش یہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی ان کے ہاتھ نہ لگیں۔"

"ہوں!" وہ بولا۔

"ویسے کیا آپ کو معلوم ہے.... آپ کے دوست کہاں ہیں؟"

"ن.... نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

اب جو محمود نے بغور اس کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا.... کیوں کہ اس کا چہرہ سیاہ پڑ چکا تھا....

"خیر تو ہے۔"

"آپ بتا نہیں۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"میرا دوست اسی جگہ پناہ لیے ہوئے ہے....!"

"کیا!!!" وہ چلائے

اور پھر محمود فون کی طرف دوڑ پڑا۔ اس نے فوراً اکرام کا نمبر ڈائل کیا۔ جونہی سلسلہ ملا.... اس نے فیروز نامی کا نام اور پتا بتاتے ہی کہا:

"آپ جس قدر جلد ممکن ہو.... یہاں پہنچ جائیں، اچھی بھلی فورس کے ساتھ.... دیر ہونے کی صورت میں اس قدر

زبردست نقصان ہوگا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے" یہ الفاظ
کہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور فیروز غالی کی طرف مڑا۔
"ہاں! اب بتائیں.... وہ کہاں ہیں؟"
"میری کوٹھی کے نیچے ایک عدد تہ خانہ ہے۔"
"اوہ.... اور.... آئیے جلدی سے۔"
وہ انھیں ایک کمرے میں لے آیا.... اس کمرے کے
فرش پر قالین بچھا تھا، اس نے فوراً قالین الٹ دیا.... فرش
کے رنگ کا ایک پتھر کا چوکور ٹکڑا اٹھاتے ہوئے اس
نے کہا:
"پہلے.... مجھے یہ بچاکر کھڑے ہونا پڑے گا۔"
"اچھی بات ہے۔"
وہ ایک ایک کر کے اتر چلے گئے اور پھر پتھر کا
ٹکڑا فرش پر فٹ ہو گیا.... اندر گھپ اندھیرا تھا۔
"مسٹر فیروز غالی یہ کیا.... آپ خود نیچے آئے اور راستہ
بھی بند کر دیا" محمود نے بلند آواز میں کہا۔
لیکن فیروز غالی کی طرف سے انھیں کوئی جواب
نہ ملا۔
"اس کا مطلب ہے.... دھوکا ہو گیا.... لیکن یہ شخص
آنے والوں سے کس طرح بچے گا" محمود بڑبڑایا۔

"یہ تو وہی بتائے گا...."
"بہرحال ہم بہت بڑے پھنسے۔"
"ایسی کوئی بات نہیں.... انکل اکرام آنے ہی والے
ہیں" آفتاب بولا۔
"وہ اوپر دیکھ کر چلے جائیں گے" فاروق نے منہ بنایا۔
"اللہ اپنا رحم فرمائے.... اب ہم کیا کریں؟"
"صبر" شوکی نے فوراً کہا۔
اور وہ اندھیرے میں تہ خانے کے فرش کو ٹٹولنے
لگے.... اچانک رفعت نے ٹھوکر کھائی۔
"ارے باپ رے.... یہ فرش پر کیا پڑا ہے؟"
"ہم کیسے بتا سکتے ہیں کہ کیا پڑا ہے؟"
رفعت نے اٹھ کر اس جگہ کو ٹٹولا۔
"تت.... تم کون ہو.... بھائی اور یہاں کیوں پڑے ہو؟"
"ہائیں.... یہ اس تہ خانے میں تمھارا بھائی کون نکل آیا؟"
آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔
"یا اللہ رحم.... یہاں شاید کسی کی لاش.... ارے نہیں....
اس کا جسم تو گرم ہے.... شاید یہ کوئی بے ہوش آدمی ہے۔"
"بھیا بھائی.... تم یہاں بے ہوش کیوں پڑے ہو؟"
مکھن بولا۔

"حد ہو گئی .... اگر یہ بے ہوش ہے تو کس طرح بتا سکتا ہے۔"

"ارے! اس نے کروٹ لی ہے۔"

"خدا کا شکر ہے .... اس نے کروٹ تو لی۔ اب دوسری کروٹ لے گا تو بولے گا۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"میں اسے پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود آگے بڑھا مگر وہ بھی ٹھوکر کھا کر گرا .... اور گرا بھی اس بے ہوش جسم پر۔

"نن نہیں .... نہیں .... مجھے مت مارو .... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے .... مجھے جانے دو .... جانے دو .... جانے دو ....۔" بے ہوش آدمی شاید ہوش میں آتے ہی بولنے لگا۔

"جا سکتے ہو .... جا سکتے ہو۔" محمود گھبرا کر بولا۔

"آپ .... آپ کون ہیں .... اس قدر اچھی بات اس تہ خانے میں پہلی بار ہوئی ہے۔" اس آدمی نے کہا۔

"آپ کون ہیں؟"

"میں .... میں ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی تہ خانے میں بجلی سی چمکی۔ ساتھ ہی تہ خانے میں ایک قہقہہ گونجا۔

آخری بات

"ہائیں! یہ کیا .... آپ اپنا نام بتانے کے بجائے قہقہہ لگانے لگے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے قہقہہ نہیں لگایا .... مجھے تو ہنستے ہوئے مدت گزر گئی .... میں تو مسکرانا بھی بھول چکا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، ہم یاد کرا دیں گے۔"

"کیا مطلب .... کیا یاد کرا دیں گے؟"

"مسکرانا، ہنسنا، قہقہے لگانا ارے ہم .... مگر .... اگر .... آپ نے قہقہہ نہیں لگایا تھا تو پھر کس نے لگایا تھا .... کیا یہاں جن بھوت بھی بستے ہیں؟"

اسی وقت تہ خانہ روشن ہو گیا .... اور انھیں فیروز عاسی کے ساتھ ثاقب شاہی کھڑا نظر آیا ....

"قہقہہ میں نے لگایا تھا دوستو ...."

"نن نہیں.... نہیں.... یہ ثاقب شامی نہیں ہے۔"

"کیا کہا.... تم جانتے ہو؟"

"ہاں ہم جانتے ہیں.... یہ ثاقب شامی نہیں ہے.... بلکہ شامی آپ ہیں..... کارین بنانے کا فارمولا آپ کا تھا۔ آپ نے اس بارے میں دو چار بار پروفیسر طاؤس جاری سے بات چیت کی تھی.... اس شخص نے خفیہ طور پر آپ کو اپنے پاس بلا لیا....؟"

"اوہ! تو یہ باتیں آپ جان چکے ہیں...." قیدی نے چونک کر کہا۔

"ہاں! آپ ہیں ثاقب شامی اور ہم سب لوگ ثاقب شامی خیال کرتے رہے پروفیسر طاؤس جاری کو.... جو ہمارے خیال کے مطابق ملبے تلے دب گیا تھا.... لیکن بھلا یہ کس طرح دب سکتا تھا جب کہ سرخ کارین کا خود مالک بن گیا تھا.... فارمولے پر خود قبضہ کر چکا تھا اور آپ کو اس تہ خانے میں قید کر دیا تھا.... تاکہ من مانی کر سکے.... اور غالباً آپ اس فارمولے کو حکومت کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ آپ محب وطن ہیں.... اور یہ ملک کا غدار....؟"

"جو جی چاہے کر لو.... اب تم بھی اس کے ساتھ یہاں قید رہو گے۔"

انھوں نے دیکھا.... طاؤس جاری اور فیروز خانی تہ خانے میں خالی ہاتھ نہیں آئے تھے.... ان کے ہاتھوں میں پستول تھے اور ان کے رُخ ان کی طرف تھے۔

"تو یہ مسٹر خانی بھی آپ کے ساتھی ہیں۔"

"ہاں! یہ بھی سائنس میں دلچسپی رکھتے ہیں.... لہٰذا میں نے انھیں اپنا دستِ راست بنا لیا ہے اور منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے میں نے ثاقب کو انھی کے گھر.... رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"گویا آپ دونوں غدار ہیں.... پورے ملک پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں۔"

"بلکہ پوری دنیا پر۔"

"لیکن ہم آپ کی زمین دوز دنیا کو تباہ کر چکے ہیں۔"

"وہ کوئی بات نہیں۔" طاؤس جاری نے کہا۔

"اور ہم آپ کی سرخ کارین پر قبضہ کر چکے ہیں۔"

"وہ بھی کوئی بات نہیں.... اس لیے کہ ہم اب انشارجہ اور بیگال کے ساتھ مل کر کارین بنائیں گے۔"

"تم دونوں بالکل بے وقوف ہو.... اس وقت تو

انشارجہ اور بیگال تمھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ لیکن جب وہ سرخ کاروں کو بنانے کا گُر جان جائیں گے، اس وقت تم دونوں ان کے اسی طرح قیدی ہوگے جس طرح یہ بے چارہ ثاقب شامی۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا... وہ لوگ آ چکے ہوں گے اور میری تلاش میں ہوں گے... ہمیں بس تم لوگوں اور پولیس سے بچ کر ان تک پہنچنا ہے... اور اس کی کوئی صورت جلد ہی سامنے آ جائے گی...."

"لیکن اس کی ایک اور صورت بہت جلد سامنے آنے والی ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تم نے اپنے پیچھے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔"

دونوں بوکھلا کر مڑے.... بس پھر کیا تھا.... وہ سب مل کر ان دونوں پر ٹوٹ پڑے.... پہلے مرحلے پر پستول ان کے ہاتھوں سے چھین کر دور پھینک دیے گئے اور پھر انھیں پکڑ لیا گیا.... انھوں نے اپنے بچاؤ کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے.... لیکن ان سب کے نرغے میں ان کی ایک نہ چلی.... جلد ہی دونوں ادھ موئے ہو گئے۔

"اب ہمیں فوراً پولیس پارٹی کو فون کرنا چاہیے۔" آصف بولا۔

"لیکن وہاں دشمن موجود ہیں...." محمود نے فوراً کہا۔

"تب پھر ہم کیا کریں...."

"میں بتاتی ہوں.... بہت زوردار ترکیب ذہن میں آئی ہے...." رفعت بولی۔

"حیرت ہے... بہت زوردار ترکیب اور تمھارے ذہن میں، جب کہ فرزانہ بھی یہاں موجود ہے۔"

"بس جی.... یہ تو وقت وقت کی بات ہے۔"

"رفعت کے ذہن میں آئی ہے، اس بات کی ہمیں خوشی ہے.... کیونکہ تم لڑکوں کو تو ہم جب بھی ہم پیچھے چھوڑ دے.... ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اور کیا۔" فرحت نے جلدی سے کہا۔

"اچھا! یونہی سہی.... لیکن بحث کا وقت نہیں ہے.... غیر ممالک کے ایجنٹ اس شخص کو اپنے لینے کے لیے آ چکے ہیں اور شاید ہمارا گھر بھی اس وقت ان کے قبضے میں ہے، لہٰذا ترکیب اگلنے دو رفعت کو.... آپ پھر لڑ لینا۔" شوکی نے عاجز آ کر کہا۔

"ہاں واقعی! یہ تو ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ترکیب یہ ہے کہ ان دونوں کو شوٹ کر دو۔"

"کیا مطلب... شوٹ کر دیں۔"

"ہاں! شوٹ کر دیتے ہیں.... فارمولے کو آگ لگا دیتے ہیں.... تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔"

"بات معقول ہے.... اس خطرے سے نجات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس طرح مل سکتی ہے۔"

"لیکن اصل موجد تو پھر بھی زندہ رہیں گے... " یہ اشارہ ثاقب شامی کی طرف تھا۔

"یہ عجب ولن ہیں.... اس راز کو سینے میں دفن کر کے باقی زندگی گزاریں گے.... کسی کو یہ بات نہیں بتائی جائے گی کہ اصل موجد یہ تھے.... بلکہ پروفیسر طاؤس کے چہرے پر اس وقت ثاقب کا میک اپ ہے اور دنیا کی نظروں میں ثاقب کو ہی مر جانے دیتے ہیں.... ان کے چہرے پر کوئی اور میک اپ کر کے ان کے گھر بھیج دیں گے۔ ان کے گھر والے انہیں اس میک اپ میں خوشی سے قبول کریں گے۔ اصل راز انھیں بھی نہیں بتایا جائے گا...."

"بہت خوب! ان حالات میں اس سے بہتر بات ہو ہی نہیں سکتی... لیکن ان لوگوں کا کیا کریں.... جنہوں نے اس وقت

ہمارے گھر پر قبضہ کر رکھا ہے.... اور ہماری پیاری پارٹی کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔"

"ان کا انتظام میں نے سوچ لیا ہے۔" فرحت نے فوراً کہا۔

"حیرت ہے.... کیا اس بار فرزانہ بالکل پیچھے رہ جائے گی۔" آفتاب نے کہا۔

"ہاں رہ جاؤں گی.... پہلے فرحت کی ترکیب سن لو۔" اس نے جل کر کہا۔

"ترکیب یہ ہے کہ ہم فون کر دیتے ہیں.... یہ ظاہر کرتے ہوئے جیسے ہمیں یہ بات معلوم نہیں کہ ہمارا گھر اس وقت دشمنوں میں گھرا ہوا ہے.... ظاہر ہے.... وہ دشمن بھی سنیں گے.... اور اس طرف دوڑ پڑیں گے۔ اس سے پہلے ہم ثاقب صاحب کو لے کر یہاں سے نکل جائیں گے...."

"ارے ہم.... یعنی.... پروفیسر طاؤس جاری کے بیوی بچے وہ بھی تو اس کے کاروبار میں شریک ہیں۔"

"تب پھر ان لوگوں کو ختم کرنا بھی ضروری ہے.... کیونکہ یہ لوگ سانپ سے زیادہ خطرناک ہیں اور یہ کام ہمیں فون کرنے سے پہلے کرنا ہوگا.... تاکہ ہم انھیں یہاں سے

آتے ہیں۔"

وہ اوپر گئے اور باقی لوگوں کو بھی نیچے لے آئے،
ان سب کو بےہوش کر دیا گیا.... پھر صرف طاؤس جاوری کی
لاش کو اوپر لایا گیا... باقی لوگوں کی لاشوں کو تہ خانے
میں چھوڑ دیا گیا... فارمولا بھی بیگ میں سے مل گیا...
اس کو آگ لگا دی گئی اور جلے ہوئے کاغذات وہیں بکھیر
دیے گئے... تاکہ دشمن آ کر ساری بات سمجھ جائیں...

اب محمود نے گھر کے نمبر ڈائل کیے... دوسری طرف
سے انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"ہاں محمود بیٹے... امید ہے تم خیریت سے ہو گے۔"

"آپ فوراً یہاں پہنچ جائیں... ہم نے ثاقب شامی کو
تلاش کر لیا ہے... ثاقب شامی کو بے ہوش کر لیں... اور
فوراً آ جائیں۔"

پتا نوٹ کراتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا اور بولا:

"بس! اب نکل چلو۔"

وہ ثاقب شامی کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل آئے
اور ایک راستے سے گھر کا رخ کیا۔

"بڑی باجی ہم پر بڑی ناراض ہو رہی ہوں گی" محمود کی بجائے فاروق
بولا۔

"نہیں، ہم تو بہت خوش ہو رہے ہیں۔"

"یہ ہو سکتا ہے۔" منکس نے حیران ہو کر
دیکھا... ثاقب شامی مسکرایا۔

اور وہ جب گھر میں داخل ہوئے تو سب اچھے
پڑے تھے... لیکن مسکرا رہے تھے۔

"حیرت ہے... آپ مسکرا رہے ہیں۔" منکس بولا۔

"تو اور کیا کریں... ہم تم لوگوں کی چال کو سمجھ گئے
ہیں...."

"اچھا! بتائیے... ہم نے کیا کیا ہے۔"

"تم لوگوں نے طاؤس جاوری اور اس کے گھر والوں کو ختم کرنے
کے لیے وہاں فون کیا تھا... تاکہ ہمیں دشمن سے
نجات مل جائے... اور یہ ہیں مسٹر ثاقب شامی......
اب یہ ثاقب شامی کے نام سے اپنے گھر نہیں رہ سکتے،
خیر اس سلسلے میں ان کے گھر والوں کو سمجھا دیں گے...
اور مسٹر شامی.... آپ اب اس نام کو بھول جائیں...
ایسی چیز کا کیا کرنا... جس کے پیچھے ساری دنیا لگ
جائے۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا۔

"اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ کیس ختم... اور ہم اپنے